فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

# شانِ حبیب الرحمٰن
# مِن آیات القرآن



حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی

دینی، سماجی، اخلاقی اور ملی اقدار کا محافظ
سہ ماہی
انوارِ رضا
جوہر آباد
ملک محبوب الرسول قادری
Vol.7: 1,2

انٹرنیشنل غوثیہ فورم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# شانِ حبیب الرحمٰن

## مِن آیاتِ القرآن

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

# شانِ حبیبُ الرّحمٰن
# مِن اٰیاتِ القرآن

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی

انٹرنیشنل غوثیہ فورم
زاویۂ قادریہ
0300/0313-9429027

الصلوٰة والسلام علیک یا رسول اللہ



# رفعتِ رحمتِ کبریا دیکھئے

## بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گل ہائے نعت

رفعتِ رحمتِ کبریا دیکھئے | چہرہ والضحیٰ دل رُبا دیکھئے
لائی بادِ صبا، بوئے شاہِ زمن | جلوہ احمدِ مجتبیٰ ﷺ دیکھئے
شہرِ طیبہ میں ہر اک کے دل کی صدا | مصطفیٰ، مصطفیٰ، مصطفیٰ ﷺ دیکھئے
وہ ہیں شمس الضحیٰ وہ ہیں بدر الدجے | نورِ انوارِ نورُ الہدیٰ دیکھئے
چارسو ان کے جلوے ہیں پھیلے ہوئے | روئے انور پہ جھومر سجا دیکھئے
بزمِ اقراء میں جبریل کی گفتگو | شہرِ مکہ میں غارِ حرا دیکھئے
یہ ہے سدرہ نشیں اور وہ رب کے قریں | شب اسراء کا پردہ اٹھا دیکھئے
ہیں صحابہ ستار، قمر آپ ہیں آل | کشتیِ نوح نجا دیکھئے
سب ملائک، رسل اور سبھی انبیاء | قدس میں مقتدی، مقتداء دیکھئے
میرے آقا کے خادم شہنشاہِ کل | مظہرِ مصطفیٰ ﷺ، مرتضیٰ دیکھئے
جو بھی دیکھے تجھے بس وہ کہتا رہے | صورتِ مصطفیٰ ﷺ حق نما دیکھئے
آپ کے جد اعلیٰ کا فیضان ہے | آبِ زمزم پہ یہ جمگھٹا دیکھئے
میں ہوں خادم ترا اور تری آل کا | شہرِ طیبہ میں مجھ کو بلا دیکھئے
ہے مری یہ دعا اور یہی التجا | اپنی امت کو خیر الوریٰ ﷺ دیکھئے
قادری ہی نہیں تیرا مدح سرا | بو حنیفہ و غوث و رضا دیکھئے

نتیجہ فکر: محمد محبوب الرسول قادری

# هدیہ

خیبر پختون خواہ سے بزرگ عالم دین حضرت استاذ العلماء

علامہ مولانا سید **سلطان روم** چشتی نظامی مدظلہ

کی ترغیب اور اُم القراء مکۃ المکرمہ کی مقدس فضاؤں میں بسنے والے

اپنے درویش صفت عظیم دوست

الحاج **فضل معبود خان** قادری حفظہ اللہ تعالیٰ

کی خواہش اور آرزو پر اُن کے بھتیجے

عزیز گرامی مولانا **محمد ادریس خان** قادری ابن **فضل حمید خان** حفظہ اللہ تعالیٰ

تھانہ۔ تحصیل بٹ خیلہ۔ ضلع ملاکنڈ۔ خیبر پختون خواہ

کی علوم شریعہ اسلامیہ (درسِ نظامی) کی تکمیل اور جامعہ اسلامیہ لاہور کے

سالانہ جلسۂ دستارِ فضیلت کے موقع پر

رب کریم جل وعلا کی بارگاہ عالی میں سجدۂ شکر ادا کرتے ہوئے

یہ کتاب معزز شرکاء و حاضرین کو ہدیہ کی جارہی ہے

---

اے اللہ! بانیٔ ادارہ، صاحبِ فضل قدیر، مترجم تفسیر کبیر

حضرت محقق العصر مولانا **مفتی محمد خان قادری** دامت برکاتہم العالیہ

کو صحت وسلامتی کے ساتھ عمرِ خضر عطا فرما اور ادارہ کے

جملہ معاونین و اساتذہ کرام کو جزائے خیر سے نواز۔ آمین

---

مملوکِ محمد **محبوب الرسول قادری**

۲ فروری ۲۰۱۴ء۔ اتوار۔ ۲ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

# فہرست کتاب

## مستطاب شانِ حبیبُ الرحمٰن صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

حمد اسی پرودگار عالم کو لائق ہے جس نے امر کن سے تمام جہان پیدا فرمایا اور ایک مشت خاک سے انسان بنایا اور اس کو "لقد کرمنا بنی آدم" کا تاج پہنایا۔ سبحان اللہ! کیسا رحیم و کریم اور کار ساز ہے جس نے اپنے فضل سے ہم پر نعمتوں کے دریا بہا دیئے۔ اگر ہمارے بال زبان بن کر اس کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہیں تو ہرگز نہ کر سکیں۔

گر برتن من زبان سود ہر مو احسان ترا شمار نتوانم کرد

پھر اس خاک کو عزت دین کے لئے ان میں انبیاء کرام کو بھیجا کہ یہ تمام نعمتوں سے بالا تر نعمت ہیں پھر درود نامحدود اس محبوب رب ودود پر جس کا وجود باوجود اس جہان کی پیدائش کا سبب ہے' سارا باغ عالم اسی ایک سچے پھول کے لئے لگایا گیا۔ آدم آدمیان عالم اور عالمیان اسی دولہا کے براتی اور اس نوشہ کے طفیلی ہیں۔

سبحان اللہ! کیسا بادشاہ' نبیوں کا سردار' گنہگاروں کا غمخوار' شافع روز شمار' رحمت پروردگار بیکسوں کا کس' بے بسوں کا بس' کمزوروں کا زور' بے سہاروں کا سہارا' جس کا ذکر پاک بے چین دل کا چین بے قرار دل کا قرار ہے۔ کیسے روف و رحیم کہ ولادت پاک کے وقت گنہگاروں کو فراموش نہ فرمایا' معراج میں سیہ کاروں کو یاد رکھا' بعد وصال قبرانور میں خطا کاروں کے لئے لب پاک کو جنبش دی (مدارج) قیامت میں سب کو جان کی فکر مگر محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جہان کی۔

جب ماں اکلوتے کو بھولے آ آ کہہ کے بلاتے ہیں
قصر دنے تک کس کی رسائی جاتے یہ ہیں آتے یہ ہیں

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم الی یوم الدین

بعد حمد و صلوۃ کے جاننا چاہئے کہ انسانی زندگی کا اصلی مقصد اپنے رب کو پہچاننا اور اس کی عبادت کرنا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ" (ہم نے جن و انس کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ ہماری عبادت کریں) اور رب کریم کو وہی پہچان سکتا ہے جو اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان عالی کو جانتا ہو، عیسائی، یہودی، مشرکین سالہا سال عبادت کریں مگر نہ عارف ہو سکتے ہیں اور نہ صحیح معنوں میں عابد۔ کیوں؟ اس لئے کہ مدنی تاجدار علیہ الصلوۃ والسلام کو بغیر پہچانے ہوئے عبادت وغیرہ کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے اپنی پہچان بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ اپنے محبوب علیہ السلام کے ذریعہ کرائی۔ فرمایا "هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ" (رب العالمین وہ شان والا ہے، جس نے اپنے رسول علیہ السلام کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا) کہیں فرمایا "هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ" (پروردگار وہ شان والا ہے جس نے بے پڑھوں میں ایک شان والا رسول بھیجا، ان ہی میں سے ہے) اگر کوئی شخص اللہ کو خالق السموات والارض ہونے سے پہچانے تو عرفان میں ناقص، اور جو اسے خالق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے سے جانے وہ کامل مومن ہے۔

غرضیکہ دست قدرت کو بھی اپنے شان والے محبوب پر ناز ہے کہ بار بار فرماتا ہے کہ اگر ہماری شان ہماری صنائی دیکھنا ہے تو ہمارے شان والے دریکتا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو۔

صنائی کی کاریگری مصنوع سے پہچانی جاتی ہے اور عالم کا زور علمی اس کے اعلیٰ شاگرد سے معلوم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح خدائے قدوس کا کمال، مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال میں نظر آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مظہر ذات ذوالجلال ہے۔

اس صورت نوں میں جاں آکھاں' جاں آکھاں کہ جان جہاں آکھاں
بچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں جس شان تھیں شاناں سب بنیاں

رب العالمین بے مثل خالق ہے اور محبوب علیہ السلام بے مثل مخلوق' کسی دین والا ایسی کوئی ہستی پیش نہیں کر سکتا جیسی کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی ذات ہے۔ اس کی تحقیق آئندہ ہو گی انشاء اللہ مگر زمانہ موجودہ کے مسلمان جہاں اور باتیں بھول چکے وہاں اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان سے بھی غافل ہو گئے' پھر شامت اعمال سے قوم مسلم میں ایسے مسلم نما بے دین بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے شان محبوب علیہ السلام کو گھٹانا اپنا دین قرار دے لیا اور اس ذات کریم کو اپنی مثل بشر اور بڑا بھائی اور معاذ اللہ نہ معلوم کیا کیا بتانا شروع کیا' سیدھے سادھے مسلمان ان کے جبہ و دستار دیکھ کر ان کے جال میں گرفتار ہو گئے۔ اس رفتار زمانہ کو دیکھ کر سمجھدار اور دین دار مسلمان خون کے آنسو روتے ہیں۔

زمانہ کی زبوں حالت کو دیکھتے ہوئے حضرت محترم حاجی دین متین ناصر المسلمین حاجی الحرمین الشریفین جامع شریعت و طریقت واقف اسرار حقیقت و معرفت راہبر گمراہان ہادی گم گشتگان حضرت حاجی تراب اقدام احمد صاحب عرف حاجی محمد علی صاحب متولی و مہتمم مسجد گلزار مدینہ مدظلہ' نے ازراہ ہمدردی اہل اسلام مجھ سے فرمائش کی کہ قرآن کریم کی وہ آیات جمع کرو جو صراحتہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان فرما رہی ہیں اور اس کے مطالب کو مختصر طریقہ پر اس طرح بیان کرو جس سے مسلمانوں کے دل نور ایمان سے جگمگا جائیں شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اہل ایمان کو پتہ چل جائے جس کے پڑھنے سے مومنوں کے دل کو سرور' آنکھوں کو نور حاصل ہو' مخالفین اسلام بھی پیغمبر اسلام علیہ السلام کے ان فضائل پاک کو دیکھ کر حضور علیہ السلام کے گرویدہ ہو جائیں' مگر مجھے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا پورا پورا احساس تھا بھلا کہاں مجھ جیسا بے ہنرا انسان اور کہاں سید الانس والجان کی شان۔ رب تعالیٰ دنیاوی سلطان کے

بارے میں فرماتا ہے۔ "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ" (یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرما دو کہ دنیاوی سامان تھوڑا ہے۔) مگر اس کے باوجود کوئی شخص بھی اس کو شمار نہیں کر سکتا۔ "وَاِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" اور اخلاق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق فرماتا ہے۔ "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ" (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بڑے ہی اخلاق والے ہیں۔) جب تمام انسان قلیل کو نہیں شمار کر سکتے، تو اس عظیم اخلاق والے عظیم ترین محبوب کے فضائل کی کس کو طاقت ہے کہ شمار کر سکے۔ لیکن صرف یہ خیال کیا کہ کم از کم بروز قیامت ہمارا نام نعت گویوں اور نعت خوانوں میں آ جائے اور ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ کی برکت سے بروز قیامت حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نعلین برداروں میں حشر نصیب ہو جائے۔ اور ان کی ثنا خوانی خدا کرے کفارہ سئیات بن جائے توکلا علی اللہ اس مبارک کام کو شروع کیا۔ شروع تو کر دیا مگر مولیٰ تعالیٰ اس کو بخیر و خوبی انجام پر پہنچا دے۔ آمین۔

۱۸ جمادی الاول سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۳ جون سنہ ۱۹۴۲ء بروز پنجشنبہ یہ کتاب شروع کی گئی۔ اس کتاب کا نام "شان حبیب الرحمن من آیات القرآن" رکھتا ہوں۔ "وَمَا تَوْفِيْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ وَهُوَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِيْمِ

احمد یار خاں، بدایونی

مدرس مدرسہ، انجمن خدام الصوفیہ گجرات پنجاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمہ

حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کو بنظر ایمان دیکھا جائے تو اس میں اول سے آخر تک نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معلوم ہوتی ہے۔ حمد الٰہی ہو یا بیان عقائد گزشتہ انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے واقعات ہوں یا احکام' غرض قرآن کریم کا ہر موضوع اپنے لانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محامد اور اوصاف کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ مثال کے طور پر سورہ اخلاص "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کو لیجئے کہ اس میں خدائے قدوس کی صفات کا ذکر ہے۔ اور سورہ لہب کو دیکھئے یعنی "تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ" کہ اس میں بظاہر ابولہب کافر اور اس کی بیوی کا تذکرہ ہے۔ از اول تا آخر' مگر جب غور کرو تو یہ دونوں سورتیں محبوب کی نعت پاک سے بھری ہوئی ہیں۔ قل ھو اللہ میں ارشاد ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تم کہہ دو کہ اللہ ایک ہے اور وہی بھروسہ کے لائق ہے نہ وہ کسی کی اولاد' نہ اس کی کوئی اولاد وغیرہ وغیرہ' مگر ایک کلمہ "قل" نے (یعنی محبوب تم کہہ دو) اس ساری سورۃ میں نعت کو شامل کر دیا۔ کیوں کہ مرضی الٰہی یہ ہے کہ اے محبوب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلام تو ہمارا ہو اور زبان تمہاری۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی
اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند

ہماری صفات تو تم دنیا کو بتاؤ اور فرماؤ اللہ احد اور تمہاری صفات ہم ارشاد فرماتے ہیں کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تم کہلواؤ اور محمد رسول اللہ ہم کہلواتے ہیں یعنی ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے منہ سے اپنے اوصاف سنیں تم ہمیں سناؤ۔ اَللّٰهُ اَحَدٌ بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ محبوب فرزند سے باتیں سنتے

ہیں، چوں کہ اس کی زبان کے لفظ میٹھے اور پیارے معلوم ہوتے ہیں تو بار بار کہلوا کر سنتے ہیں۔ رب نے اپنے محبوب سے قرآن پڑھوا کر سنا ورنہ میثاق کے دن سب سے پہلے توحید کا اقرار حضور ہی نے کیا تھا۔ یا قل سے یہ مقصود ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہہ دو اللہ احد لہٰذا اگر کوئی انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے بغیر ہماری صفات کو جانے مانے ہرگز عارف یا موحد نہیں۔ جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی توحید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن پاک سے لپٹ کر نہ مانے۔ اسی لئے کلمہ طیبہ کا نام تو ہے کلمہ توحید مگر اس میں اللہ کے ذکر کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی ہے کہ جز اول میں توحید اور جزو دوم میں توحید سکھانے والے کا اسم پاک آ جائے کہ توحید صحیح بغیر رسالت کی دستگیری کے حاصل نہیں ہوتی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

"تَبَّتْ يَدَى اَبِى لَهَبٍ" میں بھی نعت شامل ہے۔ قل ھواللہ احد میں تو قل فرمانے سے نعت کی شان نظر آئی اور یہاں قل نہ فرمانے سے۔ کیونکہ ایک بار ابو لہب ابن عبدالمطلب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں عرض کیا تھا کہ تبالک آپ تباہ ہو جائیں۔ پروردگار عالم نے اس کلمہ ملعونہ کا بدلہ اور انتقام لیتے ہوئے خود فرمایا کہ "تَبَّتْ يَدَ اَبِى لَهَبٍ وَّتَبَّ" (کہ ابو لہب ہلاک ہو جائے) اور وہ ہلاک ہو بھی گیا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ دیں ہم خود جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں اب اس سے جہاں ابولہب کی گمراہی و ہلاکت وغیرہ کا ذکر ہوا ساتھ ہی ساتھ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و عظمت بارگاہ الہیہ میں معلوم ہو گئی کہ ان کی شان میں ادنی سی بکواس کرنے والا خدائے پاک کا دشمن قرار پاتا ہے۔ "مَنْ عَادىٰ لِى وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ" (جس نے میرے دوست سے دشمنی کی میں اس کو اعلان جنگ دیتا ہوں۔) (مشکوہ)

صحابہ کرام و اہل بیت عظام کے مناقب مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے فضائل جو

جو قرآن کریم میں ارشاد ہوئے وہ حقیقت میں نعت مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ بادشاہ کے غلاموں کی تعریف اس کے تخت و تاج کی مدحت درحقیقت بادشاہ کی ثنا خوانی ہے۔ کفار کی برائیاں بت پرستوں کی مذمت بھی اسی شہنشاہ کی نعت ہے جس کی مخالفت سے یہ لوگ مردود ہوئے۔

اسی طرح آیات احکام کو دیکھئے کہ سب میں حضور علیہ السلام کی نعت ظاہر ہے مثلاً قرآن میں جگہ جگہ نماز اور زکوۃ کا حکم دیا یا حج فرض فرمایا' مگر کسی جگہ یہ نہیں بتایا کہ نماز کس طرح پڑھو' کس کس وقت پڑھو' کتنی رکعتیں پڑھو' اسی طرح یہ وضاحت بھی نہ فرمائی کہ زکوۃ کون دے' کتنے مال پر دے' کس قدر دے' حج کرو' مگر تمام حج کے قاعدے نہیں بیان کئے۔ ہمارے محبوب علیہ السلام کے مبارک فعل اور قول کو دیکھ لو' ان کی زندگی پاک ہمارے سارے احکام کی مکمل تفسیر ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ نماز' روزہ حج وغیرہ محبوب علیہ السلام کی محبوب اداؤں کا نام ہے۔ ان کی ادائیں پیاری ہیں جو بھی اخلاص سے ان کی سی ادائیں کرے گا مقبول ہو گا۔ اگر کوئی شخص رکوع و سجدہ میں قرآن پڑھ لے اور قیام میں التحیات پڑھے یعنی جو ذکر الٰہی نماز میں ہوتا ہے اس کی ترتیب بدل دے نماز نہ ہو گی۔ آخر یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس نے اگرچہ سارے ارکان ادا کر دیئے اور سارے ذکر بھی کر لئے مگر اس طرح نہیں کئے جس طرح سے محبوب علیہ السلام کرتے تھے۔ پیاری تو ان کی ادائیں ہیں نہ محض تمہارے افعال۔ دیکھو نماز و تلاوت بزبان عربی لازم ہے کہ یہ ہی محبوب کی زبان ہے۔ ہمیں طوطی مینا پیاری ہیں کیونکہ یہ ہماری سی بولی بولتی ہیں اگرچہ بغیر سمجھے ہی سہی۔ تو اے مسلمانو! تم بھی اس محبوب کی بولی بولو اگرچہ بغیر سمجھے ہوئے سہی ثواب پاؤ گے۔ اگر نماز محض درخواست ہوتی تو ہر زبان میں ادا ہو جاتی۔ کہ رب تو ہر زبان جانتا ہے۔ حج میں کیا ہے؟ کہیں ٹھہرنا' کہیں دوڑنا' کہیں کنکر پھینکنا' کہیں طواف میں گھومنا' آخر یہ کام ان تاریخوں میں عبادت کیوں بن گئے؟ اس لئے کہ یہ اللہ والوں کے کام ہیں۔ حدیث پاک

میں ارشاد ہوا "من تشبه بقوم فهو منهم" (جو کسی سے قوم کی مشابہت کرے وہ اسی قوم سے ہے) ہماری نمازوں اور ساری عبادتوں کا یہ حال ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت اور تشبیہ نصیب ہو جائے' شاید اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ہمیں بخش دے۔

رات کی تاریکی میں نمازیں امت کی بخشش کی دعائیں
ان کے سجدے فخر عبادت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہمارے یہ سجدے سجود انہیں مقبول سجدوں کی نقل ہیں۔ غرضیکہ ساری احکام کی آیات نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اسی طرح وہی کام گناہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ" لہم کے مقدم ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ان ہی کو عذاب ہو گا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دیں۔ معلوم ہوا کہ ہر کافر کے کفر اور مومنوں کے گناہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا ہوتی ہے۔ اگر کسی عبادت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہیں تو وہ عبادت گناہ ہے اور اگر کسی کی خطا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں تو وہ خطا عین عبادت ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غار میں سانپ سے اپنے کو کٹوا لینا خود کشی نہیں' عین عبادت ہے۔ ابوامیہ ضمری کا مجبوری کلمہ کفر منہ سے نکال دینا کفر نہیں' خیبر میں حضرت علی کا نماز عصر قضا کر دینا گناہ نہیں بلکہ عبادت تھا کہ ان چیزوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے۔ مگر فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی موجودگی میں حضرت علی کے لئے دوسرا نکاح گناہ تھا کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچتی۔ عرفات میں نماز مغرب قضا کرنا عبادت ہے کہ اس سے حضور راضی ہیں۔

لیکن ہم کو اس مختصر سے رسالہ میں ان ہی آیات کریمہ کے متعلق عرض کرنا ہے

جو براہ راست نعت سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں' آؤ اپنے نبی کے گیت گائیں اور اسی پر مقدمہ ختم کریں۔

تخت ہے ان کا' تاج ہے ان کا دونوں جہاں میں راج ہے ان کا
جن و ملک ہیں ان کے سپاہی رب کی خدائی میں ان کی شاہی
شاہ و گدا ہیں ان کے سلامی فخر ہے سب کو ان کی غلامی
اونچے اونچے یہاں جھکتے ہیں سارے انہیں کا منہ تکتے ہیں
کعبہ کی زینت ان کے دم سے طیبہ کی رونق ان کے قدم سے
کعبہ ہی کیا ہے سارے جہاں میں دھوم ہے ان کی کون و مکاں میں
باغ خلیل کا وہ گل زیبا کشت صفی کا نخل تمنا
رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
دان کرو دربار ہے بھاری در پہ کھڑے ہیں سارے بھکاری
در پہ ہیں حاضر اپنے پرائے آپ کے دم سے آس لگائے
ہم تو پرانے کمین ہیں در کے نام لکھے ہیں پدر مادر کے

چشم کرم اللہ ادھر ہو
سالک خستہ پر بھی نظر ہو

احمد یار خاں نعیمی عفااللہ عنہ بدایونی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی حَبِیۡبِہِ الۡکَرِیۡمِ

(۱) "هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" (پارہ ۲۷' سورہ حدید رکوع ۱) وہ ہی اول ہے وہ ہی آخر ہے وہ ہی ظاہر ہے وہ ہی چھپا اور وہ ہر چیز جانتا ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ یہ آیت کریمہ حمد الٰہی بھی ہے اور نعت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اول ہیں اور سب سے پیچھے اور سب پر ظاہر اور سب سے چھپے ہوئے اور حضور علیہ السلام ہر چیز کو جانتے ہیں' اول تو اس طرح کہ دنیا و آخرت ہر جگہ سب سے اول ہی ہیں' سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا ہوا۔ "اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ" جسما تو حضرت آدم علیہ السلام کے والد ہیں مگر حقیقتاً حضور علیہ السلام والد آدم ہیں بظاہر درخت سے پھول ہے مگر حقیقت میں پھول سے درخت ہے۔

ظاہر میں میرے نخل حقیقت میں میری اصل
اس گل کی یاد میں یہ صدا ابو البشر کی ہے

اس باغ عالم کے حضور پھول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ سب سے پہلے نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی۔ خود فرماتے ہیں "كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمَ بَيْنَ الطِّيْنِ وَالْمَآءِ" (ہم اس وقت نبی تھے جبکہ حضرت آدم اپنے آب و گل میں جلوہ گر تھے) میثاق کے دن "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کے جواب میں سب سے پہلے "بَلٰی" فرمانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں' بروز قیامت سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کھولی جائے گی' بروز قیامت اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کا حکم ملے گا سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔ اور شفاعت کا دروازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دست اقدس پر کھلے گا۔ اول حضور صلی اللہ

علیہ وسلم ہی جنت کا دروازہ کھلوائیں گے' اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی جنت میں تشریف فرما ہوں گے' بعد میں تمام انبیاء۔ اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی امت جنت میں جائے گی بعد میں تمام امتیں۔ غرضیکہ ہر جگہ اولیت کا سہرا ان ہی کے سر پر ہے۔ اول دن یعنی جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیا گیا' اس قدر اولیت کے باوجود پھر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم آخر بھی ہیں۔ سب سے آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا' خاتم النبیین آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا لقب ہوا۔ سب سے آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو کتاب ملی۔ سب سے آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا دین آیا۔ سب سے آخر دن یعنی قیامت تک حضور ہی، کا دین باقی رکھا گیا۔

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے
پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی

نماز اسریٰ میں تھا یہ ہی سرّ عیاں ہو معنی اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

اب رہا ظاہر و باطن۔ حضور علیہ السلام سب پر حاضر ہیں اور ہمیشہ ظاہر' سب پر تو اس طرح ظاہر کہ ان کو مسلمان جانیں' کافر پہچانیں "یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کو بیٹے سے مثال دی نہ کی باپ سے۔ اس کی تین وجہ ہیں۔ بیٹا اپنے باپ کو صرف لوگوں سے سن کر جانتا ہے بلا دلیل مگر باپ اپنے بیٹے کو اپنے نکاح' قرار حمل' ولادت وغیرہ دلائل سے جانتا ہے۔ کفار بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ولادت پاک سے پہلے ہی جانتے تھے اور ان کی آمد کی دعائیں مانگتے تھے۔ نیز بچہ دنیا میں آکر فوراً نہیں پہچانتا بلکہ سمجھدار ہو کر مگر باپ بیٹے کو اول سے ہی جانتا ہے۔ حضور علیہ السلام کو بچپن ہی سے سارا عالم جانتا تھا کہ پہاڑ سلام کرتے تھے' حجر خوشخبریاں دیتے تھے' درخت سایہ کے لئے جھکتے تھے' چاند باتیں کرتا تھا' کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہیاں دیتے تھے۔

بلائے سرش زہو شمندی ے تافت ستارہ بلندی

جانور جانیں، اونٹ سجدہ کریں، جنگل کے ہرن امن مانگیں، چاند و سورج جانیں کہ چاند تو اشارہ پاکر دو ٹکڑے ہو جائے اور سورج ڈوب کر لوٹ آئے۔ جانتے ہیں کہ اشارہ محبوب ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرش والے جانیں، عرش والے پہچانیں۔ حضرت آدم علیہ السلام آنکھ کھولتے ہی عرش اعظم پر رب کے نام کے ساتھ محبوب کا نام لکھا ہوا پائیں، جنت والے جانیں، دوزخ والے پہچانیں، جنت کے پتے پتے پر حوروں کی آنکھوں میں، غلمانوں کے سینہ پر غرضیکہ ہر جگہ لکھا ہوا ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

خلد بریں میں ہر جگہ نام شہ انام ہے
خلد ہے ملک آپ کا صلی علیٰ محمد

دوزخی بھی اقرار کریں "قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ" وہ بھی جانیں گے کہ مخالفت سید الابرار ہم کو یہاں لائی غرضیکہ جہاں اللہ کا چرچا ہے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر۔ تمام عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اور ہر جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور پھر قیامت تک محبوب کی ہر ہر ادا سب کو معلوم۔ زندگی پاک کی ایک ایک حالت کریمہ۔ ولادت پاک، دودھ پینا، پرورش پانا، قبل نبوت کے واقعات، بعد نبوت اندرونی اور بیرونی زندگی پاک، چلنا پھرنا، کھانا جاگنا، تبسم فرمانا، گریہ و زاری کرنا غرضیکہ زندگی پاک ہر شعبہ، ہر وقت، ہر جگہ، ظاہر، عرب میں ظاہر، عجم میں ظاہر، پنجاب میں ظاہر، کابل میں ظاہر، کون سی جگہ ہے جہاں کتب حدیث نہ پہنچی ہوں۔ ظاہر تو ایسے مگر لطف یہ ہے کہ جیسے وہ ہیں ایسا کسی نے نہ جانا بجز پروردگار وہ شان ظہوری تھی اور یہ شان بطون۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

کس ندانست کہ منزل گہ محبوب کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے مے آید

سنا ہے رہتے ہیں دولہا فقط مدینہ میں
غلط ہے رہتے ہیں وہ عاشقوں کے سینے میں

مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند قصائد قاسمی میں لکھتے ہیں۔

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت
نہ جانا کون ہے کچھ بھی کسی نے بجز ستار
سوا خدا کے بھلا کوئی تجھ کو کیا جانے
تو شمس نور ہے شیر نمط اولو الابصار

غرضیکہ دیدہ انسان میں بشریت ظاہری ہوئی مگر حقیقت محمدیہ بجز پروردگار کوئی بھی نہ جان سکا' جس طرح کہ سورج کو اس کے نور نے چھپا لیا کہ کوئی بھی اس کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔

اسی طرح حضور انور علیہ السلام کی نورانیت پردہ بن گئی۔ رب نے اسی لئے نور فرمایا "قَدْ جَآءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُور وَکِتٰبٌ مُّبِین" یعنی اے مسلمانو! (تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے نور اور کھلی ہوئی کتاب آئی۔) اس کی بحث آگے آئے گی۔ پانچویں صفت بیان ہوئی "هُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" (اور وہ محبوب علیہ السلام ہر چیز کو جاننے والے ہیں) یعنی خالق کی ذات و صفات اور علوم ظاہر و باطن اور مخلوق کے اولین و آخرین کے سارے علم حضور علیہ السلام میں جمع ہیں۔ اور مخلوق الٰہی میں "فَوْقَ کُلِّ ذِی عِلْم عَلِیْمٌ" (ہر علم والے کے اوپر ایک بڑا عالم ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں' جس آنکھ نے خالق عالم کو معراج میں دیکھا ہو مخلوق کس طرح اس سے چھپ سکتی ہے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود
صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحبہ وبارک وسلم

آیت نمبر۲۔ "وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ" (پارہ ۱ سورہ بقر' رکوع ۳) (یعنی اور اگر تم کو اے کافرو! کچھ شک ہو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندہ خاص پر اتاری' تو تم اس کی طرح ایک سورۃ تو لے آؤ۔ اور اللہ کے سوا اپنے سب مددگاروں کو بلا لو) کفار مکہ کہتے تھے کہ قرآن کریم حضور علیہ السلام اپنی طرف سے بنا کر سناتے ہیں اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ انسانی مصنوعات کی پہچان یہ ہے کہ دوسرا انسان اس طرح کی چیز بنا سکے اور جو کسی انسان سے نہ بن سکے سمجھ لو کہ وہ خدائی مصنوع ہے جگنو اور چیونٹی اگرچہ کمزور چیزیں ہیں مگر کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ وہ انسان کی بنائی ہوئی ہیں مگر ریل کا انجن اگرچہ بہت طاقتور ہیں مگر سب جانتے ہیں کہ انسان کی بنائی ہوئی ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ آج صدہا کارخانے۔ انجنوں اور بجلی کے بنائے گئے ہیں مگر چیونٹی اور جگنو بنانے کا کوئی بھی کارخانہ نہیں۔ اس طرح یہاں فرمایا گیا کہ اگر قرآن کریم انسان کی بنائی ہوئی چیز ہے تو تم بھی ایسا قرآن بنا لاؤ۔

بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن پاک کی تعریف ہو رہی ہے مگر غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قرآن کی بھی تعریف ہے اور صاحب قرآن کی بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلوق میں سے کسی کے شاگرد نہیں بلکہ استاذ الکل ہو کر تشریف فرما ہوئے۔ بلاواسطہ پروردگار عالم ان کو سکھانے والا اور وہ سیکھنے والے۔

نہ لکھے نہ پڑھے جناب والا شاگرد رشید حق تعالیٰ

قاعدہ یہ ہے کہ بڑے استاذ کے شاگرد بھی بڑے ہی ہوتے ہیں۔ ایم اے کے ماسٹر کے پاس پڑھنا ہر ایک کا کام نہیں۔ جن کا سکھانے والا' پڑھانے والا پروردگار ہے تو سیکھنے والے محبوب کیسے علم و حکمت والے ہوں گے؟اسی لئے فرمایا کہ سارے مددگاروں کو بلا لو' دنیا بھر کے عالموں کو جمع کر کے مقابلہ کرو مگر نہ ہو سکے گا کیونکہ

سارے عالم مخلوق ہی سے پڑھ کر عالم بنے ہیں' مخلوق کے شاگرد ہیں۔ وہ اس ذات کا کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں جو خالق کا شاگرد ہو؟ مخلوق کا معلم علیہ الصلوہ والسلام۔ مفسرین نے اس آیت کے ایک معنی یہ بھی کہئے ہیں کہ مثلہ کی ضمیر حضور علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ ایک سورہ ہی ایسی لے آؤ جو کہ محمد رسول اللہ جیسی ذات کے مبارک منہ سے نکلی ہو۔ یعنی اولا تو کوئی ایسا شان والا محبوب دنیا میں ڈھونڈو' پھر اس کے منہ سے ایسی آیت پڑھوا کر سنو (خازن و مدارک وغیرہ) اب کلام کا مقصد یہ ہے کہ نہ ان جیسی شان کا آسمان کے نیچے کوئی ملے گا نہ ایسا کلام سنا سکے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام بے مثل اور بے نظیر ہیں۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا "اَیُّکُم مِثلی" (تم میں مجھ جیسا کون ہے؟) دوسری جگہ ارشاد ہوا "وَلٰکِنِّی لَستُ کَاَحَدٍ مِنکُم" (لیکن ہم تمہاری طرح نہیں) اور عقل کا بھی تقاضا ہے کہ حضور علیہ السلام کی مثل کوئی نہیں ہو سکتا۔

(۱) ہم سب مومن' حضور علیہ الصلوہ والسلام ایمان' (۲) ہم لوگ صادق وہ سراپا صدق۔ (۳) لوگ عالم وہ سراپا علم' کیونکہ ان کے احوال پاک کے جاننے کا یا ان کو پہچاننے کا نام علم ہے' ہمارا پیشاب پاخانہ ناپاک۔ حضور علیہ السلام کی یہ تمام چیزیں امت کے لئے (شامی جلد اول) ہماری نیند وضو توڑے ان کی نیند وضو نہ توڑے۔ ہم سب سن کر جنت و دوزخ' ذات و صفات پر ایمان لائے' ہمارا ایمان سنا ہوا' حضور علیہ السلام دیکھ کر۔ ہم سب پر پانچ نمازیں فرض۔ حضور علیہ السلام پر چھ' تہجد بھی "وَمِنَ اللَّیلِ فَتَھَجَّد بِہٖ نَافِلَۃً لَّک" (یعنی رات میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تہجد پڑھئے یہ نماز آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے زیادہ ہے۔) سب کے لئے اسلام کے ارکان پانچ اور حضور علیہ السلام کے لئے صرف چار یعنی زکوہ فرض نہیں (شامی کتاب الزکوہ) ہم کو چار بیویاں نکاح میں رکھنا جائز مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر چاہیں حلال۔ ہمارا مال میراث میں تقسیم ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ہو' ہماری بیویاں

ہماری موت کے بعد جس سے چاہیں نکاح کر لیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک بعد وفات کسی کے نکاح میں نہیں آ سکتیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے "ولا ان تنکحوا ازواجه من بعده ابدا" غرضیکہ بے شمار فرق ہیں عبادت میں بھی اور معاملات میں بھی۔ پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بشر ہیں، اس کی زیادہ تحقیق انشاء اللہ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کی بحث میں آئے گی۔

آیت نمبر ۲۔ "يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ" (پارہ پہلا سورہ بقرہ رکوع ۲) (یہ منافقین اللہ کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور نہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو اور یہ سمجھتے نہیں) اس آیت میں بظاہر تو منافقین کی برائی اور ان کا عیب بیان ہو رہا ہے مگر بغور نگاہ دیکھا جائے تو ساتھ ہی ساتھ حضور علیہ السلام کی وہ عظمت ثابت ہو رہی ہے کہ سبحان اللہ! تفسیر خازن میں اس آیت پر فرمایا کہ منافقین خدا کو دھوکا کس طرح دے سکتے ہیں؟ جواب دیا کہ "ذَكَرَ نَفْسَهٗ وَاَرَادَبِهٖ رَسُوْلَهٗ وَفِيْ ذٰلِكَ تَفْخِيْمٌ لَاَمْرِهٖ وَتَعْظِيْمٌ لِشَانِهٖ" یعنی فرمایا کہ منافقین اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں مگر اس سے مراد محبوب کی ذات پاک لی، یعنی فرمایا کہ منافقین اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں مگر مقصود ہے کہ رسول اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ محبوب علیہ السلام کو خدائے قدوس سے وہ قرب حاصل ہے کہ ان کو دھوکا دینے کی کوشش کرنا گویا پروردگار کو دھوکا دینا ہے۔

مدارک نے فرمایا کہ یہ آیت ایسی ہے کہ جیسی کہ بیعت کے بارے میں فرمایا گیا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ فرمایا گیا کہ اے محبوب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کنکر پھینکے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے پھینکے۔ سبحان اللہ! محبوب کے فعل کو

اپنا فعل فرمایا گیا۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

آیت نمبر ۳۔ "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ" (پارہ الم سورہ بقر رکوع ۴) (اور حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھا دیئے پھر ان چیزوں کو فرشتوں پر پیش فرمایا) اس آیت کریمہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی عزت و عظمت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے اور ان کی فراوانی علم کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ پروردگار عالم نے ان کو اگلی پچھلی چھوٹی بڑی ساری چیزیں دکھائیں اور سب کے نام تمام بتا دیئے۔ اور ہر چیز کا نفع نقصان اور سارے حالات ان کو تعلیم فرما دیئے دیکھو تفسیر مدارک۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت تک جس چیز کے جس قدر نام مختلف زبانوں میں ہوں گے وہ سارے ہی حضرت آدم علیہ السلام کو بتا دیئے گئے۔ مثلاً پانی کو عربی میں ماء کہتے ہیں اور فارسی میں آب، اردو میں پانی، انگریزی میں واٹر، ہندی میں جل، تلنگی میں پانٹرین، اور نہ معلوم کس کس زبان میں کیا کیا کہتے ہوں گے۔ یہ تمام نام ان کو سکھا دیئے گئے دیکھو تفسیر کبیر۔ غرضیکہ ہر چیز کو ان پر ظاہر فرما دیا اور اس فضیلت علمی کی بنا پر ان کو اپنی خلافت کا تاج پہنایا اور فرشتوں کا مسجود بنایا لیکن ساتھ ہی اس آیت کریمہ میں نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخوبی ظاہر ہو رہی ہے۔ بلکہ جس پیغمبر علیہ السلام کو پروردگار نے جو کچھ نعمت عطا فرمائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دست اقدس سے ملی۔ سرکار علیہ السلام فرماتے ہیں "اَللّٰهُ الْمُعْطِىْ وَاَنَا قَاسِمٌ" (اللہ دینے والا ہے اور ہم اس کو تقسیم فرمانے والے) رب فرماتا ہے "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ" (یعنی یہ انبیاء وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تو آپ بھی ان ہی کی راہ پر چلو) معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام تمام انبیاء کے ساری صفات کے جامع ہیں۔

اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دین میں اگلے پیغمبروں کی

اطاعت کیجئے کہ عقائد میں امتی کو بھی تقلید ناجائز ہے خود تحقیق کرنا ضروری ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں توحید و رسالت حشر و نشر پر عقلی دلائل قائم فرمائے تو سیدالانبیاء علیہ السلام عقائد میں دوسروں کی تقلید کیونکر کر سکتے ہیں؟ رہے دینی اعمال حضور علیہ السلام کا دین ان کا ناسخ ہے۔ اسلام ناسخ ادیان ہے ان میں پیروی کیسی" لہٰذا ھدھم سے انبیاء کرام کے ذاتی کمالات مراد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شکر نوح' سنت ابراہیم' اخلاص' موسیٰ صدق اسماعیل' صبر یعقوب و ایوب' توبہ داؤد' تواضع سلیمان و عیسیٰ علیہ السلام دیئے گئے۔ لہٰذا "اِقۡتَدِہۡ" کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالات انبیاء ہو جائیے (روح شروع سورہ نوح)

حسن یوسف دم عیسیٰ یدبیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہاداری

امام بوصیری رحمتہ اللہ شرح قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔

فَاَنَّکَ شَمۡسُ فَضۡلٍ ھُمۡ کَوَاکِبھَا
یُظۡھِرنَ اَنوَارَ ھَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَم

(یعنی اے محبوب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم عظمت کے سورج ہیں اور سارے پیغمبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تارے کہ سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے لے کر اندھیرے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نور لوگوں پر ظاہر کیا۔

یہ انبیاء و مرسلین تارے ہیں تم مہر مبیں
سب جگمگائے رات بھر چمکے جو تم کوئی نہیں

مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند تحذیر الناس میں لکھتے ہیں کہ علوم اولین و آخرین حضور علیہ السلام کے علم میں مجتمع ہیں جیسے کہ علم سمع و علم بصر علیحدہ علیحدہ ہیں مگر نفس ناطقہ میں سب جمع۔ اسی طرح یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم حقیقی ہیں اور باقی انبیاء علیہ السلام بالعرض۔ فتوحات مکیہ میں شیخ ابن عربی دسویں باب میں

فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے پہلے خلیفہ اور نائب ہیں۔ ان قرآنی آیات اور حدیث پاک اور اقوال علماء سے بخوبی واضح ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا علم باوجود اس قدر وسعت کے ہمارے آقا و مولی کے علم کے سمندر کا ایک قطرہ ہے یا دفتر کی ایک سطر۔ اب حضور علیہ السلام کا علم کس قدر وسیع ہے یہ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانیں یا ان کا دینے والا پروردگار۔ اس کی تحقیق آئندہ بھی آئے گی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنایا' خلافت الہیہ کا تاج عنایت کیا۔ یہ سب اس نور محمدی کی برکت سے ہوا جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ گر تھا۔ اسی نور کو حقیقتاً سجدہ کرایا گیا' اسی کے طفیل یہ علوم مرحمت ہوئے۔ (دیکھو مدارج النبوہ جلد ۲ شروع۔)

آیت نمبر ۵۔ "فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَالتَّوَّابُ الرَّحِيْمُ "(پارہ ۱ سورہ بقر رکوع ۴) (پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے' تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کی وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے) اس آیت کریمہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی خطا کے بعد تین سو برس تک سر آسمان کی طرف نہ اٹھایا' اس قدر روئے کہ اگر تمام دنیا کے آنسو جمع کئے جائیں تو ان کے آنسوؤں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ (خازن' مدارک' روح البیان) پانچ حضرات دنیا میں زیادہ روئے۔ حضرت امام زین العابدین' واقعہ کربلا کے بعد' فاطمہ الزہرا خاتون جنت حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد۔ حضرت یحیی علیہ السلام خوف الہی میں' حضرت یعقوب علیہ السلام' حضرت آدم علیہ السلام اپنی خطا پر۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں کچھ دعائیہ کلمے خدائے پاک کی طرف سے القاء ہوئے جب ان کلمات سے دعا مانگی تب رحمت الہی نے دستگیری فرمائی۔ وہ دعائیہ کلمہ کیا تھے؟ اس میں بہت سے قول ہیں'

شیخ عبدالحق نے مدارج جلد دوم کے شروع میں' روح البیان نے اس آیت کے

ماتحت طبرانی، حاکم، ابو نعیم، بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک دن روتے روتے حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں آیا کہ جب میں پیدا ہوا تھا۔ تب میں نے ساق عرش پر لکھا دیکھا تھا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" معلوم ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ ایسے مقرب بارگاہ الٰہی ہیں کہ ان کا نام رب نے اپنے نام سے ملا کر عرش پر لکھا ہے تب عرض کیا کہ خداوند میں اس ذات گرامی کے طفیل اپنی خطا کی معافی چاہتا ہوں، مجھے معاف فرما۔ اس وقت رحمت الٰہی کا دریا جوش میں آیا اور خطا سے معافی ہوئی، سبحان اللہ! کیا رحمت والا نام ہے کہ اپنے والد ماجد کو پہلے تو سجدہ ملائکہ سے کرایا پھر اس مصیبت سے بچالیا۔

اگر نام محمدؐ رانیا وردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا (جامی)

اب اولاد آدم کو بھی یہ ہی حکم دیا گیا کہ اگر تم لوگ گناہ کرو، کفر کرو، ظلم کرو، تو بارگاہ مصطفےٰ علیہ السلام میں حاضر ہو کر ان سے شفاعت کی درخواست کرو اور وہاں جا کر رب سے توبہ کرو اور محبوب بھی تمہارے لئے شفاعت فرما دیں تو تمہاری دعا قبول ہو گی۔ فرماتا ہے "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآؤُكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا" اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مدینہ پاک ہی جاؤ بلکہ اس ذات کریم کی طرف متوجہ ہو جاؤ کیونکہ وہ تو ہر جگہ حاضر ہیں، غائب تو ہم ہیں۔ اس کی تحقیق آئے گی۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ملو شما تو کیا، تمام انبیاء علیہ السلام بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاجت مند ہیں رب ہے رب العلمین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں رحمۃ للعلمین جس کا پروردگار رب ہے اس کے لئے حضور رحمت ہیں۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

آیت نمبر۱۶۔ "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ" (پارہ ۱ سورہ بقرہ رکوع ۱۳) (اے ایمان والو! راعنا نہ کہو یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی بغور سن لو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے) بظاہر اس آیت میں مسلمانوں کو روکا جا رہا ہے اور ایک چیز کا حکم دیا جا رہا ہے مگر درحقیقت یہ عظمت مصطفےٰ علیہ السلام کی چمکتی ہوئی ایک روشن دلیل ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ صحابہ کرام کا دستور یہ تھا کہ جب حضور علیہ السلام کچھ کلام فرماتے اور صحابہ کرام کی سمجھ میں کوئی کلمہ نہ آتا تو عرض کرتے "رَاعِنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ" اس کلام میں ہماری رعایت فرمایئے۔ یعنی ہماری خاطر دوبارہ فرما دیجئے' یہ کلمہ راعنا یہود کی زبان میں ایک گالی تھی۔ یہود بھی خدمت اقدس میں یہ ہی کلمہ بری نیت سے کہتے تھے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور مسلمانوں کو یہ کلمہ بولنے سے روک دیا گیا اور فرمایا گیا کہ اے مسلمانو! اس کلمہ کی بجائے تم "انظرنا" کہا کرو یعنی اگرچہ یہ کلمہ نیک نیتی سے کہتے ہو اور اچھے معنی مراد لیتے ہو' مگر یہود کو تو اس کی وجہ سے گستاخی کا موقع مل جاتا ہے۔ سبحان اللہ! کیا عظمت محبوب ثابت ہوئی کہ پروردگار عالم کو اپنے محبوب کی شان اس قدر بڑھانا منظور ہے کہ کسی کو ایسی بات کہنے کی اجازت نہیں دیتا کہ جس کلمہ سے دوسرے کو بدگمانی کرنے کا موقعہ ملے۔ اس مسئلہ سے یہ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی شان میں کوئی ہلکی بات منہ سے نکالنا اگرچہ بری نیت سے نہ ہو کفر ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے حضور علیہ السلام کے نعلین پاک کی بھی ادنیٰ گستاخی کی' کافر ہو گیا۔ شرح فقہ اکبر میں امام ابویوسف علیہ السلام کا ایک واقعہ نقل فرمایا کہ ہارون رشید کے دسترخوان پر کدو پک کر آیا۔ کسی نے کہا کدو حضور علیہ السلام کو مرغوب تھا دوسرے نے کہا لیکن مجھے پسند نہیں۔ اس پر امام ابویوسف علیہ السلام نے قتل کے ارادے سے

تلوار نکال لی اور حکم فرمایا کہ تو مرتد ہو گیا کیونکہ تو نے اپنی بے رغبتی کا حضور علیہ السلام کے مقابلہ میں ذکر کیا۔ اس نے توبہ کی' تب چھوڑا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دامن پر غلامی کا دھبہ لوگوں نے لگایا کہ مصر والوں نے سمجھا تھا کہ یہ بادشاہ مصر کے غلام ہیں۔ پروردگار عالم نے ایک ایسی قحط سالی بھیجی کہ تمام ملکوں کے لوگ اپنی جائیدادیں' جانور' ساری کائنات فروخت کرنے کے بعد آخر آپ کے ہاتھ پر خود فروخت ہو گئے اور آپ نے سب کو آزاد کر دیا۔ اب تمام دنیا تو آپ کی آزاد کردہ غلام ہو گئی' آپ سب کے آقا ہو گئے۔ اب کون تھا جو ان کو غلام کہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس زمانہ میں حضور علیہ السلام کی شان میں کلمات گستاخانہ کہے یا چھاپے' بے دین ہیں۔

آیت نمبرے۔ "اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ" (پارہ 1 سورہ بقر رکوع ۱۴) (بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا خوش خبری اور ڈر سنانے والا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہو گا) اس آیت کریمہ میں حضور علیہ السلام کے بہت سے فضائل اور مراتب کا ذکر ہے اولاً تو اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو کفار اور منکرین کی حالت دیکھ کر رنج و ملال ہوتا تھا۔ تقاضا رحمت یہ تھا اور محبوب کی آرزو تھی کہ تمام لوگ ایمان لے آئیں اور جنتی بن جائیں اور پروردگار عالم کا منشا یہ تھا کہ محبوب جو تمہارا بدگو اور دشمن ہو وہ میری جنت کی بو بھی نہ پائے۔ کفار کے کفر اور ضد کو دیکھ کر قلب پاک کو صدمہ پہنچتا تھا۔ تسکین خاطر کے لئے یہ آیت پاک نازل فرمائی گئی کہ اے محبوب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تھا تبلیغ فرمانا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخوبی انجام دے دیا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن یہ سوال نہ ہو گا کہ لوگ ایمان کیوں نہ لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ایک تو یہ ہی بڑی عظمت ہے کہ رب العلمین اپنے حبیب کا دل میلا ہونا' غمگین ہونا پسند

نہیں فرمائی۔ اب آیت کو دیکھئے: پہلا جملہ یہ ہے "اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ" ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری خدائے قدوس کا تحفہ ہے بندوں کے لئے اور سمجھ لو بادشاہی تحفہ تحفوں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ تو تمام نعمت الہیہ میں یہ نعمت سب سے افضل ہے' دوسرے بھیجی جاتی ہے وہ چیز جو پہلے سے اپنے پاس ہو۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام دنیا میں تشریف آوری سے قبل اپنے رب کے حضور بارگاہ خاص میں حاضر رہے کس قدر حاضر رہے؟ اس کے متعلق ایک روایت تفسیر روح البیان میں زیرِ آیت "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ" کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ تمہاری عمر کس قدر ہے؟ عرض کیا یہ تو میں نہیں بتا سکتا' ہاں اتنا جانتا ہوں کہ ایک تارا ستر ہزار سال کے بعد چمکتا تھا وہ تارا میں نے ۷۲ ہزار بار دیکھا ہے۔ ارشاد فرمایا وہ ستارا ہم ہی تھے۔ جو ذات بارگاہ خاص میں اس قدر حاضر ہو اس کے مراتب کا کیا پوچھنا۔ تل بھی پھول کے پاس صرف ایک رات رہ کر بس جاتے ہیں اور پھول کی سی خوشبو حاصل کر لیتے ہیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں نہ صفات الہیہ سے موصوف ہو جائیں شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ نے مدارج کے خطبہ میں فرمایا حضور علیہ السلام خدا کی صفات سے موصوف ہیں۔

مشکوہ باب فضل الذکر میں فرمایا' اولیاء اللہ خدا کی قوت سے تصرف کرتے ہیں۔ آگے فرمایا آپ خالی نہیں آئے بلکہ تین چیزیں لے کر آئے۔ حق باتیں لے کر آئے' مومنوں کے لئے خوش خبریاں اور منکرین کے لئے عذاب کی خبر لائے۔ پھر فرمایا کہ اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وسلم) دوسروں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال نہ ہو گا کہ فلاں ایمان کیوں نہ لایا اور فلاں نے نیک کام کیوں نہ کئے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ہر ایک آدمی سے سوال ہو گا کہ تمہاری اولاد' تمہاری بیوی' تمہارے ماتحت لوگ نوکر چاکر کیوں نہ ہدایت پر آئے مگر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

اس قسم کا کوئی سوال نہ ہو گا۔ نیز دیگر انبیاء کی امتیں قیامت میں عرض کریں گی کہ ہم تک کوئی پیغمبر پہنچا ہی نہیں۔ پیغمبر عرض کریں گے کہ ہم نے تیرے احکام ان تک پہنچا دیئے۔ اب حضرات پیغمبر مدعی اور ان کی امت مدعا علیہ اور امت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء کی گواہ۔ مگر کسی بے دین، کسی کافر کی بروز قیامت یہ جرات نہ ہو گی کہ حضور علیہ السلام کے خلاف یہ کہہ سکے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے سوالات ہوں گے۔

آیت نمبر ۸۔ "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ" (پارہ ا سورہ بقرہ رکوع ۱۵) (اے ہمارے رب! اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور ان کو تیری کتاب سکھائے اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرما دے بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے) اس جگہ تعمیر خانہ کعبہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام جب خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تب انہوں نے بارگاہ الہٰی میں دعا فرمائی کہ الہ العلمین یہ گھر تو ہم نے بنا دیا اب تو اس گھر کو آباد کرنے والا اور اپنے بندوں کو پاک کرنے والا ایک نبی اس شہر مکہ میں پیدا فرما۔ یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے شہر مکہ میں حضرت عبداللہ کے گھر سے اور حضرت آمنہ کے مبارک پیٹ سے وہ آفتاب رسالت چمکا کہ جس کی روشنی قیامت تک ہر جگہ رہے گی۔ مشکوہ شریف باب فضائل الرسلین میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں دعائے ابراہیم اور بشارت موسیٰ علیہ السلام اور اپنی والدہ ماجدہ کا خواب ہوں۔

اس آیت شریفہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ پہلے پیغمبروں نے حضور علیہ السلام کی دعائیں مانگیں اور تمنائیں فرمائیں۔

گن گائیں جن کے انبیاء مانگیں رسل جن کی دعا

وہ دو جہاں کے مدعا صلی علی یہ ہی تو ہیں

دوسرے یہ کہ خانہ کعبہ حضرت خلیل نے تعمیر فرمایا مگر صحیح معنی میں اس کی عظمت و تعظیم حضور کے دم قدم سے ہوئی اور اس گھر کی آبادی حضور علیہ السلام کی بدولت ہوئی۔ سب جانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے مشرکین نے خاص خانہ کعبہ میں بت رکھ کر ان کی پوجا وہیں جاری کی تھی۔ اللہ کے گھر میں غیر کی عبادت ہوئی' بیت اللہ بھی رسول اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آمد کا انتظار کر رہا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آتے ہی قیامت تک کے لئے وہ گھر بتوں کی گندگی سے پاک ہو گیا۔

بات بھی یہ ہے کہ کعبہ تو ہے بیت اللہ اور حضور علیہ السلام ہیں نور اللہ' بیت میں نور ہی کا تو اجالا ہوتا ہے۔ خانہ کعبہ تو کیا خلد بریں کو بھی حضور ہی کے دم قدم سے آبادی ملی۔

تعجب کی جا ہے کہ فردوس اعلی
بنائے باتے خدا اور بسائے محمد ﷺ

اس آیت میں ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ حضور علیہ السلام اللہ کے بندوں کو پاک فرماتے ہیں' کفر سے' شرک سے' گناہوں سے' ہر اخلاقی گندگی سے۔ اگر پاکی چاہتے ہو تو اس دریائے رحمت میں غوطہ لگاؤ پاک ہو جاؤ گے۔ پانی صرف ظاہر کو پاک کرتا ہے مگر رحمۃ اللعلمین کی نظر قلب و نظر' ظاہر و باطن سب کو پاک فرماتی ہے۔

آیت نمبر ۹۔ "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا" (پارہ ۲ سورہ بقرہ رکوع ۱۷)

اور اسی طرح ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ ہیں۔ اس آیت کریمہ میں بظاہر امت مصطفے علیہ السلام کی تعریف فرمائی جا رہی ہے لیکن ظاہر ہے کہ امت کو جو کچھ بھی عزت ملی وہ اس آقا کی غلامی سے ملی۔ اس آیت کے چند مطلب ہیں ایک تو یہ کہ قیامت کے دن دوسرے

انبیاء کی امتیں۔۔۔۔ بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گی کہ خدایا تیرا کوئی پیغمبر ہم تک نہیں پہنچا اور نہ کسی نے تیرے احکام ہم تک پہنچائے' وہ انبیاء کرام عرض کریں گے کہ خداوند یہ جھوٹے ہیں ہم نے سارے احکام ان کو سنائے بتائے مگر یہ ایمان نہ لائے۔ انبیائے کرام علیہ السلام کو حکم الٰہی ہو گا کہ آپ اپنے دعوے پر کوئی گواہ لائیں' وہ حضرات امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی گواہی میں پیش کریں گے۔ یہ امت گواہی دے گی کہ خدایا تیرے پیغمبر سچے ہیں اور یہ کفار جھوٹے ہیں۔ واقعی ان حضرات انبیاء نے تبلیغ فرمائی تھی' اس پر کفار اعتراض کریں گے کہ تم تو ہمارے زمانہ میں موجود نہ تھے' سینکڑوں برس کے بعد پیدا ہوئے' بغیر دیکھے بھالے گواہی کس طرح دے رہے ہو؟ مسلمان عرض کریں گے کہ ہم نے دیکھنے والے سے سنا ہے یعنی اپنے پیغمبر علیہ السلام' سے مسلمانوں کی تصدیق فرمانے کے لئے حضور علیہ السلام تشریف لائیں گے اور عرض کریں گے کہ خداوندا واقعی ہم نے ان سے فرمایا تھا کہ گزشتہ پیغمبروں نے اپنی اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی تھی۔ اس گواہی پر انبیاء کرام کے حق میں ڈگری ہو گی۔

اس واقعہ کا اس آیت پاک میں ذکر ہوا ہے اس سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک تو یہ کہ یہ امت (یعنی مسلمان) سارے پیغمبروں کی گواہ ہے اور مدعی گواہ سے بہت محبت کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ تمام پیغمبروں کی محبوب ہے یہ امت۔ دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اگلے پچھلوں کے حالات کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ورنہ سنی ہوئی شہادت تو مسلمان دے چکے تھے۔ اب ضرورت تھی کہ دیکھنے والا اپنی دیکھی ہوئی گواہی دے۔ اسی لئے حضور علیہ السلام کو معراج ہوئی تاکہ جنت' دوزخ' خدا کی ذات و صفات کی سب تو گواہی دیں سنی ہوئی' حضور علیہ السلام کی گواہی ہو دیکھی ہوئی۔ تیسرے یہ کہ حضور علیہ السلام اپنی ساری امت کے حالات ہر آدمی کے حرکات سے ہر وقت واقف ہیں کیونکہ بارگاہ الٰہی میں حضور علیہ السلام کی دو گواہیاں ہوں گی۔

ایک تو یہ کہ مسلمان ٹھیک کہہ رہے ہیں' دوسرے یہ کہ یہ لوگ گواہی کے قابل ہیں۔ فاسق' فاجر' بدکار وغیرہ نہیں ہیں۔ (بدکار کی گواہی شرعاً قبول نہیں ہوتی۔) ورنہ علیکم بقاعدہ علمی نہیں بنتا۔ علی اس لئے فرمایا گیا کہ یہاں شہید میں رقیب کے معنی شامل ہیں۔ لہٰذا حضور علیہ السلام نے جس کے ایمان کی گواہی دے دی وہ واقعی جنتی ہے۔ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کا ایمان قطعی ہے کہ اس کی گواہی اللہ نے دی' اس کا منکر رب کا منکر ہے۔ اس آیت کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اے مسلمانو! دنیا میں تم سب کے گواہ بن سکتے ہو اسی لئے اسلامی عدالت میں مسلمان کی گواہی کافر کے مقدمہ میں مانی جائے گی' مگر کافر کی گواہی مسلمانوں کے مقدمہ میں قبول نہیں ہو گی۔ یہ بھی اس امت کی شرافت اور عزت ہے۔ تیسرے معنی اس آیت کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر مسلمان کسی شخص زندہ یا مردہ کو اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور اگر مسلمان کسی کو برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔ مشکوٰۃ باب المشی بالجنازہ میں ہے کہ ایک میت حضور علیہ السلام کے سامنے سے گزری' مسلمانوں نے اس کی تعریف کی' سرکار نے صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔

دوسری میت گزری' مسلمانوں نے اس کی برائی کی' فرمایا کہ اس کے لئے جہنم واجب ہو گئی۔ پھر فرمایا کہ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ لہٰذا جس مسلمان کو عام مسلمان ولی اللہ جانیں وہ واقعی اللہ کا ولی ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز شریعت میں منع نہ ہو اور مسلمان اس کو ثواب کا کام جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی کار ثواب ہے جیسے کہ محفل میلاد پاک اور دیگر کار خیر نیاز فاتحہ وغیرہ۔ حدیث پاک میں ہے "مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ" (یعنی جس کار خیر کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے" مسلمان ہر چیز میں اور دونوں جہان میں اللہ کے گواہ ہیں۔

آیت نمبر ۱۰۔ "قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ

قِبْلَۃً تَرْضٰھَا فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِالْحَرَام"(پارہ ۲ سورہ بقرہ رکوع ۱۷) (ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا ضرور ہم تم کو پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف)

اس آیت کریمہ میں بظاہر نماز کا قبلہ بدلنے کا حکم ہو رہا ہے مگر نظر ایمانی سے دیکھا جائے تو حضور علیہ السلام کی اس قدر شان کا اظہار ہو رہا ہے کہ سبحان اللہ آیت فرما رہی ہے کہ حضور علیہ السلام کعبہ کے بھی کعبہ ہیں۔ سب کا کعبہ اور ہے کعبہ کا کعبہ اور ہے۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں معراج کی رات نماز فرض ہوئی اور کعبہ شریف قبلہ مقرر ہوا۔ ہجرت کے بعد بجائے کعبہ شریف کے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ یہ ہی یہود و نصاریٰ کا قبلہ تھا' اس پر یہودی طعنہ دیتے تھے کہ حضور علیہ السلام تمام احکام میں تو ہماری مخالفت کرتے ہیں مگر ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ اس اعتراض کی وجہ سے نیز اس لئے کہ کعبہ معظمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے اور حضور علیہ السلام ابراہیمی ہیں۔

حضور علیہ السلام کی خواہش یہ تھی کہ ہمارا قبلہ پھر کعبہ معظمہ ہی بن جائے' سترہ مہینے ہو چکے تھے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے پڑھتے۔ ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم کعبہ شریف ہی کی طرف نماز پڑھا کریں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ حبیب اللہ! میں بندہ الٰہی ہوں بغیر حکم کچھ بھی نہیں عرض کر سکتا' ہاں حضور حبیب ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کبھی بھی رد نہیں ہوتی' حضور دعا فرمائیں۔ یہ عرض کر کے حضرت جبرائیل علیہ السلام چلے گئے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی کے انتظار میں سر مبارک آسمان کی طرف اٹھا اٹھا کر دیکھنا شروع کیا کہ شاید اب وحی آتی ہو۔ قبلہ بدلنے کے لئے پروردگار عالم نے یہ محبوبانہ انداز نہایت ہی پسند فرمایا اور اس آیت میں ارشاد

فرمایا کہ اے محبوب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیاری ادا کو ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھا رہے ہیں۔ اچھا ہم اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ بنائے دیتے ہیں جسے کہ محبوب تم چاہو (روح البیان یہ ہی آیت) ان کی چتون کیا پھری سارا زمانہ پھر گیا۔

اس سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ ایک تو یہ کہ تمام لوگ قانون کے پابند ہیں اور قانون مرضی محبوب کا منتظر۔ دوسرے یہ کہ کعبہ کو جو یہ عزت ملی کہ تمام اولیاء غوث و قطب اس کی طرف گردنیں جھکا دیں۔ یہ محبوب کے صدقے سے ملی ان کی مرضی نے کعبہ کو قیامت تک کے لئے قبلہ بنا دیا۔ تیسرے یہ کہ کبھی سجدہ کرنے والا مسجود الیہ سے افضل ہوتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ فرمایا حالانکہ یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام سے افضل ہیں۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے کعبہ کی طرف سجدہ فرمایا مگر حضور علیہ السلام کعبہ سے افضل ہیں۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص نماز فرض یا نفل پڑھ رہا ہو اس کو حضور علیہ السلام آواز دیں تو واجب ہے کہ نماز چھوڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہو۔ (مشکوٰۃ باب فضائل القرآن) اس کی بحث اس آیت کے ماتحت آئے گی "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ" بلکہ بعض کے نزدیک تو یہ حکم ہے کہ اگر نمازی نماز چھوڑ کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں جائے تمام کام کر آئے، کلام بھی حضور سے کرے، کعبہ پاک سے سینہ بھی پھر جائے مگر نماز نہ جائے گی۔ نماز ہی میں رہے گا۔ (دیکھو قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر سورہ انفال تحت آیت مزکورہ) کیونکہ اگرچہ سینہ نمازی سے پھرا مگر کدھر پھرا؟ ادھر جو کہ قبلہ کے بھی قبلہ ہیں۔ اگرچہ نمازی نے کلام کر لیا مگر کس سے کیا ان سے کیا؟ جن کو سلام کرنا نماز میں واجب ہے "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" خانہ کعبہ نے بھی حضور علیہ السلام کی ولادت کی شب مقام ابراہیم کی طرف سجدہ کیا۔ دیکھو

مدارج النبوہ وصل ولادت' جلد دوم۔ ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کعبہ کے بھی کعبہ ہیں۔

آیت نمبر۱۱۔ "تِلْکَ الرُّسُوْل فَضَلْنَا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعض مِنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضُهُمْ دَرَجٰتٍ" (پارہ ۳ سورہ بقرہ' رکوع ۳۳) (یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں کسی سے اللہ نے کلام کیا اور کوئی وہ ہیں جسے سب درجوں میں بلند کیا۔)

اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا ہے کہ دنیا میں خلق کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام کو جو بھیجا گیا یہ حضرات ایک درجہ اور ایک ہی مرتبہ کے نہیں ہیں بلکہ بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ کوئی کلیم اللہ ہیں اور کوئی خلیل اللہ' کوئی ذبیح اللہ ہیں تو کوئی روح اللہ۔ اور بعض ایسے پیغمبر تشریف لائے جن کو بہت سے درجات پروردگار کی طرف سے عطا ہوئے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہمارے حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام کو وہ وہ درجے عطا ہوئے جو کسی کے وہم و خیال میں نہیں آسکتے۔ یا تو عطا فرمانے والا رب جانے یا لینے والا محبوب جانے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہاں اتنا ضرور ثابت ہوا کہ سارے کملات جو اور پیغمبروں کو ایک یا دو دو ملے' حضور علیہ السلام کو وہ سب ہی ملے اور زیادہ بھی۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضور علیہ السلام کے مراتب کا ذکر کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ بطور اجمال و اختصار عرض کرتا ہوں۔ دیگر انبیاء کرام علیہ السلام کسی خاص قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے مگر حضور علیہ السلام کی نبوت سب کے لئے عام ہے۔ جس کا پروردگار رب ہے اس کے لئے حضور علیہ السلام کی صفت ہے رحمتہ اللعالمین۔ حضور سید الکونین صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نبیوں کے بھی نبی ہیں، تمام پیغمبر حضور علیہ السلام کے امتی ہیں اور مقتدی۔ اس کی تفصیل "وَاِذْاَخَذَاللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّينَ" کی آیت میں آئے گی حضور علیہ السلام خاتم النبیین ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی بھی نبی نہیں آ سکتا۔ حضور علیہ السلام صاحب معراج ہیں، کسی پیغمبر کو معراج نہیں ہوئی۔

طور اور معراج کے قصہ سے ہوتا ہے عیاں
اپنا جانا اور ہے ان کا بلانا اور ہے

تمام انبیاء ہر کام میں مرضی الٰہی کے خواہاں ہیں، لیکن پروردگار عالم حضور علیہ السلام کی رضا چاہتا ہے جیسا کہ پہلی آیت سے معلوم ہو گیا۔ فرماتا ہے "ولسوف یعطیک ربک فترضی" (اور پیغمبر کو چند معجزات دیئے جاتے تھے مگر حضور علیہ السلام کو بے شمار معجزات دیئے گئے بلکہ خود حضور علیہ السلام از سرتاپا معجزہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کی کتاب یعنی قرآن تمام کتابوں کو نسخ کرنے والی ہے مگر اس کو کوئی بھی منسوخ نہیں کر سکتا۔ قیامت میں شفاعت کبریٰ کا سہرا حضور علیہ السلام کے سر پر باندھ دیا جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام امتوں سے افضل ہے وغیرہ وغیرہ۔

آیت نمبر ۲۔ "مَنْ ذَالَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَابَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَاخَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَىْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَاشَآءَ" (پارہ ۳ سورۃ بقرہ رکوع ۳۴) (وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے۔ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں مگر جتنا وہ چاہے۔)

یہ کلمات پاک آیہ الکرسی کے تین جملے ہیں۔ آیہ الکرسی میں اول سے آخر تک گیارہ صفات الہیہ بیان ہوئے۔ تفسیر روح البیان میں آیہ الکرسی کی تفسیر میں ہے۔" من ذالذی سے بماء شاء" تک تین اوصاف حضور علیہ السلام کے ہیں۔ اس سے پہلے پانچ صفات الہیہ ہیں اور ان کے بعد تین صفات الہیہ بیان ہوئے اور درمیان میں

تین صفات مصطفے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بیان ہوئے جیسے کہ کلمہ طیبہ میں آگے پیچھے اللہ کا نام ہے اور بیچ میں رسول اللہ علیہ السلام کا۔ پہلے جملہ میں حضور علیہ السلام کی شفاعت کبریٰ کا ذکر ہوا کہ قیامت میں پہلا وقت جبکہ ملوشما تو کیا انبیاء کرام بھی نفسی نفسی فرمائیں گے۔ اس وقت اگر کوئی ذات کریم بارگاہ الٰہی میں اذن پاکر شفاعت فرمانے والی ہے تو وہ صرف حضور علیہ السلام ہی کی ذات ہے۔ پھر جب دروازہ شفاعت حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر کھل گیا تو علماء و مشائخ، چھوٹے بچے، کعبہ معظمہ، قرآن کریم، ماہ رمضان سب ہی شفاعت کریں گے۔

نقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا
کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

مگر دروازہ اسی ہاتھ سے کھلے گا۔ خیال رہے کہ شفاعت کی چار صورتیں ہیں۔ بڑے کی چھوٹے سے جیسے کلکٹر تحصیلدار سے کسی کی سفارش کرے۔ برابر والے کی برابر والے سے جیسے کلکٹر سیشن جج سے کسی کی سفارش کر دے۔ چھوٹے کی بڑے سے مگر دھونس کے ساتھ اس خیال سے کہ اگر حاکم یا سلطان نے میری بات نہ مانی تو میں حکومت میں گڑ بڑ مچادوں گا یہ تینوں شفاعتیں رب کی بارگاہ میں ناممکن ہیں۔ کفار اسی شفاعت کے معتقد تھے، یہاں اس کی نفی ہو رہی ہے۔ چوتھی شفاعت چھوٹے کی سفارش کرنا کسی بڑے کی بارگاہ میں محض اس کی محبت و کرم کی بناء پر اسے شفاعت بالا ذن کہتے ہیں۔ محبوبان الٰہی یہ ہی شفاعت کریں گے۔ دوسرے جملے میں ارشاد ہوا کہ وہ شفیع المذنبین ان لوگوں کے آگے پیچھے کے حالات جانتے ہیں یعنی یہ بھی جانتے ہیں کہ دنیا میں یہ کس حال پر تھے۔ مسلمان تھے، کافر تھے، منافق تھے۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ آئندہ کیا ہو گا۔ جنمی ہیں یا کہ جنتی۔ اگر جنمی ہیں تو کس طبقہ کے لائق ہیں اور اگر جنتی ہیں تو کسی درجہ میں رکھے جائیں گے۔ جنت الفردوس میں یا کہ جنت عدن میں یا کسی اور جگہ۔ اور یہ جاننا ضروری بھی ہے کیونکہ اگر طبیب مرض کے مرض کو نہ

پہچانے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ قابل علاج ہے کہ یا نہیں تو وہ علاج کیا کرے گا۔ اسی طرح اگر شفیع المذنبین قابل شفاعت اور ناقابل شفاعت کو نہ پہچانیں تو وہ شفاعت کس طرح فرمائیں گے۔ دنیا میں بھی حضور علیہ السلام نے بہت سے لوگوں کے جنمی یا جنتی ہونیکی خبر دے دی۔ عشرہ مبشرہ' حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا' حضرت حسنین وغیرہ رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کے علاوہ یہ بھی بتایا کہ فاطمہ جنتی بیبیوں کی سردار ہیں۔ امام حسن و حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ جہاد میں ایک مسلمان بہت شدت سے کافروں کو مار رہا ہے بعض صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی فرمایا کہ یہ سب کچھ ہے مگر وہ جنمی ہے' آخر کار اس نے آخر وقت خود کشی کی۔ مشکوۃ باب الایمان بالقدر میں ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام اپنے دونوں مبارک ہاتھوں میں دو کتابیں لئے ہوئے صحابہ کرام کی مجلس میں جلوہ گر ہوئے اور فرمایا کہ اس کتاب میں تو جنتی لوگوں کے نام ان کے باپوں کے نام' ان کے قبیلوں کا ذکر ہے اور دوسری میں دوزخیوں کے نام اور قبلہ وغیرہ مذکور ہیں۔ اور آخر میں ان کا ٹوٹل لگا دیا گیا کہ کل جنتی اتنے اور دوزخی اتنے۔ وہ جو ایک حدیث میں آیا ہے کہ منافقین حوض کوثر پر آتے ہوئے روکے جائیں گے تو ہم فرمائیں گے کہ اے فرشتو! ان کو آنے دو یہ تو میرے صحابی ہیں' فرشتے عرض کریں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں معلوم انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیا کیا۔

یہ تمام گفتگو محض ان بے دینوں کو شرمندہ کرنے کے لئے ہے ورنہ یہاں تو حضور علیہ السلام خبر دے رہے ہیں اور وہاں یاد نہ رہے یہ کیونکر ممکن ہے۔ اس کی پوری بحث ہم نے اپنی کتاب جاء الحق میں کی ہے جو شائع ہو چکی ہے۔

تیسرے جملہ میں ارشاد ہوا ہے اور وہ لوگ اس شفیع المذنبین کے علم میں سے نہیں پاتے مگر جتنا وہ شفیع المذنبین چاہیں۔ یعنی حضور علیہ السلام کے علم کو ولی' قطب و غوث بلکہ انبیاء کرام اور فرشتے وغیرہ گھیر نہیں سکتے ہاں جس قدر حضور علیہ السلام ہی

چاہیں ان کو بتا دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سمندر ہے اور اس سمندر سے لینے والے مختلف ظرف رکھتے ہیں۔ لوٹے والا لوٹا بھرپانی اس سے لاتا ہے اور گھڑے والا گھڑا بھر اور مشک والا مشک بھر اور کوئی فقط چلو سے پی لیتا ہے۔ اور کوئی بدنصیب وہاں سے بھی محروم ہی آتا ہے۔ صدیق اکبر اور فاروق اعظم و عثمان غنی و حیدر کرام رضی اللہ عنہم ایک ہی سمندر مصطفیٰ علیہ السلام سے فیض لینے والے ہیں۔ مگر بقدر برداشت ہر صاحب نے لیا۔ قصیدہ بردہ میں اس کو خوب بیان فرمایا ہے۔

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ
غُرْفًا مِنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِنَ الدِّيَمِ

اس مضمون کو مولوی قاسم صاحب دیوبندی نے اپنے رسالہ تحذیر الناس میں خوب وضاحت سے بیان کیا ہیں غرضیکہ اس آیت میں حضور علیہ السلام کی شفاعت اور علم اور عطا کا بہت وضاحت کے ساتھ ذکر ہوا ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

آیت نمبر ۳۔ "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" (پارہ ۳' سورۃ آل عمران' رکوع ۴) (اے محبوب! تم فرما دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔) اس آیت کریمہ میں لوگوں کو خدا رسی کا راستہ بتایا گیا ہے اور اس سے محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان عالی کا اچھی طرح ظہور ہو رہا ہے۔ مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ ہم تو اللہ کے پیارے ہیں ان سب کو حکم دیا گیا کہ اگر تم واقعی خدا سے محبت رکھتے ہو تو میرے محبوب کی غلامی کرو پھر یہ ہو گا کہ ابھی تو تم خدا کے چاہنے والے بنتے ہو اور خدا کو اپنا محبوب بناتے ہو مگر پھر خدا تمہارا چاہنے والا ہو گا اور تم اس کے محبوب اور تمہارے گناہ بھی بخش دے گا۔

اس آیت سے بخوبی معلوم ہوا کہ غلامی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مردود

بھی محبوب خدا بن جاتا ہے اور گنہگار مغفور ہو جاتا ہے۔

گنہگار پہ جب لطف آپ کا ہو گا
کیا بغیر کیا بے کیا کیا ہو گا

اتباع کہتے ہیں پیچھے پیچھے چلنے کو' تو آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ اگر محبت الہی چاہتے ہو تو محبوب کے پیچھے پیچھے چلے آؤ' نہ تو بھائی بن کر برابر آؤ اور نہ ہلوا بن کر آگے چلو بلکہ غلام بن کر پیچھے چلے آؤ۔ وہ ڈبہ ریل کا سفر کرتا ہے جو انجن کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ جو انجن سے آگے لگتا ہے وہ شنٹ ہو کر وہاں ہی رہ جاتا ہے۔ فسٹ کلاس کا ڈبہ اگر انجن سے کٹا ہوا ہو تو اس میں کوئی نہیں بیٹھتا نہ کوئی کرایہ دیتا ہے اور اگر تھرڈ کلاس کا ڈبہ انجن سے جڑ جائے تو اس میں ہر کوئی بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ڈبہ کی اپنی کوئی قیمت نہیں بلکہ انجن کے پیچھے لگ جانے کی قدرو قیمت نیز انجن یہ نہیں دیکھتا کہ میرے پیچھے ڈبہ کیسا ہے؟ وہ تو یہ دیکھتا ہے کہ مجھ سے کڑی ملی ہے یا نہیں' ڈبہ تھرڈ ہو یا سیکنڈ فسٹ' سب کو ایک ہی رفتار سے لے جاتا ہے بشرطیکہ ڈبہ لائن پر گویا انجن بزبان حال کہتا ہے کہ اے ڈبہ! تو اگرچہ کمزور سہی قوی ہوں۔ اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا "فاتبعونی "خواہ کیسے ہی ہو میرے پیچھے چلے آؤ ہم تم کو نہیں دیکھتے ہم اپنے کو' اپنی نسبت کو دیکھتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں

صد کتاب و صد ورق در نار کن
روئے دل را جانب دلدار کن

اطاعت تین طرح کی ہوتی ہے۔ اطاعت ڈر کی' اطاعت لالچ' اطاعت محبت کی۔ یہاں مقصود ہے محبت کی اطاعت کیونکہ ڈر یا لالچ کی اطاعت تو منافقین بھی کرتے تھے۔ اسی لئے اس آیت کو محبت سے شروع فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ محبت تین قسم کی ہے۔ چھوٹے سے محبت یعنی ماننا۔ دوسری برابر والے سے محبت' تیسرے بڑے سے محبت جو مع عظمت کے ہو "اتبعوا" سے معلوم ہوا کہ محبت مع عظمت ہونی چاہئے۔ پھر

عظمت دو قسم کی ہے۔ دینی اور دنیاوی "یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ" سے معلوم ہوا کہ عظمت دینی چاہئے۔ یعنی رسالت کی بنا پر محبت و عظمت چاہئے نہ کہ بڑا بھائی سمجھ کر۔

آیت نمبر ۱۴۔ "وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْہَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ" (پارہ ۳ سورہ آل عمران ۹) (اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا کہ جو میں تم کو کتاب دوں اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تمہاری کتابوں کی تصدیق فرما دے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا' فرمایا کیوں تم نے اقرار کر لیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لے لیا؟ سب نے عرض کیا کہ ہم نے اقرار کیا' فرمایا کہ تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔)

اس آیت کریمہ میں عہدوپیان کا ذکر فرمایا گیا ہے جو میثاق کے دن حضرات انبیاء سے لیا گیا تھا۔ مگر اس سے حضور علیہ السلام کی وہ عظمت ثابت ہوتی ہے جس کا اندازہ ناممکن ہے۔

عہد کا قصہ تو یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے ہندوستان کو لنبو پہاڑ پر بھیجے گئے اور حضرت حوا عرب میں جدہ میں اتاری گئیں' تین سو برس کے بعد حضور علیہ السلام کے نام کی برکت سے توبہ قبول ہوئی' جس کا واقعہ بیان ہو چکا۔ تب نعمان پہاڑ پر ان کی پشت سے ان کی ساری اولادوں کی روحیں نکالی گئیں اور ان روحوں سے تین طرح کے عہد لئے گئے۔ ایک تو تمام خلوق سے کہا کہ "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" (یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے عرض کیا کہ ہاں۔ دوسرا علماء سے عہد لیا گیا کہ تمام احکام الہیہ کی تبلیغ کرنا' تیسرا انبیاء کرام سے جس کا اس آیت میں ذکر ہے اس عہد اس طرح ذکر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے گروہ انبیاء سے اس روز ارشاد فرمایا تھا کہ اے

گروہ انبیاء! جب میں تم کو کتاب عطا فرماؤں اور نبوت کا تاج تمہارے سر پر رکھ دوں اور اپنے بندوں کو تمہارا امتی اور تابعدار بنا دوں' پھر جبکہ تمہاری نبوت کا آفتاب پوری طرح چمک رہا ہو اور تمہارے نام کا ڈنکا بج رہا ہو۔ اگر عین اسی حالت میں ہمارا یہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں جلوہ گر ہو جائے تو تمہارا فرض ہو گا کہ تم مع اپنی اپنی امتوں کے اس محبوب آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بن جانا' اس محبوب کے آتے ہی تمہارا دین منسوخ ہو گا' تمہاری کتاب منسوخ ہو گی' تم کو ان کا خدمت گار اور معاون بننا ہو گا۔ کہو کیا یہ تم کو منظور ہے؟ تمام انبیاء نے بخوشی منظور کیا۔ اقرار کرانے پر بھی عہد ختم نہ فرمایا گیا۔ اچھا اس پر ایک دوسرے کے گواہ بن جاؤ۔ یعنی حضرت آدم حضرت نوح وغیرہ پر گواہ ہوں اور وہ حضرات حضرت آدم علیہ السلام پر۔ پھر بھی بات ختم نہ ہوئی۔ فرمایا ہماری شاہی گواہی بھی اس میں شامل ہے۔ ہم بھی تمہارے اس اقرار پر گواہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس میں کیا راز ہے کہ اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا تو گواہی وغیرہ کی پابندی نہ ہوئی سب نے فقط بلی کہہ دیا بات ختم ہوئی مگر یہاں اقرار بھی کرایا' گواہی بھی لی اور اس سارے اقعہ پر شاہی گواہی بھی۔ رب تعالیٰ کے علم میں تھا کہ کوئی بھی نبی علیہ السلام کا زمانہ نہ پائیں گے۔ پھر بھی یہ اقرار لے لیا کہ اگر یہ پیغمبر آجاتے تو ہم ان کے امتی بن جاتے۔ کم از کم ہر نبی کا اس پر ایمان رہے۔ نیز ان کی امتیں اس واقعہ کو سن کر اگر حضور علیہ السلام کا زمانہ پائیں تو ایمان لائیں۔ نیز شب معراج میں سارے انبیاء کرام علیہ السلام نے اس اقرار نامہ کو ثابت کر دیا کہ سب نے مقتدی بن کر بیت المقدس کی زمین پاک میں امام الحرمین علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کی۔

نماز اسری میں تھا یہ ہی سرعیاں ہوں معنی اول آخر
کہ دست بستہ پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

سبحان اللہ! وہ نماز بھی کس لطف کی نماز ہوئی ہو گی جس میں انبیاء علیہ السلام

مقتدی سیدالانبیاء علیہ السلام امام ملائکہ نقیب' سفر آسمان کی تیاری گویا کہ نماز سفر اس دھوم سے ہو رہی ہے۔ نیز حضرت عیسی علیہ السلام اس ہی اقرار نامہ کی تعمیل کے لئے آخر زمانہ میں حضور علیہ السلام کے امتی ہو کر زمین پر آئیں گے اور دین رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حفاظت اور امداد فرمائیں گے۔ اس امت کو دشمنوں سے بچائیں گے۔ "صلوه اللّٰه وسلامه علیهم اجمعین" یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ حضور علیہ السلام کی موجودگی میں تمام پیغمبروں کے دین کیوں منسوخ کر دیئے گئے؟ دنیا کا قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنی اصل پر پہنچ کر ٹھہر جاتی ہے بلکہ اپنے آپ کو اس اصل میں گم کر دیتی ہے۔ رات بھر تارے جگمگاتے ہیں مگر جہاں سورج نکلا سب چھپ گئے' سب تاروں میں سورج ہی کا نور تھا۔ تمام دریا سمندر کی طرف بھاگے جاتے ہیں کیونکہ ہر دریا سمندر سے بنا ہے۔ سمندر سے بادل آیا' پہاڑوں پر بارش بن کر یا برف بن کر گرا' اس سے دریا بنا' دریا اپنی اصل کی طرف بھاگا۔ ایسا بھاگا کہ جس پل نے' درخت نے کسی عمارت نے اس کو روکنا چاہا اس کو بھی گرا دیا' مگر جہاں سمندر کے قریب پہنچا شور بھی جاتا رہا روانی میں کمی ہو گئی اور جب سمندر سے ملا تو اس طرح فنا اور گم ہو گیا کہ گویا تھا ہی نہیں اور زبان حال سے کہا کہ

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

اسی طرح انبیاء کرام تارے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں فرمایا گیا "سراجا منیرا" یہ تمام انبیاء کرام دریا ہیں حضور علیہ السلام ان دریاؤں کے سمندر' تمام نبوتیں ادھر ہی چلی آرہی تھیں فرعونی' ہامانی' نمرودی' ہزار ہا طاقتیں سامنے آئی ان کو پاش پاش کر دیا مگر سمندر نبوت کو پاکر سب نے اپنے کو اس میں گم کر دیا۔ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ واصحابہ وبارک وسلم

یہ انبیاء مرسلین تارے ہیں تم مہر مبیں

سب جگمگائے رات بھر چمکتے جو تم کوئی نہیں

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے پیغبر علیہم السلام کے امتی ہیں اور حضور علیہ السلام نبی الانبیاء۔

آیت نمبر ۱۵۔ "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ" (پارہ ۴ سورۃ آل عمران رکوع ۱۷)

(بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک فرماتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت ہے' کیونکہ خدائے قدوس نے انسان کو اس قدر نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ ان کا شمار بھی انسان نہیں کر سکتا اور ہر نعمت ایسی قیمتی ہے کہ دنیا کے خزانے خرچ کر دو مگر ایسی نعمت نہ بن سکے۔ آنکھ' کان' ناک' ہاتھ پاؤں' زمین آسمان' چاند سورج' ہوا پانی وغیرہ ہر نعمت الٰہی کا یہی حال ہے۔ پھر جسم میں بے شمار بال اور ہر بال میں بے شمار نعمتیں ہیں' اور ہر نعمت ایسی کہ اس کے بغیر زندگی مشکل ہے۔ لیکن قرآن مجید میں ان نعمتوں کا جگہ جگہ ذکر تو فرمایا مگر اس طریقہ سے احسان جتا کر ذکر نہ فرمایا کہ مسلمانو تم کو ہاتھ پاؤں یا چاند سورج یا زمین و آسمان یا پانی ہوا دیئے تم پر احسان کئے۔ کلمہ من فرمایا یعنی احسان جتلایا تو صرف اس نعمت کا کہ ہم نے مسلمانوں پر بے شک احسان فرمایا کہ ان کو اپنا پیارا محبوب دے دیا ان کی ہدایت کے لیئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ اس کی تین وجہ ہیں۔ اول تو یہ کہ دنیا میں ہر چیز کسی کو دی جاتی ہے مگر محبوب نہیں دیا جاتا شاعر کہتا ہے

نیننا میں جو آن بسو تو میں نیننا جھانپ ہی لوں

نہ میں دیکھوں اور کو نہ تو ئے دیکھن دوں

حضور علیہ السلام کا معراج جانا تعجب نہیں ہے، محبوب بلائے ہی جاتے ہیں، ہاں وہاں سے واپس آنا تعجب ہے کہ محبوب دوبارہ مخلوق کو دے دیئے گئے۔ کیا خوب کہا ہے

انداز حسینوں کو سکھائے نہیں جاتے
امی لقبی ہوں وہ پڑھائے نہیں جاتے
ہر ایک کا حصہ نہیں دیدار کسی کا
بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

دوسری وجہ یہ ہے کہ دنیا اور دنیا کی ساری نعمتیں حضور علیہ السلام کے صدقہ میں ہیں۔ حضور فرماتے ہیں حدیث قدسی "لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ" (یعنی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو ہم آسمانوں کو پیدا نہ کرتے) یہ حدیث معنی صحیح ہے، دیکھو موضوعات کبیر ملا علی قاری۔ تو یہ ساری نعمتیں ایک ہی کے دم سے ہیں تمام دنیا براتی ہے اور حضور اکرم علیہ السلام اس کے دولہا۔

ہے جہاں جن کی چمک دمک ہے چمن میں جن کی چہل پہل
وہی اک مدینہ کے چاند ہیں سب انہی کے دم کی بہار ہے

تیسری وجہ یہ ہے کہ تمام نعمتیں صرف زندگی میں فائدہ پہنچاتی ہیں، جہاں آنکھ بند ہوئی تمام رشتے ٹوٹ گئے، مال اوروں کا ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں اور سارے اعضاء جواب دے گئے۔ اگر کسی نے مہربانی کی تو فقط قبر تک، ہاں جو زندگی میں، قبر میں، حشر میں، جنت میں اور نزع کے وقت ہر جگہ کام آئے وہ میرے مولیٰ عربی دولہا جگ کے داتا، محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کریم ہے۔ "اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا الْمَوْتَ عَلٰی دِیْنِہٖ" اور فانی نعمتیں باقی نعمتوں کے مقابل ہیچ ہیں۔ "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ"

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ساری نعمتیں مال و دولت اعضاء وغیرہ اگر ان سے صحیح کام لیا جائے تو نعمت ہے ورنہ زحمت، زبان اگر درست رہے تو زبان ہے اگر ٹیڑھی چلے تو

زبوں یعنی بری چیز ہے اگر زیادہ چلے تو زیاں نقصان ہے۔

دو موتوں سے بوت بنایا نام رکھا ہے پوت
کرم کرے تو بھلا بھلا ہے نہیں تو موت کا موت

اور ان نعمتوں کا استعمال کرنا سکھانے والے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، یعنی حضور علیہ السلام نے ان سب کو نعمت بنا دیا ورنہ یہ زحمت تھیں۔ اگر ہاتھ پاؤں سے گناہ کئے جائیں تو یہ ہی اعضاء قیامت میں ہمارے خلاف گواہی دیں۔ معلوم ہوا کہ رب کی خفیہ پولیس ہیں۔ اگلی عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام مسلمانوں کو ہر ظاہری باطنی گندگی سے پاک فرماتے ہیں۔ اعمال وہ ہی صحیح ہیں جو بارگاہ رسالت میں قبول ہو جائیں۔ "ویعلمھم" سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن ایسی مشکل کتاب ہے کہ اس کی تعلیم کے لئے رب نے انبیاء کرام بھیجے اور کسی علم کے لئے نبی نہ آئے مشکل علوم استاذ نبی پڑھاتے ہیں۔ لہذا قرآن سمجھنے کے لئے حدیث کی ضرورت ہے۔ "وان کانوا" سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی تعلیم ایسی مکمل ہے کہ گمراہوں کو گمراہی سے نکال کر صرف مومن ہی نہیں بلکہ مومن گر بنا دیتی ہے۔ اس تعلیم سے کوئی صدیق، کوئی فاروق ہوئے اور کسی استاذ کی تعلیم ایسی مکمل نہیں۔ ایک شاگرد ایک ہی سکول میں جا کر بہت استاذوں سے علوم حاصل کرتا ہے کسی سے اردو، کسی سے حساب، مگر مدینہ پاک میں ایسا مکمل مدرسہ جاری ہوا کہ ایک استاذ نے دینی و دنیاوی علوم، اخلاق اور خدارسی کے قاعدہ سب کچھ سکھا دیئے۔

آیت نمبر ۲۔ "مَاكَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ" (پارہ ۴ سورۃ آل عمران) (اللہ مسلمانوں کو اس حال پر نہیں چھوڑے گا جس پر تم ہو جب تک کہ جدا نہ کر دے گندے کو ستھرے سے اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ اے عام لوگو! تم کو غیب کا علم دے

لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔)

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی صریح نعت ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ پیدائش سے پہلے میری امت مجھ پر اپنی صورتوں میں پیش کی گئی ہے جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام پر ان کی اولاد۔ اور ہم کو یہ بھی علم دیا گیا کہ کون ہم پر ایمان لائے گا اور کون نہ لائے گا یہ سن کر منافقین نے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ حضور علیہ السلام تو فرماتے ہیں کہ ان کو لوگوں کے پیدا ہونے سے پہلے کافر اور مسلمان کا علم ہو گیا تھا اور ہم تو ان کے ساتھ رہتے ہیں' ظاہر میں مسلمان ہیں دل میں کفر رکھتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو نہیں پہچانتے ۔اس پر حضور علیہ السلام نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا ور فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طعن کرتے ہیں۔ آج سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ تم مجھ سے سوال کرو اور ہم تم کو اس کی خبر نہ دیں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگا کہ یا حبیب اللہ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حذافہ' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے کہ یاحبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اللہ کی ربوبیت پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اور اسلام پر راضی ہیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی چاہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اب تم باز آؤ گے؟ اور منبر سے اترے۔ (تفسیر خزائن العرفان و خازن)

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ اول تو یہ کہ حضور علیہ السلام کے علم غیب پر طعن کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں چیز کا علم نہیں تھا طریقہ منافقین ہے' مسلمان کا فرض ہے کہ حضور علیہ السلام کے سارے صفات حمیدہ کو بغیر بحث کے مان لے۔ دوم یہ کہ خدائے قدوس نے ہمارے آقا و مولا علیہ السلام کو قیامت تک کی ہر چیز کا علم عطا فرمایا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو چاہو وہ پوچھو اور یہ وہی کہہ سکتا

ہے کہ جس کا علم مکمل ہو۔ تیسرے یہ کہ ہم لوگ جو گھر کی کوٹھری میں چھپ کر کام کریں وہ بھی حضور علیہ السلام کی نظر سے غائب نہیں کیوں کہ عبداللہ کے والد حذافہ ہیں۔ یہ بات بالکل ایک چھپی ہوئی بات تھی' باپ تو وہ ہوتا ہے جس کے نطفہ سے بچہ پیدا ہو۔ اس کا معلوم کرنا اس ذات کی شان ہے جس کی نگاہ عالم ذرہ ذرہ پر ہو' اور بات تو یہ ہے کہ جن آنکھوں نے خالق عالم کو معراج میں دیکھا ہو وہ عالم کو کیوں نہ دیکھیں۔ اس کی بحث سورۃ والنجم میں آئے گی انشاء اللہ۔ کیا دنیا کی چیزیں خالق سے بڑھ کر ہیں۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود
بھلا عالم سی شئی مخفی رہے اس چشم حق بیں سے
کہ جس نے خالق عالم کو بے شک بالیقیں دیکھا

چوتھے یہ کہ قیام تک کے مسلمان اور کافر اور منافق حضور علیہ السلام کے علم میں ہیں اگر کسی کے عیب کو بیان نہ فرمایا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ حضور علیہ السلام ان سے بے خبر ہیں' عیب پوش اور خطا کو چھپانے والے ہیں' شان ستاری کے مظہر ہیں۔ یہ علم و خبر وفات شریف سے کم نہ ہو گئے۔ کیونکہ بعد وفات نفس کا علم اور اس کی ہر قوت بڑھ جاتی ہے۔

آیت نمبر ۱۷۔ "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا" (پارہ ۵ سورۃ نساء رکوع ۹) (اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔)

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو توبہ کرنے اور اپنے گناہ معاف کرانے کا طریقہ بتایا

جا رہا ہے مگر اس سے شان مصطفےٰ علیہ السلام اس قدر ظاہر ہو رہی ہے کہ سبحان اللہ! اس آیت میں توبہ قبول ہونے کی تین شرطیں بیان ہوئیں۔ اولا حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری' دوسرے اپنے گناہ سے وہاں جاکر توبہ کرنا' تیسرے حضور علیہ السلام کا شفاعت فرمانا۔ اگر ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی نہ پائی جائے تو قبول توبہ کی امید نہیں۔

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے اولا تو یہ کہ حضور علیہ السلام بارگاہ الٰہی کے وکیل مطلق یا مختار عام ہیں' کیونکہ گناہ تو کیا رب کا مگر جاؤ کہاں؟ محبوب علیہ السلام کی خدمت عالی میں۔ جیسے جرم تو کیا حکومت کا مگر جاؤ کہاں؟ وکیل یا مختار عدالت کے پاس۔ بغیر وکیل کے دنیاوی کچہری میں کچھ پوچھ نہیں اور عدالت الٰہیہ میں بغیر محبوب علیہ السلام کچھ پوچھ گچھ نہیں۔ اسی لئے نماز وغیرہ میں حضور علیہ السلام کا نام ضرور آتا ہے۔

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو
و اللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے
بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

دوسرے یہ کہ دروازہ مصطفےٰ علیہ السلام دروازہ الٰہی ہے۔ اگر فقیر کو مانگنا ہو تو چھت پر یا مکان کے پیچھے کڑے ہو کر نہیں مانگتا بلکہ دروازے پر آکر بھیک مانگتا ہے۔ اسی طرح جب خدا سے مانگنا ہو تو خدا کے دروازے یعنی بارگاہ مصطفےٰ علیہ السلام میں آکر مانگو۔ جو کچھ پروردگار عالم کی طرف سے ملے گا اسی دروازے اور ان ہی ہاتھوں سے ملے گا۔

بخدا خدا کا یہ ہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

تیسرے یہ کہ شفاعت کے لئے مدینہ پاک میں حاضری ضروری نہیں اس لئے فی المدینہ نہیں فرمایا گیا جہاں بھی ہو قلب سے اس بارگاہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ کیونکہ ہر دل ان کی جلوہ گاہ ناز ہے۔

سنا ہے رہتے ہیں آقا ﷺ فقط مدینہ میں
غلط ہے رہتے ہیں وہ عاشقوں کے سینہ میں

چوتھے یہ کہ یہ حکم حاضری قیامت تک کے مجرموں و گنہگاروں کے لئے ہے فقط زندگی کے زمانہ سے خاص نہیں۔ کیوں کہ کلمہ لو عام ہے۔ اسی لئے عالمگیری کتاب الحج میں فرمایا کہ جب روضہ اقدس پر حاضر ہو تو یہ ہی آیت پڑھے۔ تفسیر مدارک اور خزائن العرفان میں ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد روضہ پاک پر حاضر ہوا اور یہ آیت پڑھ کر عرض کرنے لگا کہ یا حبیب اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے یہ حکم سنا میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور اللہ سے بخشش چاہنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر حاضر ہوا ہوں تو میرے گناہ کی بخشش رب سے کرائیے' اس پر قبر شریف سے ندا آئی کہ تیری بخشش کی گئی۔ اس واقعہ اور آیت سے چند مسائل فقیہہ بھی معلوم ہوئے۔

(۱) خدا کے مقبولوں کو وسیلہ بنانا ذریعہ کامیابی ہے۔ (۲) قبر بزرگان پر حاجت روائی کے لئے جانا جائز ہے اور جاؤک میں داخل ہے۔ (۳) بعد وفات کے مقبول بندوں کو "یا" کے ساتھ پکارنا جائز ہے۔ (۴) مشکوۃ شریف میں ہے کہ چالیس ابدال شام میں رہتے ہیں جن کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور دشمنوں پر فتح حاصل کی جاتی ہے اور شام والوں سے عذاب دور رہتا ہے۔ شامی کے مقدمہ میں ہے کہ امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں حاجت کے وقت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ الرضوان کی قبر پر حاضر ہو کر دعا کرتا ہوں۔ (۵) یہ کہ ظلموا سے معلوم ہوا کہ کسی طرح کا مجرم ہوا' کافر ہو' منافق ہو' گنہگار ہو' کوئی ہو اگر صدق دل سے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں آکر توبہ

کرے تو رحمت الٰہی دستگیری کرے گی۔ حضور علیہ السلام اس سمندر کی طرح پاک فرمانے والے ہیں کہ کیسا ہی گندہ آدمی آکر غوطہ لگائے پاک ہو جاتا ہے۔ اور مدینہ پاک کا وہ شفاخانہ ہے کہ کسی بیمار سے یہ نہیں کہا جاتا کہ تیرا علاج ہمارے پاس نہیں ہر بیمار کو حکم عام ہے کہ چلے آؤ اور منہ مانگی مراد پاؤ۔ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وبارک وسلم

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو
تم ایسے رَحمَةٌ لِلعَالِمِین ہو

آیت نمبر ۱۸۔"فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤمِنُونَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَینَھُم ثُمَّ لَا یَجِدُوا فِی اَنفُسِھِم حَرَجًا مِّمَّا قَضَیتَ وَیُسَلِّمُوا تَسلِیمًا"(پارہ ۵ سورہ نساء رکوع ۹) (تو اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں۔)

اس آیت پاک میں مسلمان بننے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے اور مسلمان کی پہچان بتائی جا رہی ہے۔ مگر اس میں نعت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ پھول کھلے ہوئے ہیں جن سے دماغ ایمان معطر ہو جاتا ہے۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک پہاڑ سے پانی آتا تھا جس سے اہل مدینہ اپنے اپنے باغوں کو پانی دیتے تھے' اس پانی دینے پر ایک انصار کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے جھگڑا ہو گیا' معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے زبیر! تم اپنے باغ کو پہلے پانی دے کر پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو۔ (زبیر کا باغ اوپر کی طرف تھا) اس پر انصاری کو ناگوار گزرا اور اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ زبیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی کے بیٹے ہیں۔(یعنی اس فیصلہ میں

ان کی رعایت کی گئی ہے۔ قرابت کی وجہ سے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ اے محبوب!(صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت تک کوئی ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے ہر جھگڑے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہ مانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم پر دل سے راضی نہ ہو جائے۔

فقیر حقیر اپنے محبوب کا نعت خواں احمد یار خاں عرض کرتا ہے کہ اس آیت کا پہلا کلمہ یعنی "وربک" تمہارے رب کی قسم! اس قدر پر لطف ہے کہ پڑھ کر وجد طاری ہوتا ہے' رب نے اپنی قسم فرمائی مگر اپنا نام نہ ارشاد فرمایا واللہ یا والرحمن نہ فرمایا بلکہ اپنا ذکر محبوب علیہ السلام کے ساتھ فرمایا ہے کہ اے پیارے تیرے رب کی قسم اے محبوب ہم کو تمہارے پروردگار کی قسم! قربان جاؤں کیا کلام ناز ہے اور کیا نرالا انداز۔ اس ناز والے محبوب کے صدقے ان کے رب کریم کے قربان۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

اس طرز کلام کا لطف وہی پائے گا جو کہ اس محبت سے آشنا ہو۔ اب فرمایا یہ جا رہا ہے کہ ہماری بارگاہ میں تمغہ ایمانی وہ ہی پائے گا جو کہ تمغہ غلامی رکھتا ہوں۔

تجھ سے در در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

سچ تو یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی سچی اطاعت ہی کا نام عبادت ہے یہ ہی شہادت ہے۔ یہ ہی ریاضت۔

ترے رستہ میں مر مٹنا شہادت اس کو کہتے ہیں
ترے کوچہ میں ہونا دفن جنت اس کو کہتے ہیں
ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا

تصور میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

جو شخص بھی حضور علیہ السلام کے فیصلے کے ہوتے ہوئے اپنی رائے کو دخل دے وہ بے دین ہے۔ اب اس وقت علماء کا فیصلہ اور قرآن و حدیث و فقہ کے احکام حضور علیہ السلام ہی کا فیصلہ ہے۔ ایک منافق اور یہودی میں کچھ جھگڑا تھا' یہودی حق پر تھا منافق جھوٹا۔ فیصلہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور یہودی کے لئے فیصلہ ہو گیا۔ منافق راضی نہ ہوا۔ صدیق کے پاس فیصلہ گیا' انہوں نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا۔ پھر بھی منافق راضی نہ ہوا۔ فاروق اعظم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے' یہودی نے عرض کیا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے اور صدیق اکبر بھی مگر یہ فیصلہ سے راضی نہیں ہوتا۔ فاروق اعظم نے منافق کو قتل کر دیا اور فرمایا کہ جو حضور علیہ السلام کے فیصلہ سے راضی نہ ہو اس کا فیصلہ یہ ہے۔ اسی دن سے آپ کا لقب ہوا فاروق یعنی حق و باطل میں فرق فرمانے والے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔

آیت نمبر ۱۹۔ "مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا" (پارہ ۵ سورہ نساء رکوع ۱۰) (جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کو بچانے کو نہ بھیجا۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت شریف ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ہماری اطاعت کی اس نے رب کی اطاعت کی' اس پر بعض منافقین نے کہا کہ حضور علیہ السلام چاہتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رب مان لیں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائیوں نے رب مانا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور محبوب علیہ السلام کی تصدیق فرما دی گئی۔ اس سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ ایک تو یہ کہ حضور علیہ السلام کی تعظیم کو شرک

سمجھنا منافقوں کا کام ہے تعظیم اور ہے عبادت کچھ اور۔ ہر تعظیم عبادت نہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو بارگاہ الٰہی میں تقرب خاص حاصل ہے جو بندہ غلام مصطفے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے وہی حقیقۃ عبداللہ ہے۔ مثنوی میں فرماتے ہیں۔

بندہ خود خواند احمد در رشاد
جملہ عالم رابخواں قل یا عباد

تیسرے یہ کہ اطاعت الٰہی سے پہلے اطاعت مصطفے علیہ السلام کرنی پڑتی ہے' اس لئے کہ یہاں حضور علیہ السلام کی اطاعت کو پہلے بیان فرمایا اور شرط بنا کر بیان فرمایا اور اطاعت الٰہی کو جزا بنا کر بعد میں ارشاد فرمایا اور بات ہے بھی یوں ہی۔ جب حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا مسلمانو! تم پر اللہ نے پانچ نمازیں فرض فرمائیں اور قرآن کی یہ آیت پاک ہم پر نازل فرمائی۔ پہلے ہم اس کو مانیں گے۔ یہ اطاعت حضور علیہ السلام کی ہوئی پھر نماز ادا کی اور اطاعت الٰہی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ کلمہ طیبہ میں حضور علیہ السلام کا نام پاک لا الہ الا اللہ کے بعد ہے مگر ایمان میں حضور علیہ السلام پر ایمان لانا مقدم۔ جب محمد ہوئے رسول اللہ تب کھلا لا الہ الا اللہ۔ حضور علیہ السلام کو بغیر مانے اللہ کو مان لیا موحد ہی نہ ہوا۔ جیسا کہ سکھ' عیسائی' آریہ۔

وہ جس کو ملے ایمان ملا ایمان تو کیا رحمن ملا
قرآن بھی جب ہی ہاتھ آیا' جب دل نے وہ نور ھدی پایا

چوتھے یہ کہ مخلوق الٰہی میں کسی کی اطاعت کرنا ضروری نہیں بجز اطاعت مصطفے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے۔ اگر ماں باپ' عالم' شیخ وغیرہ کی اطاعت کی جاتی ہے تو محض اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے ان کی فرمانبرداری کا حکم دیا۔ شروع مشکوۃ شریف میں ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یاحبیب اللہ! اسلام کیا ہے' ایمان کیا ہے' قیامت کب ہو گی؟ وغیرہ وغیرہ یہ سوالات صحابہ کرام کے مجمع میں ہوئے اور حضور علیہ السلام نے جوابات دیئے' مگر خود حضرت جبرائیل علیہ

السلام نے ہی صحابہ کرام سے نہ فرمایا کہ ایمان یہ ہے ' اسلام یہ ہے اور نماز اس طرح پڑھ۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میرے کہنے سے ان مسلمانوں پر کوئی بات بھی لازم نہ ہو گی' ہاں جب زبان محبوب سے ادا ہو گی تو وہ حکم شرعی بنے گی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی فقط پیغام پہنچانے والے نہیں ہوتے یہ کام تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ہے بلکہ وہ حضرات حکومت الہیہ کے وزیر کو جاری فرمانے والے ہوتے ہیں۔ اسی طرح عالم' فقیہ اور محدث کو سمجھو کہ محدث حدیث کا پہنچانے والا اور عالم فقہ کو سمجھانے والا اور جاری کرنے والا۔ دوسری آیت میں اسی لئے ارشاد ہوا۔"اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ"یہاں اطاعت میں تین ذاتوں کا ذکر ہوا کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور امر والوں کی یعنی علماء کی۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام خلیفہ اللہ اور علماء نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔

آیت نمبر ۲۰۔"وَاَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَالَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ وَکَانَ فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ عَظِیۡمًا"(پارہ ۵ سورۃ نساء رکوع ۱۷)
(اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور سکھلایا تم کو جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔)

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی بہت سی صفات عالیہ کو بیان فرما رہی ہے۔ اول تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب یعنی قرآن کریم اتارا' دوسرے حکمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی' تیسرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب بتایا' چوتھے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ کتاب اور حکمت کا ذکر فرمانے سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے ارشادات یعنی احادیث پاک بھی وحی الٰہی ہیں ہاں یہ قرآن کریم وحی ظاہری ہے اور اس کے کلمات اور مضمون سب وحی ہے اور احادیث پاک وحی خفی یعنی مضمون تو وحی اور الفاظ پاک محبوب کے۔ اسی لئے احادیث سے احکام تو حاصل ہوتے ہیں نیز حدیث پاک سے قرآن پاک کا نسخ ہو سکتا ہے۔ سجدہ

تعظیمی غیر اللہ کے لئے جائز ہونا قرآن سے ثابت ہے مگر احادیث سے منسوخ۔ اسی طرح قرآن پاک سے معلوم ہوا کہ ہر وفات پانے والے کی میراث اس کے ورثاء لیں گے مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام نہ کسی اہل قرابت کی میراث لیں اور نہ کسی کو ان کی میراث ملے۔ غرضیکہ حدیث پاک بھی وحی الٰہی ہے ورنہ کتاب کے ساتھ حکمت کا ذکر کیوں ہے؟ تفسیر خزائن العرفان میں ہے کہ حکمت سے سنت مراد ہے۔ (پارہ اول آیت) پھر معلوم ہوا کہ پروردگار عالم نے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صفات عطا فرمائے وہاں علم غیب بھی عطا فرمایا۔ اس آیت میں یہ ذکر نہیں کہ صرف احکام شریعت کا علم دیا یا کہ فلاں کا دیا فلاں کا نہیں بلکہ فرمایا "مالم تکن تعلم" (جو کچھ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ جانتے تھے وہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھا دیا) معلوم ہوا کہ ذرہ ذرہ کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت ہوا رب فرماتا ہے۔ کہ ہم نے سب چیزوں کا علم دے دیا اور محبوب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم نے لے لیا۔ دینے والا رب دے، لینے والے محبوب لیں پھر کون ہے؟ جو اس ربی عطیہ کو چھین لے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق وزہق الباطل" میں دیکھو۔ پھر فرماتا ہے کہ محبوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے۔ جبکہ رب تعالیٰ اس کو فضل عظیم فرما رہا ہے تو کسی کی مجال ہے کہ اس فضل و کرم کا اندازہ لگا سکے جو کہ حضور علیہ السلام پر ہے رب العالمین نے اپنی صفت بیان فرمائی "وھوالعلی العظیم" اور حضور علیہ السلام کے اخلاق پاک کو عظیم فرمایا "انک لعلی خلق عظیم" یہاں اللہ کے فضل کو جو حضور علیہ السلام پر ہے عظیم فرمایا اور دنیا کی ساری نعمتوں کو فرمایا قلیل یعنی "قُل مَتَاعُ الدُّنیَا قَلِیلٌ" اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، اسی طرح رب کی دی ہوئی عظمت مصطفےٰ علیہ السلام بھی مخلوق کے علم سے باہر ہے۔ اسی لئے قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصارىٰ فِى نَبِيِّهِم
وَاحْكُم بِمَاشِئتَ مَدحًا فِيهِ وَاحْتَكِم
فَاِنَّ فَضلَ رَسُولَ اللّٰهِ لَيسَ لَه
حَدٌّ فَيُعرِب عَنهُ نَاطِقٌ بِفَم

یعنی حضور علیہ السلام کو خدا یا خدا کا فرزند نہ کہو' باقی جو عزت و عظمت چاہو حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کرو کیونکہ حضور علیہ السلام کے فضائل و کمالات کی کوئی حد نہیں کہ جس کو کوئی بولنے والا اپنے منہ سے بیان کر سکے از اول تا آخر روز قیامت حضور علیہ السلام کی نعت اور اوصاف ملائکہ نے' پیغمبروں نے' انسانوں نے بیان کئے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے اوصاف کے دفتر کا ایک نقطہ بھی بیان نہ ہو سکا۔ کیونکہ جو کچھ بیان ہوا وہ حد کے اندر ہے اور حضور علیہ السلام کی صفات حد سے باہر۔ رب کی حمد احمد ہی کر سکتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صفت حامد رب العالمین ہی فرماتا ہے۔ ہم نہ رب کی حمد کر سکیں اور نہ کما حقہ نعت رسول علیہ السلام

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صفت پوچھو خدا کی
خدا سے پوچھ لو شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے کہ حضور علیہ السلام دنیا کے لئے فضل اللہ ہیں اور خدا کی ذات حضور علیہ السلام کے لئے فضل اللہ ہے۔ اور آیت کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ "اِنَّ اللّٰهَ العَظِيمَ فَضلُ اللّٰهِ عَلَيكَ" یعنی خود رب تعالیٰ کی ذات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضل اللہ ہے۔

آیت نمبر ۱۱۔ "وَمَن يُّشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الهُدىٰ وَيَتَّبِع غَيرَ سَبِيلِ المُؤمِنِينَ نُوَلِّهِ مَاتَوَلّٰى وَنُصلِهِ جَهَنَّمَ وَسَآءَت مَصِيرًا" (پارہ ۵ سورۃ نساء رکوع ۱۷) (اور جو رسول کے خلاف کرے بعد اس کے کہ

حق کا راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے' ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑیں گے اسے دوزخ میں کریں گے اور کیا بری لوٹنے کی جگہ ہے۔)

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ ایک شخص طعمہ بن ابیرق نے مدینہ پاک میں چوری کر کے دوسرے کو چوری کا الزام لگا دیا۔ اصل واقعہ معلوم ہو جانے پر حضور علیہ السلام نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا' وہ اس حکم کو سن کر راتوں رات مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گیا اور کفار مکہ سے مل گیا۔ انہی کا دین اختیار کر لیا وہاں ہی کافر ہو کر مر گیا۔ اس کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان)۔

یہ آیت بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت شریف ہے۔ اور اس میں چند فائدے حاصل ہوئے۔ اولا تو یہ کہ اس سے پہلی آیتوں سے معلوم ہوا تھا کہ جو حضور علیہ السلام کی اطاعت کرے وہ اللہ کا سچا فرمانبردار بندہ ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ جو حضور علیہ السلام کی کسی امر میں مخالفت کرے وہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ کا مردود ہے نتیجہ یہ نکلا۔

جو ہو محبوب اس در کا وہ محبوب الٰہی ہے
جو ہو مردود اس در کا وہ مردود خدا ٹھہرے

دوسرے یہ کہ بارگاہ مصطفٰے علیہ السلام سے نکلا ہوا خدائی میں تو کیا خدا کے یہاں بھی امن سے نہیں رہ سکتا۔ ایک شخص وحی لکھنے والا تھا مرتد ہو گیا اور بھاگ کر کفار سے مل گیا جب وہ مرا اور اس کو دفن کیا گیا تو زمین نے بھی اس کی میت قبول نہ کی' باہر نکال کر پھینک دیا' بار بار دفن کیا گیا مگر زمین نے پھینک پھینک دیا۔ معلوم ہوا کہ مردود مصطفٰے علیہ السلام کہیں قبول نہیں۔

تیری چتون کیا پھری سارا زمانہ پھر گیا

تیسرے یہ کہ اگر ہدایت پر قائم رہنا ہے تو اس مذہب اور راستہ کو اختیار کرو جو عام مسلمانوں کا ہے۔ کسی نے اگر کوئی نیا راستہ بنا کر پکڑا تو شیطان اسی طرح تباہ کر دے گا

جس طرح کہ گلے سے دور رہنے والی بکری کو بھیڑیا کھالیتا ہے۔ اور وہ راستہ وہی ہے جو صحابہ کرام اور اہل بیت عظام' علماء و مشائخ و عامہ المسلمین کا ہے جس کا نام ہے اہل سنت و جماعت۔ جو مذہب بھی اس کے خلاف ہوا اور جو تحریک اس کے خلاف اٹھے وہ جہنم کی راہ ہے۔

چوتھے یہ کہ اللہ والوں کی مخالفت یا کسی اسلامی حکم سے منہ پھیرنا بھی ایمان کو برباد کردیتا ہے جیساکہ ثعلبہ کا انجام ہوا' اس سے عبرت پکڑنا چاہئے۔

آیت نمبر ۲۲۔ "یَآاَیُّھَاالنَّاسُ قَد جَآءَ کُمْ بُرھَانٌ مِّن رَّبِکُم وَاَنزَلنَآ اِلَیکُمْ نُورًا مُّبِینًا" (پارہ ۶ سورہ نساء رکوع ۲۴) (اے لوگو! بے شک تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آئی اور ہم نے تمہارے پاس روشن نور اتارا۔)

یہ آیت پاک حضور علیہ السلام کے نعت کے پھولوں کا نفیس گلدستہ ہے' اس میں جس قدر فضائل حضور علیہ السلام کے بیان ہوئے ان کا ذکر کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ برکت حاصل کرنے کے لئے کچھ اجملا عرض کرتا ہوں۔ اس میں چار کلمے غور کرنے کا قابل ہیں۔ ایک تو "یایھاالناس" اے لوگو! دوسرے "قدجاء کم" تیسرے "برھان" یعنی دلیل' چوتھے "نُورًا مُّبِینًا" یعنی روشن نور۔ ظاہر ہے کہ "الذین امنوا" میں تو صرف مسلمانوں سے خطاب ہوتا ہے اور "الناس" میں کفار' مشرکین' یہودی' عیسائی' مجوسی غرضیکہ سارے اولاد آدم علیہ السلام ہے اس جگہ الناس فرمایا گیا یعنی اے لوگو! جس سے معلوم ہوا کہ سب انسانوں سے کلام ہو رہا ہے' ہر شخص اسی کو پکارتا ہے جس کے مطلب کی بات کہے۔ طبیب کہتا ہے۔ اے بیمارو! مدرس کہتا ہے اے طالب علمو! مگر چونکہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سارے جہان کے لئے ہے لہٰذا پکارا گیا اے لوگو! کیا فرمایا گیا کہ "قَد جَآءَ کُم بُرھَانٌ مِّن رَّبِکُم" تم سب کے پاس' تمہارے رب کی دلیل آئی اور نور تم سب پر اترا۔ جس سے معلوم ہوا حضور علیہ السلام کی تشریف آوری اور نبوت کسی خاص قوم یا خاص ملک یا خاص وقت

کے لئے نہیں ہے بلکہ جو انسان اللہ کا بندہ ہے وہ حضور علیہ السلام کا امتی ہے اور پہلے پیغمبروں کی تبلیغ خاص اور خاص وقت کے لئے ہوتی تھی۔ پھر فرمایا گیا کہ تم سب کے پاس پہنچ گئے جہاں تم ہو وہاں وہ ہیں۔ تمہارے گھروں میں' تمہارے دلوں' میں' تمہارے خیالات میں وہ جلوہ گر ہیں۔ مگرہاں غائب ہو تو تم ہو۔

دوست نزدیک تر از من بمن است
ایں عجب بیں کہ من از روئے دورم

برہان کے معنی ہیں دلیل۔ جس سے دعوے کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ یہاں دلیل سے مراد معجزات ہیں۔ جس قدر معجزے کہ پہلے پیغمبروں کو ملے وہ سب کے سب حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے' اور اس کے علاوہ اور بے شمار معجزے ملے بلکہ حق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام از سرتا قدم پاک خود اللہ کی وحدانیت اور ذات و صفات کی دلیل ہیں۔ لہٰذا برہان سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات پاک ہے۔ اور پیغمبروں کی ذات معجزہ نہ تھی بلکہ کسی کے صرف ہاتھ میں معجزہ اور کسی کی سانس میں معجزہ' کسی کی لاٹھی میں معجزہ تھا جیسے کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام مگر حضور علیہ السلام کا بال شریف معجزہ کہ حضرت خالد کی ٹوپی میں رہا تو ان کو ہمیشہ دشمنوں پر فتح ہوتی رہی۔ ہرقل کی پگڑی میں رہا تو اس کے سر درد کو آرام رہا۔ سیدنا عمرو ابن عاص نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے کفن میں حضور علیہ السلام کے بال شریف رکھ دیئے جاویں تاکہ قبر کی مشکل آسان ہو۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ مجھے غسل دے کر میری آنکھوں اور لبوں پر حضور علیہ السلام کے ناخن اور بال شریف رکھ دیئے جائیں تاکہ حساب قبر میں آسانی ہو۔ معلوم ہوا کہ بال مبارک قبر کی مشکل آسان کرتا ہے۔ صحابہ کرام بیماروں کو بال شریف کا غسل شدہ پانی پلایا کرتے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر ایک بار بال شریف پہنچ گیا تو انہوں نے تمام رات ملائکہ کی تسبیح و تہلیل سنی (دیکھو مدارج اور مواہب لدنیہ) آنکھ شریف کا معجزہ کہ قیامت تک کہ واقعات کو دیکھا۔ جنت و

دوزخ' عرش و کرسی کو ملاحظہ فرمایا بلکہ خود رب کو دیکھا نماز کسوف میں دوزخ اور جنت کو مسجد کی دیوار میں دیکھا پیچھے مقتدی جو کچھ کریں اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ ناک مبارک کا معجزہ جس سے محبت کی خوشبو یمن سے آتی ہوئی سونگھی (روح البیان یہ ہی آیت) زبان کا معجزہ جس کی ہر بات خدا کی وحی اور وہ زبان جو کہ کن کی کنجی ہے۔ منہ کا لعاب معجزہ کہ حضرت جابر کے گھر ہانڈی میں ڈال دیا تو ہانڈی کی ترکاری میں برکت ہوئی' آٹے میں ڈال دیا تو چار سیر آٹا ہزاروں آدمیوں نے کھایا پھر بھی اتنا ہی رہا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر میں عصا شریف مار کر پانی کے چشمے نکالے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہانڈی میں لعاب شریف ڈال کر شوربے اور بوٹیوں کے چشمے جاری فرمادیئے۔ خیال رہے کہ شوربے میں نمک' مرچ' گھی' دھنیا وغیرہ سارا مسالہ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ معجزہ نہایت ہی اعلیٰ ہے کہ یہاں ان تمام چیزوں کے چشمے بہا دیئے۔ خیبر میں حضرت علی کی دکھتی ہوئی آنکھ میں لگا دیا تو آنکھ کو آرام ہو گیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو غار میں مارنے کاٹا۔ یعنی یار غار کو مار غار نے تکلیف پہنچائی اس پر لگا دیا اس کو آرام۔ کھاری کنویں میں ڈال دیا تو اس کا پانی میٹھا ہو گیا۔ ہاتھ مبارک بھی دلیل کہ بدر کے دن ایک مٹھی کنکر کفار کو مارے تو رب نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پھینکے بلکہ ہم نے پھینکے۔ اسی ہاتھ میں آکر کنکریوں نے کلمہ شریف پڑھا' اس ہاتھ سے بیعت لی گئی تو رب نے فرمایا کہ ان کے ہاتھوں پر ہمارا ہاتھ ہے۔ انگلیاں معجزہ کہ ایک پیالہ پانی میں انگلیاں رکھ دیں اس سے پانچ چشمے پانی کے جاری ہو گئے۔ انگلی ہی کے اشارہ سے چاند چیر دیا۔

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

پاؤں مبارک بھی معجزہ کہ پتھر پر چلیں تو پتھر ان کا اثر لے لے اور فرش پر بھی چلیں اور عرش پر بھی۔ غرضیکہ ان کا ہر ہر عضو پاک اور ہر ہر بال مبارک رب کے

پہچاننے کی دلیل ہے۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم
پسینہ مبارک کا معجزہ کہ جس میں گلاب کی بیمثل خوشبو۔ جاگنا اور سونا معجزہ کہ ہر ایک کی نیند وضو توڑ دے مگر حضور علیہ السلام کی نیند وضو نہیں توڑتی تمام جسم پاک سایہ سے محفوظ کہ سایہ بھی قدم کے نیچے نہ آئے' وہ رب کا سایہ ان کا سایہ کیسا ہے؟

راہ نبی میں کیا کمی فرش بیاض دیدہ کی
چادر ظل ہے ملگجی زیر قدم بچھائے

تمام کے پیشاب و پاخانہ نجس ہیں' مگر حضور علیہ السلام کا پیشاب و پاخانہ پاک ہیں امت کے حق میں (دیکھو شامی باب انجاس) غرض کہ حضور علیہ السلام کا ہر وصف معجزہ' ہر حالت رب تعالیٰ کی قدرت کی دلیل۔ اس لئے فرمایا برہان۔ حضور علیہ السلام کا نام مبارک بھی معجزہ ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ سب کے نام ان کے ماں باپ رکھتے ہیں' لقب قوم دیتی ہے' خطاب حکومت سے ملتا ہے' مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نام' القاب' خطاب سب رب کی طرف سے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب نے فرشتہ کی تعلیم سے آپ کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا۔ دوسرے یہ کہ سب کے نام پیدائش کے ساتویں دن رکھے جاتے ہیں مگر حضور علیہ السلام کا نام رب تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائس سے پہلے رکھ دیا کہ آدم علیہ السلام نے یہ نام عرش کی ساق پر لکھا پایا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی اسی نام کی برکت سے مکمل ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں فرمایا"اسمہ اِحمد"انبیاء کرام نے حضور علیہ السلام کے نام کے طفیل سے دعائیں کیں۔ تیسرے یہ کہ انبیاء کرام کے نام کے معانی ایسے اعلیٰ نہیں جیسے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معانی ہیں یعنی بے عیب اور ہر طرح سے لائق حمد۔ چوتھے یہ کہ اسی نام سے برسوں کا کافر مومن ہو جاتا ہے جیسے سورج سے تمام برف پگھل جاتی ہے۔ پانچویں یہ کہ حضور علیہ السلام کے نام سے قبر کے امتحان میں کامیابی اور محشر میں نجات ہے۔ حضور علیہ السلام کا نام وہ کیمیا ہے جس سے انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے اور جو

انہیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ کر برا کہے وہ اپنے منہ سے خود جھوٹا ہے۔ پھر تمام پیغمبروں کے معجزے قصہ کی شکل میں رہ گئے مگر حضور علیہ السلام کے چند معجزے قیامت تک کے لئے باقی ہیں۔ مثلاً قرآن کریم' احادیث صحیحہ جگہ جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال شریف موجود جن کی زیارت ہوتی ہے۔ آپ علیہ السلام کی مکمل سوانح عمری شریف مع اسناد۔ کے ہر ایک کے سامنے یہ ایسی خوبیاں ہیں جو حضور علیہ السلام کے سوا کسی کو عطا نہ ہوئیں۔

یہاں حضور علیہ السلام کو برھان فرمایا۔ دوسری جگہ نور "قد جاء کم من اللّٰہ نور" کیونکہ برہان یعنی دلیل تو عقل سے اور نور آنکھ سے معلوم ہوتے ہیں۔ فلاسفہ منطقی لوگ حضور علیہ السلام کو دلائل سے پہچانیں' عام لوگ آنکھ سے بحیرہ ۔راہب آنکھ سے دیکھ کر اور سلمان فارسی عقل سے پہچان کر ایمان لائے۔

اب جو ارشاد ہوا کہ ہم نے نور اتارا' اس نور سے مراد قرآن کریم ہے یا حضور علیہ السلام کی ذات پاک یعنی حضور علیہ السلام دلیل بھی ہیں اور نور بھی۔ دلیل تو عقل سے پہچانی جاتی ہے اور نور آنکھ سے دیکھا جاتا ہے تو حضور علیہ السلا کو آنکھ سے دیکھو نور ہیں۔ ان کا ہر عضو پاک نور۔ اور عقل سے پہچانو تو دلیل الٰہی ہیں۔ نور کی بحث "قَدۡ جَآءَکُمۡ مِنَ اللّٰہِ نُورٌ" کی آیت میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

آیت نمبر ۲۳۔"اَلۡیَومَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِینَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیکُمۡ نِعۡمَتِی وَرَضِیتُ لَکُمُ الاِسۡلَامَ دِینًا"(پارہ ٦ سورہ مائدہ رکوع ۱) (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔)

یہ آیت کریمہ بظاہر تو دین اسلام کا کامل ہونا بیان فرما رہی ہے مگر ساتھ ہی حضور علیہ السلام کی نعت بھی بتا رہی ہے کہ اس کا شان نزول یہ ہے کہ حج الوداع کا سال ہے یعنی جب اللہ کے محبوب علیہ السلام نے آخری حج ادا فرمایا' جمعہ کا دن ہے۔ نویں تاریخ

ذی الحجہ ہے عصر کے بعد کا وقت ہے۔ محبوب دو جہاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اونٹ پر جلوہ گر ہیں اور خطبہ حج ارشاد فرما رہے ہیں کہ عین اسی حالت میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اتفاق سے اس دن چھ عیدیں جمع تھیں' تین عیدیں تو مسلمانوں کی اور تین عیدیں دوسری قوموں کی یعنی دسمبر کی پچیسویں تاریخ بڑا دن عیسائیوں کی عید' یہود کی بھی عید تھی اور مجوس کی بھی' مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن وہ عید' حج کا دن وہ عید' محبوب کی دید یہ عید غرضیکہ سارے عالم میں خوشی ہی خوشی ہے۔ ایسی عیدیں آج تک کبھی جمع نہ ہوئیں (روح البیان)

اس آیت کریمہ میں چند فائدے حاصل ہوئے۔ اولا تو یہ کہ اب تک کہ سارے دین ادیان موسوی و عیسوی وغیرہ غیر مکمل تھے' وقتی طور پر دنیا میں جاری کئے گئے' پھر منسوخ کر دیئے گئے۔ مگر دین اسلام ایسا مکمل کہ اس میں کوئی کمی زیادتی کر سکے اور نہ کوئی قرآن کو بدل سکے اور نہ نیا نبی بن کر آئے' نہ کبھی یہ دین منسوخ ہو جیسے کہ طبیب اپنے کمزور مریض کو اولاً" مختلف دوائیں اور غذائیں بدل بدل کر دیتا ہے پھر جب پوری طاقت مریض میں آ جاتی ہے تو اس کو اعلیٰ غذا پر چھوڑ دیتا ہے۔ یا کہ بچہ کو گھٹی میں دودھ وغیرہ اولا عارضی غذائیں دی گئیں' پھر جب بچہ طاقتور ہو گیا تو اس کو روٹی دی گئی' اسی طرح یہ دوسرے یہ۔ کہ جس طرح دین اسلام تمام دینوں سے زیادہ کامل' اسی طرح بانی اسلام علیہ السلام تمام مذاہب کے بانیوں میں افضل اور اکمل کیونکہ کامل کے ہاتھ پر ہر شے کامل ہوتی ہے۔ مدرسہ کے طلباء چھوٹے درجوں میں مختلف استادوں کے پاس پڑھ کر ترقی کرتے رہے مگر سند فضیلت لے کر کامل جب ہی بنے جب کہ مدرسہ کے مدرس اعلیٰ کے پاس تعلیم حاصل کی۔ تو ان طلباء کو کامل بنانے والا اور ان کی تعلیم کو مکمل کرنے والا کامل مدرس ہوا۔ تیسرے یہ کہ بغیر مذہب اسلام اختیار کئے ہوئے اور بغیر بانی اسلام کی غلامی کئے کوئی عمل' کوئی نیکی اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔ ساری مردود ہیں کیونکہ کفر ایک قسم کا زہر ہے۔ اگر کسی کے کھانے میں زہر پڑا ہو اور پھر اس میں

تمام عمدہ مصالحہ ڈال کر تیار کیا جائے تو جو بھی کھائے گا مرے گا. جس درخت کی جڑ کٹ گئی ہو پھر اس کے پتوں کو عمدہ پانی دودھ دیا جلوے تو بے کار ہے۔ اسی طرح غلامی سرکار علیہ السلام نہیں کچھ کرو سب بیکار ہے۔

پندار سعدی کہ راہ صفا
تواں یافت جز زورپے مصطفےٰ

چوتھے یہ کہ دین کو کامل فرمایا گیا اور نعمت کو فرمایا گیا تمام۔ کامل تو وہ جس میں نہ زیادتی ہو اور نہ کمی۔ لہٰذا اسلام کے اصول میں اب نہ زیادتی ہو سکتی ہے نہ کمی۔ اور تمام وہ کہلاتا ہے جس میں زیادتی تو ہو سکے مگر کمی نہ ہو تو اگر مراد نعمت سے مسائل شرعیہ ہیں تو بھی اور اگر نعمت سے مراد فتوحات ہیں تو بھی زیادتی ممکن ہے۔ پانچویں یہ کہ جب اللہ تعالیٰ اسلام سے راضی ہے تو بانی اسلام علیہ السلام سے بدرجہ اولی راضی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں سے راضی۔ خدا تعالیٰ اسلام پر قائم رکھے آمین۔

آیت نمبر ۲۴۔ "قَدۡ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٞ وَكِتَٰبٞ مُّبِينٞ" (پارہ ۶' سورہ مائدہ رکوع' ۳) (بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا اور روشن کتاب۔)

یہ آیت کریمہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عظیم الشان نعت ہے۔ اس میں اہل کتاب کو مخاطب فرما کر ارشاد ہو رہا ہے کہ اے اللہ کے بندو! تمہارے پاس بڑی شان والا نور اور کھلی ہوئی کتاب آ پہنچی۔ اس آیت میں حضور علیہ السلام کو نور فرمایا۔ نور وہ ہے جو آپ تو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کر دے۔ دیکھو آفتاب نور ہے کہ آفتاب کو دیکھنے کے لئے کسی روشنی کی ضرورت نہیں وہ خود روشن ہے اور جس پر اس نے خود توجہ کر دی وہ بھی چمک گیا۔ دنیا میں کوئی اپنے خاندان سے مشہور ہوتا ہے کوئی پیشہ کی وجہ سے' کوئی سلطنت کی وجہ سے لیکن حضور علیہ السلام کسی وجہ سے نہیں چمکے۔ وہ تو خود نور ہیں ان کو کون چمکاتا بلکہ ان کی وجہ سے سب چمک گئے۔ اسی لئے کسی بادشاہی خاندان میں پیدائش پاک نہ ہوئی۔ دولت مند گھرانے میں جلوہ گری نہ

فرمائی حتی کہ ولادت سے پہلے والد کا سایہ اٹھا لیا گیا۔ نبوت کے ظہور سے پہلے تقریبًا سارے اہل قرابت آگے پیچھے سے چلے گئے اور بعد نبوت جو باقی رہے وہ خون کے پیاسے تاکہ کوئی نہ کہہ سکے کہ حضور علیہ السلام کی یہ شہرت ان کے خاندان یا اہل قرابت کی وجہ سے ہے۔ غرضیکہ اس قدر بے سروسامانی ہے' مگر تمام دنیا پہچانتی ہے کیسے پہچانتی ہے کہ ولادت پاک سے پہلے دنیا میں ہلچل مچ گئی کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ قریب آگیا۔ دوستوں میں خوشی اور دشمنوں میں رنج پھیل گیا۔ جیسے کہ سورج نکلنے سے پہلے آسمان پر روشنی پھیل جاتی ہے۔ بچپن شریف میں تمام لوگ تو کیا جانور اور پتھر بھی پہچانتے ہیں کہ یہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ہیں۔

حلیمہ دائی حضور علیہ السلام کو لے کر اپنے گھر چلیں تو خچر نے کہا کے اے حلیمہ! میری پشت پر نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں (مدارج) پھر حضور کی وہ نورانیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین جانے' آسمان پہچانے' فرشی جانیں اور عرشی خدمت گاری کریں۔ اشارے سے سورج ڈوبا ہوا لوٹے' چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جائے کیونکہ جانتا ہے کہ حضور علیہ السلام کا اشارہ ہے۔

بعد وفات شریف آج تیرہ سو سال سے زیادہ سال گزر چکے ہیں مگر زمین کے ہر گوشہ میں دنیا کے ہر ملک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کا ایک ایک حال شریف دنیا والوں کے سامنے ہے اتنے عرصے میں دنیا میں معشوق گزرے' بادشاہ بھی گزرے بڑے بڑے عالم و فاضل بھی گزرے' مگر کسی کا نام بھی نہ رہا۔

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے
پر ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ ذکر تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کا' اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے دوسرے کس طرح ظاہر ہوئے۔ اس کے متعلق مختصرا یہ

غرض ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے اولاد والے، مال والے، بادشاہت والے گزرے اور انہوں نے اپنا نام باقی رکھنے کے لئے بہت کوشش کی، کسی نے کوئی عمارت بنوا کر چھوڑی جیسے تاج محل وغیرہ کسی نے کوئی کتاب لکھوائی، غرضیکہ اپنا نام چلانے کی بہت تدبیریں کیں مگر نام نہ چلا لیکن حضور علیہ السلام کے والدین کریمین حضرت آمنہ خاتون، حضرت عبداللہ، عبدالمطلب و ہاشم وغیرہم اسی طرح حضور علیہ السلام کی خدمت پرورش انجام دینے والے لوگ جیسے کہ حلیمہ دائی وغیرہ تمام دنیا میں قیامت تک کے لئے مشہور ہو گئے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ حضور علیہ السلام کی ذات سے ان کو نسبت ہو گئی، غرضیکہ اپنے خاندان کو چمکایا۔ جس جگہ قدم پہنچ گئے وہ جہان والوں کے لئے زیارت گاہ بن گئی۔ اگر ملک عرب میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ظہور نہ ہوتا تو آج کعبہ کو کون جانتا اور مدینہ کو کون جانتا، دیکھو اس ملک میں نہ کوئی تماشہ گاہ ہے، نہ کشمیر اور پیرس کی طرح تفریح کے انتظام نہ سبز زمین نہ میوے کے باغ مگر تمام دنیا اس کی طرف کھچی جا رہی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ عرب کے چمن میں حضرت خلیل کے چمن سے ایک ایسا پھول کھلا کہ جس کی مہک سے دنیا معطر ہو گئی۔

وہ پھول مدینہ کی کیاری میں جلوہ گر ہے، اس کی کشش سے سب ادھر بھاگے جا رہے ہیں۔ غرضیکہ زمین و آسمان کی چکی سب کو پیس دیتی ہے، لیکن جو مدینہ والی کھونٹی مرکز عالم سے لگ جاتا ہے وہ اس چکی سے نہیں پس سکتا، بچ جاتا ہے۔

چکی کے پاٹن دیکھ کر اور دیا کبیرا روئے
جو پاٹن میں آگیا سو ان میں بچا نہ کوئے
چکی چکی سب کہیں اور کیلی کہے نہ کوئے
جو کیلی سے لاگا اس کا بال نہ بیکا ہوئے

یہ تو دوستوں کا ذکر تھا۔ جنہوں نے دشمنی کی وہ بھی مشہور ہو گئے جیسے ابوجہل وغیرہ۔ یہ تو نور کے معنی کی تحقیق تھی۔ اب دو باتیں اور بھی قابل غور ہیں۔ ایک تو یہ

کہ نور کو کتاب کے ساتھ کیوں جمع فرمایا گیا؟ وجہ یہ ہے کہ کوئی کتاب بھی اندھیرے میں نہیں پڑھی جاتی' روشنی چاہئے۔ اسی طرح کتاب الٰہی کو وہ جان اور سمجھ سکتا ہے جس کے دل میں وہ نور الٰہی جلوہ گر ہو' جب وہ دل میں آئے تو قرآن ہاتھ میں آیا۔

وہ جس کو ملے ایمان ملا' ایمان تو کیا رحمٰن ملا
قرآن بھی جب ہی ہاتھ آیا جب دل نے وہ نور ہدیٰ پایا

دوسرے یہ کہ نور کی تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی بڑا نور۔ حضور علیہ السلام کا بڑا نور ہونا چند طرح سے ہے اولاً یہ کہ سورج کی روشنی دنیا میں کم و بیش ہوتی رہتی ہے' صبح کو ہلکی' دوپہر کو زیادہ' شام کو پھر کم' رات میں بالکل غائب مگر نور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کبھی کم نہیں۔ پھر سورج ہر وقت آدمی زمین کو روشن کرتا ہے مگر نور حبیب علیہ السلام ساری زمین کو بلکہ فرش و عرش کو۔ سورج بدن کے ظاہر کو چمکاتا ہے اور نور حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دل و دماغ کو' خیال کو۔ غرضیکہ سب ہی کو چمکاتا ہے' جو آدمی سورج سے بچنے کے لئے تہ خانہ میں کوٹھری میں چھپ جائے تو دھوپ سے بچ جائے گا مگر نور محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تو تہ خانہ' میں کوٹھری میں' پہاڑ پر' جہاں خدا کی خدائی ہے وہاں پہنچتا ہے' کسی کو محروم نہیں کرتا جو خود اس سے فائدہ نہ اٹھائے وہ بدبخت ہے۔

حضور علیہ السلام کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی۔ مکہ شریف بیچ زمین میں واقع ہے کیونکہ محفل میں کناروں کے گیس خاص خاص جگہ روشنی دیتے ہیں مگر درمیان کا بہت تیز گیس ساری محفل منور کرتا ہے۔ دیگر انبیاء کرام علیہ السلام اطراف عالم کے گیس تھے جو خاص خاص جماعتوں کو ہدایت دیتے رہے مگر حضور علیہ السلام ساری خدائی کے نور ہیں۔ لہٰذا بیچ میں جلوہ گری فرمائی۔ اسی لئے فرمایا "یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا" حضرت یوسف علیہ اسلام مصر میں جا کر چمکے' جج کچہری میں' مولوی مدرسہ میں' بابو اسٹیشن پر مگر حضور علیہ السلام ہر وقت' ہر جگہ چمکے' ان کا سکہ عرش و

فرش ہر بازار میں چلتا ہے۔

رب نے اس آیت میں تو حضور علیہ السلام کو نور فرمایا اور قرآن کو فرمایا مبین یعنی ظاہر کرنے والا' نور میں اور مبین میں کیا فرق ہے؟نور تو آنکھ سے نظر آتا ہے بلکہ اندھے بھی کچھ نہ کچھ محسوس کر لیتے ہیں۔ اس معنی سے تو حضور علیہ السلام نور ہوئے کہ اندھے ابوجہل وغیرہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائل ہو گئے" یعرفونه کما یعرفون ابناء هم "مگر قرآن کریم کو وہی پہچان سکا جو ایمان لے آیا اور اس سے مسائل وہی نکال سکتا ہے جو علم و اجتہاد رکھتا ہو۔ قرآن کو پالینا ہر ایک کا حصہ نہیں۔ قرآن فرماتا ہے۔"فَاِنَّهُم لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِينَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجحَدُونَ" (یعنی اے محبوب! ﷺ یہ کافر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ یہ تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں) معلوم ہوا کافر بھی محبوب علیہ السلام کو امین 'سچا' راست باز جانتے تھے۔ ہاں قرآن کو نہ مانتے تھے' یہ فرق ہے نور میں اور مبین میں یا یوں سمجھ لو کہ قرآن کو حضور علیہ السلام نے چمکایا کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں۔ اور قرآن نے حضور علیہ السلام کے اوصاف جگہ جگہ بیان فرمائے کیونکہ وہ بیان کرنے والا مبین ہے۔

"صلی اللّٰه علیه وعلی آله واصحابه وبارک وسلم"

آیت نمبر ۲۵۔"اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُم رَاكِعُونَ"(پارہ ٦'سورۃ مائدہ رکوع' ٨)(تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں۔)

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو ایک ضروری حکم دیا گیا ہے مگر ساتھ ہی حضور علیہ السلام کی عزت و عظمت کا خطبہ ارشاد ہو رہا ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن سلام جو کہ یہود کے عالم تھے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اس پر ان کی قوم بنی

قریظہ اور بنی نضیر نے آپس میں کمیٹی کر کے یہ فیصلہ کر لیا کہ چونکہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اس لئے ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ چنانچہ ساری قوم نے ان سے شادی بیاہ، خرید و فروخت، اٹھنا بیٹھنا سب یک دم چھوڑ دیا۔ اس پر سیدنا عبداللہ ابن سلام نے اپنی قوم کی شکایت حضور علیہ السلام سے کی کہ میں ساری قوم میں تنہا رہ گیا۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کو فرمایا گیا کہ اگر تم سے کفار علیحدہ ہو گئے تو تم کو کیا غم ہے، تم سے کفار چھوٹے اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کی دوستی اور محبت حاصل ہوئی، تم اس سودے میں نقصان میں نہیں رہے۔ کافروں کو چھوڑا اور خدا کو لیا، دامن مصطفےٰ علیہ السلام کا سایہ مل گیا، مسلمانوں کی دوستی حاصل ہو گئی۔ اس سے مسلمانوں کو چند فائدے حاصل ہوئے۔ ایک تو یہ کہ اللہ کے سوا رسول علیہ السلام اور مسلمانوں سے دوستی کرنا گناہ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی مدد اور دوستی تمام کے مقابلہ میں کافی ہے۔

کوئی ملے ملے نہ ملے مصطفےٰ ﷺ ملے
وہ شے ملے کہ ملنے سے جس کے خدا ملے

تیسرے یہ کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اسلام کی لذت وہی پا سکتا ہے جو اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے عداوت کرے یعنی اللہ والوں سے محبت کرے اور دین کے دشمنوں سے علیحدہ رہے۔ چوتھے یہ کہ اولیاء اللہ مشائخ عظام، علماء کرام، صحاب و اہل بیت عظام کی محبت اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ یہ حضرات مومن اور مومنوں کے سردار ہیں۔ اسی کو سورہ فاتحہ میں فرمایا گیا۔ "صِرَاطَ الَّذِينَ اَنعَمتَ عَلَيهِم" (خدایا ہم کو ان کے راستہ پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا ہے اور حقیقت میں مسلمانوں یا اولیاء کرام سے محبت رکھنا حضور علیہ السلام کی محبت کے لئے ہے۔ یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پانے کے دروازے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

آیت نمبر ۲۶۔ "يَاَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغ مَا اُنزِلَ اِلَيکَ مِن رَّبِّکَ وَاِن لَّم

تَفعَل فَمَا بَلَّغتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعصِمُکَ مِنَ النَّاس "(پارہ ۶ سورۃ مائدہ، رکوع ۱۰) (اے رسول! پہنچادو جو کہ اترا تم پر تمہارے رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم سے اس کا کوئی پیغام نہ پہنچایا جائے اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔

اس آیت میں بظاہر تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو تبلیغ فرمانے کا حکم دیا جا رہا ہے مگر ساتھ ہی حضور علیہ السلام کی نعت شریف بھی ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ اے محبوب علیہ السلام! آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بے خوف و خطر احکام کی تبلیغ فرمایئے اور کسی دشمن سے خوف نہ فرمایئے کیونکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے محافظ ہیں۔ پہلے پیغمبروں کو کافروں نے شہید کر دیا یا ان کی تبلیغ روکنے کی کوششیں کیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عزت و عظمت وغیرہ کے ہم محافظ ہیں۔ اب کون ہے جو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نقصان پہنچا سکے۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خوب تبلیغ فرمائیں۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ یہود مدینہ منورہ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم بڑی جماعت والے ہیں اور طاقت ور بھی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی تبلیغ چھوڑ دیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عزت کریں گے اور خدمت کریں گے۔ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی تبلیغ جاری رکھی تو ہم آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شہید کر دیں گے۔ چنانچہ مہاجرین و انصار سو (۱۰۰) حضرات آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حفاظت کے لئے ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہنے لگے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تب حضور علیہ السلام نے ان تمام خدمت گاروں سے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لوگ اب اپنے اپنے گھر آرام کریں۔ میری حفاظت کی ذمہ داری میرے رب نے فرما لی۔ (روح البیان)

سبحان اللہ! رب نے دین اسلام اور قرآن کے بارے میں فرمایا "وانا ل

لحفظون"(ہم اس کے محافظ ہیں) اور صاحب قرآن کے لئے ارشاد فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگوں سے محفوظ رکھیں گے۔ پہلے انبیاء کرام کے نہ دین کی ذمہ داری تھی اور نہ انبیاء کرام کی جانوں کی اسی وجہ سے ان کے دین بھی خلط ہو گئے' کتابیں محفوظ نہ رہیں۔ یہاں قرآن محفوظ اور اسلام اور مسائل غرضیکہ ہر چیز محفوظ ہوئی۔ اس حفاظت ہی کا اثر تھا کہ کفار مکہ نے اور یہود مدینہ نے جان توڑ کوششیں کیں کہ شہید کر دیں نہ کر سکے۔ رب تعالیٰ نے غار ثور میں مکڑی کے جالے سے حبیب علیہ السلام کو بچا لیا۔ یہ ہی نہیں کہ اس زمانہ میں ہی یہ حفاظت تھی بلکہ قیامت تک کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و عظمت کو محفوظ کر دیا۔ آج بادشاہوں کے خلاف لوگ تحریریں چھاپ دیتے ہیں مگر بحمد ربی تعالیٰ کسی بے دین کو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گستاخی کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ اگر کسی نے گستاخی کی تو وہ فوراً اپنی سزا کو پہنچ گیا' یہ حفاظت رب ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے پریشان کیا' تو چہارم آسمان پر بلا کر ان کی حفاظت فرمائی۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ محبوب کو دشمنوں میں ہی رکھا اور فرمایا کہ محبوب خوب تبلیغ کیئے جایئے۔

ایک گورنر کی رعایا اس سے نہ دبی' اس کو بادشاہ نے شاہی محل میں بلا لیا۔ دوسرے گورنر نے سب کو قابو میں کر لیا' اس کو حکم ملا کہ آپ وہاں ہی رہئیے اور حکومت کیجئے' ہر طرح کی امداد سلطانی آپ کو بھیجی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ دوسرا حاکم بڑے دبدبہ والا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص کہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو ظاہر نہ فرمایا' حضرت عمر کے ڈر کی وجہ سے وہ بے دین کافر ہے۔ سارے ہی احکام تبلیغیہ کی تبلیغ فرما دی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

آیت نمبر ۲۷۔"وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاحۡذَرُوۡا فَاِنۡ

تَوَلَّيتُم فَاعلَمُوا اَنَّمَا عَلٰى رَسُولِنَا البَلاَغُ المُبِينُ "(پارہ ۷، سورۃ مائدہ، رکوع ۱۲) (اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ہوشیار ہو پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول پر واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے۔) اس آیت میں مسلمانوں کو خدا اور رسول علیہ السلام کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور حضور علیہ السلام کی نعت ارشاد ہوئی ہے۔ اولا تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ رب تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا علیحدہ ذکر فرمایا اور رسول علیہ السلام کی اطاعت کا علیحدہ۔ اس سے بہت پر لطف بات یہ حاصل ہوئی کہ صرف قرآن کو مان لینا ہی ہدایت کے لئے کافی نہیں یا یوں کہ خدا کی اطاعت ہی حضور کی اطاعت ہے، احادیث کی ضرورت نہیں محض بے دینی ہے۔ بعض وہ کام ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ان کا حکم دیا، قرآن کریم میں ان کا ذکر نہیں، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سجھ کرامت کرتی ہے۔ ان دونوں کو بجا لانا اور دونوں کو حق جاننا اسلام میں ضروری ہے۔ جیسے کہ قرآن پاک کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کی حدیث کو دیدہ و دانستہ نہ ماننا کفر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کلام کے حدیث ہونے میں شک ہو، پھر اس کے ثبوت کا انکار کرے مگر جس کے متعلق یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ فرمان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے پھر اس کو برا جانے کافر ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود سن لیا کہ سرکار فرماتے ہیں کہ گروہ انبیاء کرام کی میراث نہیں تقسیم ہوتی ان کا چھوڑا ہوا مال صدقہ دینا ہے حالانکہ میراث کا ثبوت قرآن کریم سے تھا۔ مگر حضور علیہ السلام والصلوۃ کی میراث تقسیم فرمائی نہیں حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث نہ کی باغات اور زمین مثل زمانہ صدیقی و فاروقی بطور وقف صرف ہوتی رہی۔ نہایت پر لطف بات یہ بھی ہے کہ اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت میں فرق بھی ہے وہ یہ کہ رب تعالیٰ کی اطاعت صرف فرمان کی ہو گی اس کے کاموں میں اطاعت نہیں لیکن حضور علیہ السلام کی اطاعت تین چیزوں میں کی جائے گی، قول، فعل، اور

سکوت یعنی جو فرما دیا اس کو مان لو جو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود کر کے دکھایا اس کو مانو' جو کسی کو کرتے ہوئے دیکھ کر منع نہ فرمایا اس کو مان لو۔ رب تعالیٰ کے افعال اور تقریر میں اطاعت نہیں' رب تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ کفار کی امداد نہ کرو مگر خود ان کو رزق دیتا ہے' عیش و آرام دیتا ہے' کبھی کفار کو مسلمانوں کے مقابلہ میں فتح دیتا ہے لڑائی میں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ جب خدا ان کو نعمتیں دے رہا ہے تو ہم بھی ان کی خدمت کریں تو یہ غلط ہے۔ پرودگار کبھی اپنے انبیاء کرام پر عتاب فرماتا ہے ہم بھی معاذ اللہ ایسے کلمات انبیاء کے لئے بولیں تو یہ عین کفر ہے۔ کیونکہ یہ تو رب تعالیٰ کے افعال ہیں' رہے اس کے احکام ہمارے لئے وہ اور ہیں۔ ہم کو حکم دیا کفار کی امداد نہ کرو اور اگر تم نے اپنی آواز بھی نبی علیہ السلام کی آواز پر اونچی کر دی تو تمہارا ایمان ختم ہے۔ غرض کہ ان دونوں اطاعتوں میں فرق ہونے کی وجہ سے دو جگہ کلمہ "اطیعوا" فرمایا گیا۔ تیسری بہت لطف کی بات یہ معلوم ہوئی کہ فرمایا جا رہا ہے تم یہ نہ سمجھنا کہ اگر تم نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت نہ کی تو ان کا کچھ نقصان ہو گا۔ وہ تو اپنا فرض تبلیغ ادا کر چکے' اب نہ ماننے کا وبال تم پر ہو گا۔ تمہاری اطاعت سے ان کا کوئی فائدہ نہیں اور تمہاری مخالفت سے ان کا کوئی نقصان نہیں' وہ بے پرواہ بادشاہ ہیں ہاں تم نیاز مند ہو۔

تم تو جس خاک کو چاہو وہ بنے بندہ خاک
میں نبی کس کو بناؤں جو خفا تم ہو جاؤ
تمہارے سینکڑوں ہم سے گدا ہیں
ہمارے آپ ہی اک آسرا ہیں۔

صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

آیت نمبر ۲۸۔ "یَاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا تَسْئَلُوا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُؤْکُمْ اِنْ تَسْئَلُوا عَنْھَا حِینَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَلَکُمْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھَا

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ" (پارہ ۷ سورہ مائدہ' رکوع ۱۴) (اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جائیں تو تم کو بری لگیں اور اگر انہیں اس وقت پوچھو گے جبکہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی' اللہ انہیں معاف کر چکا اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

یہ آیت پاک حضور علیہ السلام کی نعت کا ایک گلدستہ ہے جس میں طرح طرح کے نعتیہ پھول مہک رہے ہیں۔ اس کے شان نزول میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض لوگ حضور علیہ السلام سے بہت سے بے فائدہ سوال کیا کرتے تھے' ایک روز ارشاد فرمایا اچھا جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لو' ہم ہر بات کا جواب دیں گے ایک نے پوچھا میرا انجام کیا ہو گا؟ فرمایا جہنم۔ دوسرے نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تو صداقہ کے نطفہ سے ہے یعنی تو حرامی ہے۔ (کیونکہ اس کی ماں صداقہ کی بیوی نہ تھی) اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ اے مسلمانو! ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی باتیں نہ کھلواؤ جس میں تمہارے عیب کھل جائیں (تفسیر احمدی) مسلم کی روایت میں ہے کہ اسی موقعہ پر عبداللہ ابن حذافہ سہمی نے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حذافہ عبداللہ کی والدہ نے یہ واقعہ سنا تو کہنے لگیں بڑا نالائق ہے' تجھے کیا معلوم زمانہ جاہلیت کی عورتوں کا کیا حال تھا؟ اگر تیری ماں سے کوئی قصور ہوا ہوتا تو وہ آج کیسی رسوا ہوتی۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مسلمانوں پر حج فرض ہے اس پر ایک شخص نے کہا کیا ہر سال فرض ہے؟ حضور علیہ السلام نے خاموشی اختیار فرمائی' سائل نے بار بار یہ سوال کیا' تو ارشاد فرمایا کہ اگر ہم اس وقت ہاں کہہ دیتے تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے اس پر یہ آیت اتری اور فرمایا کہ اے مسلمانو! سوالات کر کے ایسی قیدیں مت لگواؤ' جو تم کو بھاری پڑیں۔ اس میں چند طرح سے حضور علیہ السلام کی نعت بیان ہوئی۔ اولا تو اس طرح کہ بارگاہ الٰہی میں حضور علیہ السلام کی وہ عزت و عظمت ہے کہ رب تعالیٰ غلاموں کو ان کی

بارگاہ میں اٹھنے، بیٹھنے، بولنے اور بات پوچھنے کے آداب تعلیم فرماتا ہے کہ اس طرح بات پوچھو، اس طرح کلام کرو وغیرہ وغیرہ اور حضور علیہ السلام کو ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ کسی کو اپنا ادب کرنا سکھائیں۔

بے اجازت ان کے گھر میں جبرائیل آتے نہیں
آنکھ والے جانتے ہیں عزو شان اہل بیت

دوسرے اس طرح کہ پہلی روایت کی بنا پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام تمام لوگوں کی اصل اور ان کے انجام سے بخوبی واقف ہیں کہ کون کس کا بیٹا ہے اور کون جہنمی ہے اور کون جنتی؟ یہ ہیں معنی حاضر و ناظر کے مگر پردہ پوش ہیں۔ ہر ایک کے حالات بیان نہیں فرماتے۔ اس سے یہ نہ سمجھو کہ وہ جانتے بھی نہیں۔ تیسرے یہ کہ دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام مالک احکام بنائے گئے ہیں۔ جو کلمہ اس زبان پاک سے نکل جائے وہی قانون الٰہی بن جاتا ہے۔ سب تو قانون کے مختر مگر قانون نام ہے جنبش زبان مصطفےٰ علیہ السلام کا۔

مالک ہیں خزانہ قدرت کے جو جس کو چاہیں دے ڈالیں
دی خلد جناب ربیعہ کو، بگڑی لاکھوں کی بنائی ہے
اللہ کی مرضی سب چاہیں، اللہ رضا ان کی چاہے
ہے جنبش لب قانون خدا، قرآن و خبر کی گواہی ہے

چوتھے یہ کہ جس چیز کو شریعت نے حرام نہ کیا ہو وہ حلال ہے۔ مشکوۃ جلد دوم میں کتاب الاطعمہ میں ہے کہ حلال وہ جسے اللہ نے حلال کیا، حرام وہ جسے اللہ نے حرام کیا اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ معاف ہے۔ تو اب محفل میلاد، فاتحہ بزرگان، مدارس دینیہ جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ تھے وہ تمام جائز ہیں۔ کیونکہ شریعت نے ان کو کہیں حرام نہ فرمایا۔ اس آیت میں یہ ہی فرمایا جا رہا ہے۔ "عفا اللہ عنہا" (یعنی اللہ نے ان کو معاف کر دیا) پانچویں یہ کہ اگر کوئی بزرگ کوئی عمل یا وظیفہ بتائے

اور اس میں کوئی پابندی نہ بتائے تو خواہ مخواہ پوچھ پوچھ کر پابندیاں نہ لگواؤ۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کا گوشت میت کو مارو تو وہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتا دے گا مگر انہوں نے بار بار پوچھا کہ گائے کیسی ہو' کس رنگ کی ہو' کس عمر کی ہو؟ پوچھتے رہے' اور پابندیاں بڑھتی رہیں' اگر بغیر پوچھے کوئی سی بھی گائے ذبح کر دیتے کافی تھا۔ اسی طرح پوچھ پوچھ کر قیود نہ لگاؤ۔

آیت نمبر ۲۹۔ "قَد نَعلَمُ اِنَّهُ لَيَحزُنُكَ الَّذِينَ يَقُولُونَ فَاِنَّهُم لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِينَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجحَدُونَ" (پارہ' ۷ سورۃ انعام رکوع ۴) (ہم کو معلوم ہے کہ آپ کو رنج دیتی ہے وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔)

اس آیت میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نعت شریف صاف طور پر ظاہر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تقرب الی اللہ معلوم ہوتا ہے کا شان نزول یہ ہے کہ اخنس ابن قیس ابوجہل کا بڑا دوست تھا۔ ایک بار اخنس کی ملاقات ابوجہل سے تنہائی میں ہوئی' اخنس بولا کہ اے ابوالحکم (یہ ابوجہل کا لقب تھا۔) یہ تنہائی کی جگہ ہے۔ میری تیری بات کی کسی کو خبر نہیں ہو گی تو سچ بول دے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سچے ہیں یا نہیں؟ ابوجہل نے کہا اللہ کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) بے شک سچے ہیں' کبھی کوئی جھوٹ حرف ان کی زبان پر نہ آیا لیکن بات یہ ہے کہ یہ قصی کی اولاد ہیں۔ ان کے خاندان میں تمام بزرگیاں پہلے ہی سے ہیں' بیت اللہ کے پانی پلانے والے' خانہ کعبہ کے حاجب وغیرہ یہ ہی ہیں۔ اب نبوت بھی ان میں پہنچی جا رہی ہے تو باقی قریبوں کے لئے کون سی عزت باقی رہ گئی۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری (خازن) ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک بار ابوجہل نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تکذیب نہیں کرتے ہم تو اس کتاب کو جھوٹا کہتے ہیں جو

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لائے ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری

اس آیت سے حضور علیہ السلام کی عظمت شان چند طرح ثابت ہوئی۔ اولا تو اس طرح کہ حضور علیہ السلام رب تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں کہ اگر کسی بات سے دل مبارک کو رنج پہنچ جائے تو رب تعالیٰ اس مبارک دل کی تسکین فرماتا ہے' کفار تو ایذا پہنچائیں مگر رب پاک تسلی دے رہا ہے۔ کفار جو کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رسول نہیں اسی لئے خاطر اقدس پر ملال گزرتا تھا تو کس انداز سے فرمایا کہ پیارے یہ تم کو نہیں جھٹلاتے یہ تو ہم کو اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں تم کیوں رنج کرتے ہو۔ دوسرے اس طرح کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایسی پاک اور ستھری زندگی شریف ہے کہ دوست تو دوست دشمن بھی مانتے تھے کہ یہ امین ہیں' سچے ہیں۔ اگر دنیا میں کوئی ایسی ہستی گزری کہ :س نے کبھی خوش طبعی میں بھی بھول کر جھوٹ نہ بولا' وہ ہستی پاک صاحب لولاک ہے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

قاعدہ ہے کہ انسان کے ہم وطن اور خاص کر لڑکپن کے دوست اس کی اندرونی اور بیرونی زندگی سے واقف ہوتے ہیں' غیروں میں پہنچ کر کوئی کیسا ہی پاک دامن بنے مگر اپنوں میں مشکل سے مقبول ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کی وہ ذات ہے کہ جب دعوئے نبوت فرمایا تو سب سے پہلے لڑکپن کے ساتھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایمان قبول کیا اور شریک زندگی خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے۔ جن لوگوں نے انکار بھی کیا تو محض حسد کی وجہ سے' آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات پر کوئی عیب نہ لگا سکے۔ تیسرے اس طرح کہ آیت کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ اے محبوب! آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کا انکار آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کملات پر اعتراض اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعریف سے چڑ جانا یہ حقیقت میں ہمارا اور ہماری آیتوں کا انکار ہے اگر سلطان کسی کو افسر اعلیٰ بنا کر اپنی رعایا کی طرف بھیجے اور لوگ اس افسر کی مخالفت کریں اور اس کو افسر نہ مانیں تو وہ حقیقت میں بادشاہ کی مخالفت

کرتے ہیں اور سلطنت کے بانی ہیں۔ تو جو بھی حضور علیہ السلام کے کمالات سے سے انکار کرتا ہے وہ در پردہ خدا کی آیات کا انکار کرتا ہے۔ چوتھے اس طرح کہ آیت کہتے ہیں رب تعالیٰ کی نشانی کو جس سے خدا پہچانا جائے آیات اس کی جمع ہے نشانیاں تو حضور علیہ السلام خدا کی ذات ہیں۔ یعنی حضور کی ذات اور حضور علیہ السلام کی صفات رب کو پہچاننے کا ذریعہ ہیں' ان کفار نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کیا' فرمایا انہوں نے ہماری نشانیوں کا انکار کر دیا۔

پانچویں اس طرح کہ دنیا کی ہر چیز قدرت الٰہی کی نشانی ہے۔ "فَفِی کُلِّ شَئٍ لَهٗ اٰیَۃٌ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ" (یعنی ہر چیز خدا کی وحدانیت کا پتہ دے رہی ہے) مگر دنیا کی ہر چیز خدا کی ایک صفت کی نشانی ہے۔ سورج خدا کے نور کا پتہ دیتا ہے۔ پانی و ہوا خدائے پاک کی سخاوت کا خطبہ پڑھ رہے ہیں مگر حضور علیہ السلام رب تعالیٰ کی ذات اور ساری صفات کے مظہر اعلیٰ ہیں۔ اگر رب کا علم دیکھنا ہے تو علم مصطفےٰ علیہ السلام دیکھو' اگر رب کی سخاوت دیکھنا ہے تو سخاوت محبوب کا مطالعہ کرو۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعائے برکت دے دی تو سب کے باغوں میں سال میں ایک بار پھل آتا تھا مگر انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ میں سال میں دو بار (مشکوۃ باب الکرامات) حضرت جابر و ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تھوڑے سے جو عنایت فرما دیئے تو تیس سال تک وہ جو ختم نہ ہوئے۔ (مشکوۃ باب المعجزات) ایک پیالہ پانی تھا' آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں' انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ سینکڑوں آدمیوں نے اس سے وضو کیا' غسل کیا' جانوروں کو پلایا اور مشکیزے بھر لئے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر چار سیر آٹے سے تمام لشکر اور سارے مدینہ والوں کو دعوت کھلا دی۔ یہ ہے سخاوت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ

و آلہ و سلم۔

اگر قدرت خدا کا نظارہ کرنا ہے تو محبوب کی قدرت کو دیکھو کہ اشارہ سے ڈوبا ہوا سورج واپس کر لیا۔(شامی) پورا چاند دو ٹکڑے کر ڈالا (قرآن کریم) رفع حاجت کے لئے دو درختوں کو جو دو، تھے' جمع فرما دیا۔ اگر نور الٰہی دیکھنا ہو تو جمال مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دیکھو۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چاندنی رات تھی' محبوب علیہ السلام حلہ پہنے بیٹھے تھے' میں کبھی آسمان کے چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی اپنے مدینہ کے چاند کو' واللہ! شکل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چاند سے کہیں منور تھی۔

میں وہ شاعر نہیں جو چاند کہدوں ان کے چہرے کو
میں ان کی کفش پا پر چاند کو قربان کرتا ہوں

غرضیکہ حضور علیہ السلام رب تعالیٰ کی آیات ہیں جس نے ان کا انکار کیا' اس نے رب تعالیٰ کا انکار کیا اور جس نے ان کو مانا رب کو پہچانا۔صلی اللّٰہ تعالی علیہ وعلی آلہ واصحبہ وبارک وسلم

آیت نمبر ۳۰۔"وَمَاقَدَرُ اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اِذْ قَالُوا مَآ اَنزَلَ اللّٰہُ وَعَلٰی بَشَرٍ مِّن شَیْءٍ"(پارہ ۷ سورہ انعام رکوع ۱۱) (اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہئے تھی۔ جب بولے کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا۔)

بظاہر تو یہ آیت پاک کفار یہود کی برائی میں نازل ہوئی مگر نظر ایمان سے دیکھا جائے تو حضور علیہ السلام کی نعت پاک کے اس میں ایسے پھول مہک رہے ہیں جس سے دماغ ایمان معطر ہوتا ہے۔

شان نزول اس آیت کی یہ ہے کہ ایک بار یہود کی ایک جماعت اپنے عالموں کے سردار مالک ابن صیف کو لے کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں مناظرے کے لئے آئی۔ حضور علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ اے مالک تجھے اس پروردگار کی قسم دیتا

ہوں۔ جس نے موسیٰ پر توریت نازل فرمائی کیا تو نے توریت میں دیکھا ہے۔ کہ "اِنَّ اللّٰہَ یُبغِضُ الحِبرَ السَّمِینَ" (یعنی خدا تعالیٰ موٹے عالم کو دشمن رکھتا ہے) کہا کہ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو موٹا عالم ہے توریت کے حکم سے تو خدا کا دشمن ہے اور اس پر وہ غصہ میں آکر کہنے لگا کہ خدا نے کسی بشر پر کچھ نہیں اتارا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ ان کم بختوں نے خدا کی قدر ہی نہ جانی کہ اس کی کتابوں اور پیغمبروں کا انکار کر دیا' اچھا تو حضرت موسیٰ پر توریت کس نے اتاری تھی سارے یہودی مالک کی یہ بات سن کر مالک سے برہم ہو گئے یا تو تعظیم سے لائے تھے یا اس کو جھڑکنے لگے اور اس عہدے سے اس کو علیحدہ کر دیا (مدارک و خازن)

اس میں چند طرح سے حضور علیہ السلام کی صفت معلوم ہوئی اولا تو اس طرح کہ حضور علیہ السلام عالم علم لدنی ہیں۔ نہ کسی سے علم پڑھا' نہ کسی عالم سے فیض لیا' مگر مناظرہ کا طریقہ ایسا نفیس اختیار فرمایا کہ پرانا مشاق بھی اس طریقہ پر سر جھکا دے گا یعنی دلیل شروع ہونے سے پہلے ہی ثابت کر دیا کہ تو اپنے ہی مذہب کے اعتبار سے بے دین ہے' تجھ سے گفتگو کیسی؟

دوسرے اس طرح کہ توریت شریف زبان عبرانی میں تھی نہ آپ نے کسی سے توریت پڑھی اور نہ زبان عبرانی کسی سے سیکھی۔ مگر قربان اس علم کے کہ توریت کی آیت پر بھی نظر ہے اور زبان عبرانی پر بھی عبور ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہ السلام واقف ہی پیدا ہوتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی عرش پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا پڑھ لیا اور پوچھا کہ خدایا یہ کس بزرگ کا نام ہے' جو تیرے نام کے ساتھ لکھا ہے؟ فرمایا اے آدم یہ ان کا نام ہے کہ اگر ان کی پیدائش منظور نہ ہوئی تو آپ کو بھی پیدا نہ کیا جاتا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے بغیر پڑھے لکھا ہوا کلمہ کیسے پڑھ لیا۔ پڑھا نور نبوت سے (مدارج) قرآن پاک میں ارشاد ہوا کہ "وَمَا اَرسَلنَا مِن رَّسُولٍ اِلَّا بِلِسَانِ

قومہ" (نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر ان کی قوم کی زبان میں) اور حضور علیہ السلام تو ہر قوم کے رسول ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر زبان سے رسول علیہ السلام واقف ہیں قرآن فرماتا ہے۔ کہ رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھائے۔ مفسرین بتاتے ہیں کہ ساری زبانیں حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائی گئیں۔ اور حضور علیہ السلام کا علم حضرت آدم علیہ السلام کے علم سے کہیں زیادہ ہے۔ ثابت ہوا کہ خدائے پاک نے ہر زبان کا حضور علیہ السلام کو بھی علم دیا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور علیہ السلام نے سوال فرمایا شکم درد' یہ زبان فارسی ہے۔ تیسرے اس طرح مالک ابن صیف نے خدا کی ذات کا انکار نہ کیا تھا کتاب الٰہی کا اور پیغمبر کا انکار کیا تھا مگر رب نے فرمایا کہ ان لوگوں نے رب کی قدر نہ جانی جس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام کو نہ ماننا حقیقت میں رب کا انکار ہے اور بات بھی ظاہر ہے اس لئے کہ رب تعالیٰ کی صفت ہے رب العلمین جہانوں کا رب اور رب وہی ہے جو بندوں کی ظاہری اور پوشیدہ دینی اور دنیاوی ضرورتوں کو پورا فرما دے' دنیاوی ضرورتوں کے لئے ماں' باپ طبیب اور غذائیں' دوائیں' عمدہ پھل' زمین و آسمان وغیرہ پیدا فرمائے اور دینی رہبری کے لئے انبیاء اور اولیاء کرام علیہ السلام علماء و مشائخ اور قرآن و حدیث نیک اعمال اور وظیفے وغیرہ دنیا کو عطا فرمائے اب جو جو شخص کتاب یا نبی کا انکار کرتا ہے۔ وہ گویا یہ کہتا ہے کہ رب نے ہماری دینی پرورش نہ فرمائی۔ خدا کی ربوبیت کا انکار ہو گیا اس سے معلوم ہوا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا وہی معتقد ہے جو مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰه

آیت نمبر ۳۱۔ "اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِىَّ الْاُمِّىَّ الَّذِى يَجِدُونَه مَكْتُوبًا عِندَهُم فِى التَّورٰةِ وَالْاِنْجِيلِ يَامُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُم عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُم اِصْرَهُم وَالْاَغْلٰلَ الَّتِى كَانَتْ عَلَيهِم" (پارہ ۹' سورۃ اعراف رکوع ۱۹) وہ

جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے، غیب کی خبر دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے بوجھ اور گلے کے پھندے اتار دے گا جو ان پر تھے۔

اس آیت کریمہ میں حضور علیہ السلام کے بہت سے اوصاف کا ذکر فرمایا گیا ہے نہایت ہی خوبی سے تو یہ آیت ایک نعت نہیں بلکہ نعتوں کا مجموعہ ہے۔ اول تو اس میں حضور علیہ السلام کو تین لقبوں سے یاد فرمایا' نبی' رسول' امی' رسول تو وہ ذات ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان کا واسطہ ہو' یعنی رب سے فیض لے کر مخلوق تک پہنچا دے اور مخلوق کے گناہ اور قصور خالق سے معاف کرائے یا مخلوق کو شرک و کفر سے بچا کر خالق تک پہنچا دے اور حضور علیہ السلام میں یہ صفت کمال درجہ کی موجود ہے۔ کہ عرب جیسے ملک میں جلوہ گری فرمائی اور ان میں سے کسی کو صدیق کسی کو فاروق وغیرہ بنا دیا اور نبی کے دو معنی ہیں' یا بڑے درجے والا' واقعی حضور علیہ السلام کا وہ درجہ ہے کہ انسان تو کیا کوئی فرشتہ بھی آپ کے درجہ کو نہیں جان سکتا اللہ کو وہ جانتے ہیں اور محبوب کو اللہ ہی جانتا ہے۔

معراج میں جبریل سے کہنے لگے شاہ امم
تم نے دیکھا ہے جہاں بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم
روح الامیں کہنے لگے اے مہ جبیں تیری قسم
آفاقہا گردیدہ ام مہرتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیز دیگری

ان لفظوں سے جو انسان کے منہ سے نکلتے ہیں حضور علیہ السلام کی جیسی چاہئے تعریف نہیں ہو سکتی ان کے فضائل تک انسان کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا' حضرت حسان فرماتے ہیں۔

مَا اِن مَدَحتُ مُحَمَّدًا مَقَالَتِی
لٰکِن مَدَحتُ مَقَالَتِی بِمُحَمَّدٖ

(میں نے اپنے کلام سے حضور علیہ السلام کی تعریف نہیں کی بلکہ اپنے کلام کو ان کے پاک نام سے قابل تعریف بنا لیا۔)

یا نبی کے معنی ہیں غیب کی خبر دینے والا اور واقعہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے جنت و دوزخ کی قیامت کی' قیامت تک کے ایک ایک واقعہ کی خبریں دیں۔ یہ غیب ہی کی خبر ہے پھر فرمایا گیا امی' امی کے چند معنی ہو سکتے ہیں۔ ام کہتے ہیں ماں کو' اور اصل کو' یا تو اس کے معنی ہیں ماں والے نبی' دنیا میں ہر آدمی ماں والا ہوتا ہے' مگر جیسی ماں اللہ نے حضور علیہ السلام کو عطا فرمائی' ایسی ماں دنیا میں کسی کو نہ ملی۔ حضرت مریم علیہ السلام بھی ماں گزریں مگر جیسے کہ سید الانبیاء بے مثل ہیں' ان کی والدہ رضی اللہ عنہا بھی بے مثل۔

وہ کنواری پاک مریم وہ عفت فیہ کا دم عجیب شان اعظم
مگر آمنہ کا جایا وہی سب سے بڑھ کر آیا

جو سیپ اپنے پیٹ میں قیمتی موتی رکھتی ہے وہ سیپ بھی قیمتی ہو جاتی ہے تو جو مبارک ماں اپنے پاک پیٹ میں اس دریکتا کو رکھے وہ کیسی مبارک ہو گی۔ دوسرے معنی ہیں بے پڑھے یعنی والدہ کے پیٹ سے عالم پیدا ہوئے کسی سے پڑھا لکھا نہیں۔

خاکی و برلوج عرش منزل امی و کتاب خانہ در دل
امی و دقیقہ دان عالم بے سایہ و سائباں عالم

حضور علیہ السلام بے سایہ ہیں' مگر تمام دنیا پر آپ کا سایہ ہے' تیسرے معنی ہیں ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ کے رہنے والے' چوتھے معنی ہیں امی یعنی تمام عالم کی اصل' یہ تین تو حضور علیہ السلام کے القاب تھے اب آپ کے چھ وصف بیان فرمائے گئے وہ توریت و انجیل میں لکھے ہوئے ہیں۔ علماء یہود جو اسلام لائے اور شرف صحابیت سے

مشرف ہوئے جیسے عبداللہ ابن سلام، حضرت کعب احبار وغیر ہم، انہوں نے حضور علیہ السلام کے وہ اوصاف سنائے جو توریت شریف میں آئے، چنانچہ عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے توریت سے یہ اوصاف سنائے اے نبی ہم نے تم کو شاہد اور بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ آپ بے پڑھوں کے نگہبان ہیں تم میرے بندے اور رسول ہوں۔ میں نے تمہارا نام متوکل رکھا، نہ تم بد خلق ہو، نہ سخت مزاج، نہ بازاروں میں شور مچانے والے تم برائی کا بدلہ برائی سے نہ دو گے، بلکہ خطاکاروں کو معاف کرو گے خدا اس وقت تم کو دنیا سے نہ بلائے گا جب تک کہ تمہاری برکت سے بگڑے ہوئے دین کو سنبھال دے اور لوگ کلمہ نہ پکارنے لگیں۔ تمہاری برکت سے اندھی آنکھیں بینا اور بہرے کان سننے والے اور پردوں میں لپٹے ہوئے دل کھل جائیں گے۔

اسی قسم کا مضمون حضرت کعب احبار سے منقول ہے، عیسائیوں نے بہت کوشش کی کہ حضور علیہ السلام کے سارے صفات انجیل سے نکال دیں، مگر اب موجودہ انجیل میں جس میں بہت ردوبدل ہو چکا ہے۔ حضور علیہ السلام کے اوصاف اس طرح مذکور ہے۔

یوحنا کی انجیل مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور سنہ ۱۹۳۱ء کے چودھویں باب سولہویں آیت میں ہے۔ "میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا جو کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے" یہ حضور علیہ السلام کی نعت ہے اور خاتم النبیین ہونے کا ذکر ہے۔

اسی کتاب کے اسی باب میں انتیسویں اور تیسویں آیت میں ہے۔ "اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے۔ اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں"

اسی کتاب کے باب سولہ آیت ساتویں میں ہے "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس

نہ آئے گا۔ اگر جاؤں گا تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

یہی کتاب یہی بات تیرھویں آیت میں ہے۔ "لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گا' تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا' اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا' لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔"

غور کرو حضرت عیسی علیہ السلام کے بعد ان صفات سے موصوف علیہ السلام کے سوا کون آیا۔ دوسری صفت بیان ہوئی کہ حکم دیتے ہیں اچھی باتوں کا۔

تیسری صفت کہ منع کرتے ہیں بری باتوں سے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اچھا کام وہی ہے جس کو اچھوں کے سردار نے جائز کر دیا اور برا کام وہ ہے جس سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرماتے ہیں۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ بری چیزیں ان پر حرام فرماتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حلال و حرام کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو رب تعالیٰ کی طرف سے اختیار دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شارع یعنی صاحب شریعت اور مالک شریعت ہیں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ اس کی بہت سی احادیث وارد ہیں۔

دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل پر ان کے گناہوں کی وجہ سے بعض اچھی چیزیں حرام کر دی گئی تھیں جیسے کہ جانوروں کی چربی وغیرہ' حضور علیہ السلام کی برکت سے وہ حلال ہوئیں۔ اسی طرح شراب وغیرہ گندی چیزیں ان پر حلال تھیں۔ اس کو حضور علیہ السلام نے قیامت تک کے لئے ناجائز فرمایا۔

چھٹی صفت یہ بیان ہوئی کہ ان پر سے بوجھ دور فرماتے ہیں یعنی پہلے سخت احکام تھے جس سے انسانوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ مثلاً مال کا چوتھائی حصہ زکوۃ میں دینا' وضو کی جگہ تیمم کر سکنا' نماز صرف عبادت خانوں میں ہونا اور جگہ نہ ہو سکنا' غنیمت کا مال حلال نہ ہونا' جسم یا کپڑے پر ناپاکی لگ جائے تو اس کو جلا دینا یا کاٹ ڈالنا وغیرہ' یہ

تمام احکام بنی اسرائیل پر تھے۔ لیکن حضور علیہ السلام کی برکت سے یہ تمام مصیبتیں دور ہوئیں اور اب زکوۃ میں چالیسواں حصہ واجب ہوا' اس میں بھی بہت سے آسانیاں کر دی گئیں' اگر وضو نا ممکن ہو تو تیمم کر لو' جہاں چاہو نماز پڑھ لو' مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ یہ تمام آسانیاں اور برکتیں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صدقہ سے ہیں۔

آیت نمبر ۳۲۔ "قُل یَآاَیُّهَاالنَّاسُ اِنّی رَسُولُ اللّٰهِ اِلَیکُمْ جَمِیعًا" (پارہ ۹' سورۃ الاعراف' رکوع ۲۰) (تم فرماؤ کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت شریف ہے۔ اس میں ارشاد ہوا کہ اے محبوب! تم سب لوگوں سے کہہ دو چاہے وہ عیسائی ہوں یا موسائی' پارسی ہوں یا مجوسی' مشرقی ہوں یا مغربی' جنوبی ہوں یا شمالی کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں' لہٰذا اب جو انسان بھی اللہ کا بندہ ہے وہ حضور علیہ السلام کا امتی' حضرت آدم علیہ السلام کی ابوۃ اور حضور علیہ السلام کی نبوت سب کو عام ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام اور ان کی امتیں تمام رسل و جنات و ملائکہ سب ہی حضور علیہ السلام کے امتی ہیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نبی الانبیاء ہیں۔ اس کی تحقیق " وَاِذاَخَذَاللّٰهُ مِیثَاقَ النَّبِیّینَ " الآیہ کی بحث میں گزر چکی۔

یہ بھی خیال رہے کہ امت اس کو کہتے ہیں جس کی طرف نبی تبلیغ کے لئے بھیجے جائیں' تو پہلے انبیاء کرام خاص ملک یا کسی خاص قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے کہ دوسری قوموں پر ان کی اطاعت کرنا فرض نہ ہوتا حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جب تشریف لے گئے تو حضرت خضر نے فرمایا کہ اے موسیٰ آپ کا علم اور ہے اور میرا علم کچھ اور۔ اور آپ بنی اسرائیل کے پیغمبر ہیں' آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے۔

اس کا مطلب یہ ہی تھا کہ آپ میرے نبی نہیں ہیں اور مجھ پر آپ کی اطاعت

فرض نہیں۔ میں بہت سے کاموں میں آپ کی مخالفت کروں گا' آپ سے ضبط نہ ہو سکے گا آپ مجھ سے اعتراض کریں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صرف ایک قوم کے پیغمبر ہیں لیکن اگر حضور علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام پر کرم فرماتے اور ملاقات فرماتے تو حضرت خضر کو دین محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرنا پڑتی۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام آج زندہ ہوتے تو ان کو ہماری اطاعت کرنا ہوتی۔ اب امت دو طرح کی ہے ایک تو امت دعوت دوسری امت اجابت۔ جس کو تبلیغ تو ہوئی مگر اس نے قبول نہ کیا' وہ امت دعوت کہلاتی ہے اور جس نے قبول کر لیا وہ امت اجابت ہے۔ مسلمان تو حضور علیہ السلام کی امت اجابت ہیں اور کفار و منافقین امت دعوت ہیں۔ چاہے لوگ حضور علیہ السلام کی اطاعت کریں یا نہ کریں امت ضرور ہیں۔

اللہ کے بندے سب ہی ہیں' مسلمان بھی اور کافر بھی' مسلمان تو مطیع بندے ہیں اور کافر نافرمان بندے مگر بندگی سے کوئی علیحدہ نہیں اسی طرح چاہے لوگ احکام قبول کریں یا نہ کریں امتی سب ہی ہیں' سب پر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت فرض ہے۔ حضور علیہ السلام کے والدین نہ تو عیسائی تھے نہ یہودی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ و حضرت موسیٰ علیہما السلام بنی اسرائیل کے پیغمبر ہیں اور یہ حضرات بنی اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ ہاں اولاً موحد تھے بعد میں محمدی ہوئے' مسلمان ہوئے' کافر یا مشرک یا بت پرست نہ تھے۔ اس کی تحقیق "لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ" میں آئے گی' انشاء اللہ۔

آیت نمبر ۳۲۔ "وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی" (پارہ سورہ ۹' سورہ انفال رکوع' ۲) (اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی' تم نے نہ پھینکی) ہم نے پھینکی یہ آیت کریمہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صریح نعت ہے۔ اولاً غور کرنا چاہئے کہ اس میں کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرے اس میں نعت کس طرح ہے؟ واقعہ یہ ہوا کہ جنگ بدر جو سن ۲ ہجری میں واقع ہوئی اس میں کفار مکہ

بہت سازوسامان کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے آئے اور اہل مدینہ کے پاس سوائے اللہ کی مدد اور رسول علیہ السلام کی برکت کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ کفار تقریباً ایک ہزار تھے اور مسلمان تین سو تیرہ۔ کفار کے پاس ہر طرح کے کھانے پینے کے سامان مگر مسلمانوں کے منہ میں دن بھر روزہ اور رات میں آیات قرآن۔ کفار کے پاس تیر' تلوار' نیزے بھالے' مسلمانوں کے پاس خرمے کی لکڑیاں' بدن پر کپڑے بھی پھٹے ہوئے اور پاؤں میں چھالے۔ کفار کے لشکر میں گانے والوں کے گانے اور باجوں کے نغمے اور مسلمانوں کی طرف آیات قرآنی اور تکبیر کے کلمے' رات کے وقت کفار شراب میں مخمور' مسلمان نشہ ذکر الٰہی اور شراب محبت میں چور' غرضیکہ اودھر شیطان ادھر رحمن کا لشکر۔

مسلمانوں کی اس ظاہری حالت کو دیکھ کر حضور علیہ السلام نے سجدہ میں سر رکھ کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ خدایا! اس وقت روئے زمین پر تیری سچی عبادت کرنے والی صرف مسلمانوں کی بے سروسامان چھوٹی سے جماعت ہے۔ اگر آج تو نے ان کی امداد نہ فرمائی کہ اس جگہ شکست کھا کر ہلاک ہو گئی تو دنیا میں تیرا سچا نام لیوا کوئی بھی نہ رہے گا۔ اور اس قدر گریہ و زاری فرمائی کہ اس جگہ کی کنکریاں حضور علیہ السلام کے آنسوؤں سے تر ہو گئیں' پھر سجدے سے سر اٹھایا اور ایک مٹھی خاک کی لے کر لشکر کفار کی طرف پھینکی' وہ اللہ جانے ایک مشت خاک تھی یا ابابیل کی کنکریاں تھیں کہ تمامی کافروں کی آنکھوں میں پہنچ گئیں اور وہ کافر آنکھیں ملتے ہوئے رہ گئے۔

بعد میں اللہ کے فضل سے مسلمانوں کو اس تھوڑی سی جماعت نے کافروں کے اس سازوسامان والے شکر پر ایسی فتح پائی کہ جس کا آج تک ذکر چلا آ رہا ہے' بڑے بڑے سرداران قریش کفار اس جنگ میں مارے گئے اور بہت سے قید ہوئے۔

یہ تو واقعہ تھا جس کا اس آیت پاک میں ذکر ہوا ہے' اب آیت کیا فرما رہی ہے؟ یہ فرما رہی ہے کہ اے محبوب! علیک السلام وہ واقعہ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے

ایک مشت خاک کفار کی طرف پھینکی، اور سب کی آنکھوں میں پہنچ گئی، اے پیارے! تم نے نہ پھینکی، بلکہ تمہارے رب نے پھینکی تھی۔ یعنی ہاتھ تو تمہارے تھے مگر کام ہمارا تھا۔

حضور علیہ السلام کے ایک کام کو رب نے ایسا پسند فرمایا کہ فرما دیا تم نے یہ کام کیا ہی نہیں تھا بلکہ ہم نے کیا تھا۔ اس سے دو فائدے حاصل ہوئے ایک تو یہ کہ تصوف کا اعلیٰ درجہ ہے فنا فی اللہ، جب بندہ فنا فی اللہ اور باقی باللہ ہو جائے اور دیکھنے میں تو وہ اپنی شکل میں ہو مگر عشق الٰہی اس کی رگ رگ میں اس طرح سرایت کر جائے کہ اس کے ہر کام کو رب کی طرف منسوب کیا جائے جس طرف مولانا روم اشارہ فرماتے ہیں۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یعنی جب وہ کلام کرتا ہے تو زبان عبداللہ کی ہوتی ہے اور کلام اللہ کا ہوتا ہے۔

چوں روا باشدت انا اللہ از درخت
کے روانہ بود کہ گوید نیک بخت

دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کلام الٰہی سے مشرف ہونے کوہ طور گئے تھے تو ایک درخت سے آواز تھی "وَنُودِیَ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یَّا مُوسٰی اِنِّی اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ" کہ اے موسیٰ! میں ہوں پروردگار عالم، تو کیا یہ درخت کی آواز تھی یا درخت کہہ رہا تھا میں اللہ ہوں؟ ہرگز نہیں بلکہ رب کا کلام تھا، درخت اس کا مظہر۔

اسی طرح ایک کوئلہ آگ میں رکھا گیا، آگ نے ایسی تاثیر کی کہ کوئلہ بھی آگ بن گیا۔ اب جس چیز کو یہ انگارا چھو جائے جلا دے، اسی طرح ایک شخص کو جن نے چھو لیا ہے اب وہ جنوں کی حالت میں جو بولتا ہے کہ میرا یہ نام ہے۔ میں فلاں جگہ کا جن ہوں اور مجھ میں یہ طاقت ہے، کیا یہ اس آدمی کی بات ہے؟ نہیں بلکہ زبان تو اس انسان کی ہے اور جسم تو اس کوئلہ کا ہے، مگر کلام اور کام اس کا ہے جس نے اس میں

سرائیت کی۔

یہ تو مثال تھی' اب سمجھو کہ اس درجہ میں قدم رکھ کر بعض عارفین "انا اللّٰہ یاسبحانی ما اعظم شانی" وغیرہ وغیرہ بول جاتے ہیں' یہ کلام ان کا نہیں ہوتا' زبان ان کی ہے' کلام کسی اور کا ہے۔ یہ ہی فرق ہے فرعون اور حضرت منصور میں کہ فرعون نے جب کہا "انا ربکم الاعلی" (میں تمہارا بڑا رب ہوں) کافر ہوا کیونکہ وہ میں تھا اور پھر رب بنا' مگر حضرت منصور نے جب کہا "انا الحق" (یعنی میں حق ہوں) تب وہ اپنی انانیت فنا کر چکے تھے' تو ہی تو میں فنا ہو گئے تھے۔

مگر لطف یہ ہے کہ یہاں تو منصور نے کہا "انا الحق" (میں حق ہوں) "واجب القتل" ہوئے مگر یہ ضبط مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ اپنے پر اتنا قابو رکھتے ہیں کہ ہر دم "انا العبد" ہی فرماتے ہیں۔ میں عبداللہ ہوں۔ ہاں رب فرماتا ہے کہ اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم فنا فی اللہ کے اس درجہ میں ہو کہ تمہارا کلام اور کام سب ہمارا ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تجلی صفات الٰہی دیکھی اور بے ہوش گئے۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں کے قربان کہ تجلی ذات دیکھ کر بھی معراج میں تبسم ہی فرما رہے ہیں۔

موسیٰ زہوش رفت بہ یک پر تو صفات
تو عین ذات مے نگری در تبسمی

رب تعالیٰ نے صرف اسی آیت میں یہ نہ فرمایا' بلکہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ اے پیارے! جو تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ (سورہ فتح) ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارے نبی اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں' ان کا کلام وحی الٰہی ہوتی ہے۔ (سورہ نجم' پارہ ۲۷) دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی کام' کسی کلام یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی چیز کی توہین کرے وہ کافر ہے' کیونکہ یہ در پردہ

رب کی توہین ہے۔ اگر کوئی شخص صدہا سال تک عبادت کرتا رہے، متقی ہو، توہین کر دے تو اس کی تمام عبادات ضبط ہو گئیں اور وہ مرتد وہ کافر ہو گیا۔ (دیکھو شفاء شریف اور روالمختار وغیرہ) بلکہ دیکھو قرآن مجید "اَن تَحبَطَ عَمَالُکُم وَاَنتُم لَاتَشعُرُونَ "مولیٰ تعالیٰ اس بارگاہ کا ادب نصیب فرمائے آمین۔ "وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ واصحبہ اجمعین برحمتہ وھوا لرحم الرحمین"

آیت نمبر ۳۴۔ "یَاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا استَجِیبُوا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاکُم لِمَا یُحیِیکُم "(پارہ ۹ ،سورہ انفال رکوع، ۳) (اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو، جب رسول تم کو اس چیز کے لئے بلائیں جو تم کو زندگی بخشے۔)

یہ آیت کریمہ نعت پاک محبوب علیہ السلام کے پھولوں کا ایک گلدستہ ہے۔ اس میں بہت طریقوں سے حضور علیہ السلام کی نعت شریف ثابت ہے۔ اولا تو اس طرح کہ رب العالمین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بارگاہ میں رہنے کا ادب سکھایا، خود حضور علیہ السلام سے نہ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کو اپنا ادب سکھاؤ بلکہ خود رب نے سکھایا کہ اے مسلمانو! اس درگاہ میں رہنے کا ادب یہ ہے کہ اگر تم کو کسی وقت ہمارے محبوب پکاریں تو تم کسی حال میں بھی ہو، نماز میں ہو، کسی وظیفہ میں مشغول ہو یا گھر کے کسی کام میں ہو، جس حال میں ہو تمام کاروبار چھوڑ کر فورا بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں حاضر ہو جاؤ۔ بالکل دیر نہ لگاؤ۔ اب صحابہ کرام کا عمل دیکھنا چاہئے کہ انہوں نے کس طرح اس پر عمل کیا؟ ایک صحابی اپنی بیوی سے جماع کر رہے تھے کہ دروازے پر حضور علیہ السلام نے آواز دی اسی طرح بغیر انزال کے اپنی بیوی سے علیحدہ ہو کر فورا حاضر بارگاہ ہو گئے فرمایا "لعلنا اعجلنک" (شاید ہم نے تم کو جلدی ڈال دیا) عرض کیا کہ ہاں، فرمایا جاؤ غسل کر لو (دیکھو طحاوی باب الغسل) اس

سے یہ مسئلہ فقہاء ثابت کرتے ہیں کہ جو شخص عورت سے جماع کرے اور بغیر انزال علیحدہ ہو جائے اس پر غسل واجب ہے۔ حضرت حنظلہ غسیل ملائکہ کا نکاح ہوا پہلی رات تھی۔ بیوی کے پاس گئے ابھی غسل نہ کیا تھا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پہنچا کہ چلو جنگ کے لئے' بغیر غسل کئے ہوئے گئے اور وہاں شہید ہو گئے۔ جب تمام لاشوں سے ان کی لاش نکالی گئی تو ان کے جسم سے پانی ٹپک رہا تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کو فرشتوں نے غسل دیا ہے' اس لئے ان کو غسیل الملائکہ کہتے ہیں۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ حضور علیہ السلام نے آواز دی' جلدی سے نماز کو پورا فرما کر حاضر ہوئے۔ ارشاد فرمایا کہ حاضری میں دیر کیوں ہوئی؟ عرض کیا نماز میں تھا' فرمایا کہ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی۔ "اِستَجِیبوالِلّٰہِ وَلِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاکُم "جس سے معلوم ہوا کہ نمازی پر لازم ہے کہ نماز چھوڑ کر حضور علیہ السلام کے بلانے پر حاضر ہو جائے۔ جو خدمت فرمادیں اس کو پورا کرے' پھر بھی نماز ہی میں ہے۔ (دیکھو قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر سورہ حجر) اور یہ بات ہے بھی ٹھیک' کیونکہ اگر اس نمازی نے کلام کیا تو کس سے کیا؟ ان سے کیا جن کو نماز میں سلام کرنا واجب ہے۔ "اَلسَّلَامُ عَلَیکَ اَیُّھَاالنَّبِی" اگر کسی اور کو سلام کرتا تو نماز جاتی رہتی۔ اگر کعبہ سے سینہ پھرا تو کس طرف پھرا؟ ادھر جو کعبہ کے بھی کعبہ ہیں۔

اور پروانے ہیں ہوتے ہیں جو کعبہ پہ نثار
شمع اک تو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا

اگر چلا تو کدھر چلا؟ بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف جو عین عبادت ہے۔ پھر نماز کیوں جائے۔ اگر نماز میں کسی کا وضو جاتا رہے تو اس کو جائز ہے کہ پانی کیطرف جائے' چلے بھی کعبہ سے' سینہ بھی پھر جاوے' عمل کثیر بھی کرے مگر نماز ہی

میں رہتا ہے تو حضور علیہ السلام رحمت الٰہی کا دریا ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جانا نماز کو کیوں فاسد کرے؟

اگر "امنوا" کے معنی کئے جائیں' کہ اے میثاق کے دن ایمان لانے والو! تو اس امر میں کفار بھی داخل ہیں بلکہ ساری مخلوق پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واجب ہے۔

ارشاد ہوا' سورج لوٹا پایا جو اشارہ چاند چرا
بادل رم جھم رم جھم برسا جب حکم حبیب خدا پایا

سب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی (دیکھو مشکوۃ باب المعجزات) درخت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے پر آگئے' بیان عظمت کے لئے یہ آیت قرآن میں باقی رکھی گئی ورنہ اب ظاہری دعوت نہیں ہے یا بالواسطہ بلانا مراد ہے۔

مسئلہ:۔ چند صورتوں میں نماز توڑ دینا جائز ہے اگر نمازی نماز میں اپنا چار آنے کا نقصان ہوتا دیکھے تو نماز توڑ سکتا ہے' کسی مسلمان کی مصیبت دور کرنے کے لئے نماز توڑ سکتا ہے' نمازی نے دیکھا کہ نابینا کنوئیں میں گرا جا رہا ہے تو نمازی نماز توڑ کر اس کو ہٹا لے' اگر نفل نماز میں اس کو ماں پکارے اور ماں کو خبر نہ ہو کہ میرا بیٹا نماز پڑھ رہا ہے تو نمازی نماز توڑ کر اس کو جواب دے' کسی نے فرض نماز تنہا شروع کی تھی کہ جماعت کی تکبیر ہو گئی یہ نماز توڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے۔(روح البیان یہ ہی آیت اور شامی جلد اول باب ادراک الفریضہ) مگر ان تمام صورتوں میں نماز قضا کرنی ہو گی۔

لطیفہ:۔ رب تعالیٰ نے دو بلانے والوں کا ذکر فرمایا' اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا' اور یہ ظاہر ہے کہ بلاواسطہ اللہ تو کسی کو پکارتا نہیں اور نہ کسی کے کان میں اللہ کی آواز آئے تو لامحالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی پکاریں گے۔ ان کا پکارنا خدا کا پکارنا ہے' اسی لئے آگے فرمایا۔"اذا دعاکم "کم واحد صیغہ ہے۔

اس آیت میں فرمایا گیا "لما یحییکم"(نبی کریم علیہ السلام تم کو زندگی بخشنے

ہیں) جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام مردہ کو زندہ' زندہ کے دل کو' جان کو' خیالات کو زندہ فرمانے والے ہیں اور کیوں نہ ہو۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام گھوڑی پر سوار ہو کر غرق فرعون کے لئے گھوڑے کے آگے ہو گئے' اس گھوڑی کی ٹاپ جہاں پڑتی تھی اس جگہ گھاس اگ آتی تھی۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا سامری۔ اس نے یہ خاک اٹھالی اور غرق فرعون کے بعد یہ خاک سونے کا بچھڑا بنا کر اس کے منہ میں ڈال دی تو اس سونے کے بچھڑے میں جان پیدا ہو گئی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا جسم لگا گھوڑے سے' گھوڑے کا خاک سے اور پڑی بے جان بچھڑے کے منہ میں' وہ زندہ ہو گیا۔ اسی لئے ان کو روح الامین کہتے ہیں' کیوں کہ ان سے روح ملتی ہے' اور حضور علیہ السلام کی نظروں میں ہزار ہا جبریلی طاقتیں ہیں تو ان کے اشارے سے مردے بھی زندہ کیوں نہ ہوں؟ مثنوی شریف میں ہے۔

اے ہزاراں جبرائیل اندر بشر
بہر حق سوئے غریباں یک نظر

مدارج النبوہ میں بہت سے ایسے واقعات لکھے ہیں جن میں حضور علیہ السلام نے مردوں کو زندہ فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر حضور علیہ السلام کی دعوت تھی' انہوں نے بکری ذبح کی ان کے بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے کو ذبح کر دیا اور ذبح کر کے والد کے ڈر سے چھت پر بھاگ گیا۔ وہاں سے پاؤں پھسلا تو گر کر مر گیا۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی نے دونوں بچوں کی نعشوں کو چھپا دیا تاکہ دعوت میں حرج نہ ہو۔ جب کھانے پر سرکار نے تشریف رکھی تو فرمایا کہ جابر! اپنے بچوں کو بلاؤ ہم ان کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا واقعہ عرض کیا' تب حضور علیہ السلام نے ان کو زندہ فرمایا ور ساتھ کھانا کھلایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر ایک دعوت میں دسترخوان سے حضور علیہ السلام نے ہاتھ مبارک پونچھ لیا۔ اس کے بعد جب کبھی وہ دسترخوان میلا ہو جاتا تھا' تو اس کو

جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیتے تھے وہ اس میں نہ جلتا تھا بلکہ صاف ہو جاتا تھا۔ (مثنوی شریف) ایک جگہ دعوت میں حضور علیہ السلام تشریف لے گئے' بکری ذبح کی گئی' فرمایا کہ گوشت تو آپ لوگ کھالو ہڈی نہ توڑنا کھانا کھا کر ان ہڈیوں کو جمع فرما کر دعا کی وہ بکری دوبارہ زندہ ہو گئی (مدارج فصل المعجزات) غرض کہ جانوروں کو' انسانوں کو' پتھروں کو لکڑیوں کو جان بخشی' کنکریوں کو جاں بخش کر کلمہ پڑھوا لیا۔ لکڑی فراق میں روئی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف مردہ انسانوں کو زندہ کیا' مگر حضور علیہ السلام نے ان بے جان چیزوں میں جان بخشی یہ ہیں معنی اس آیت کے کہ "لما یحییکم"

**آیت نمبر ۳۵۔** "وَمَاكَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ" (پارہ ۹' سورہ انفل رکوع' ۴) (اور اللہ کا کام نہیں ان کو عذاب کرے جب تک کہ اے محبوب! صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تم ان میں ہو۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت ہے اور اس میں حضور علیہ السلام کے رحمت عالم ہونے کا ذکر ہے۔ اس کا نزول اس موقع پر ہوا کہ ایک بار کفار نے دعا کی کہ خداوند اگر یہ قرآن سچا ہے اور ہم اس پر ایمان نہیں لاتے تو تو ہم پر پتھر برسا دے آسمان سے یا ہم کو عذاب میں کر دے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ اے محبوب! یہ لوگ اپنی موت اپنے منہ سے مانگ رہے ہیں' لیکن چونکہ اے پیارے! تم ان میں ہو اور تم کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اور رحمت کاملہ اور عذاب میں اجتماع نہیں ہو سکتا اس لئے تمہاری موجودگی میں ان پر عذاب نہیں آئے گا۔ اس آیت میں چند فائدے حاصل ہوئے۔ ایک تو یہ کہ حضور علیہ السلام کی برکت سے عذاب الٰہی سے امن ہے۔ دوسرے یہ کہ قیامت تک انشاء اللہ مسلمانوں پر عام عذاب نہ آئے گا جیسا کہ پہلی امتوں پر آتا تھا کہ کسی پر پتھر برسے اور کسی کو زمین میں دھنسا دیا گیا' کسی قوم کو پانی میں ڈبو دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام قیامت تک مسلمانوں میں جلوہ گر ہیں۔ تیسرے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہونا فقط

مدینہ پاک میں نہیں ہے بلکہ جہاں مسلمان رہتے ہیں ان میں اسی جگہ حضور علیہ السلام بھی جلوہ گر ہیں۔ کیوں کہ عذاب وہاں نہ آئے گا جہاں کہ حضور علیہ السلام ہوں اور عذاب تو کہیں بھی نہ آئے گا۔ تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ موجود ہیں۔ چوتھے اس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر بلا لئے گئے اور حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں بلا گئے گئے مگر حضور علیہ السلام دنیا میں زمین پر ہی جلوہ افروز رہے۔ وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دنیا کا انتظام قائم ہے' زمین سے آپ کا چلا جانا زمین والوں کے لئے مصیبت ہو جاتا (روح البیان یہ ہی مقام) پانچویں اس طرح کہ دائرہ کی بقا مرکز سے ہے۔ چکی کا چلنا اور گھومنا کیل سے ہے۔ اسی طرح آسمان کی چکی کا گھومنا مرکز مدینہ پاک کی وجہ سے ہے اور جو دانہ چکی میں کیل سے لگ جاتا ہے وہ چکی سے نقصان نہیں اٹھاتا۔ اسی طرح جو انسان مرکز کا ہو گیا نقصان سے محفوظ رہا۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

آیت نمبر ۳۶ "وَلَوْاَنَّهُمْ رَضُوامَآاٰتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رَاغِبُوْنَ" (پارہ ۱۰' سورہ توبہ' رکوع ۷) (اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول نے ان کو دیا اور کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے' دے گا ہم کو اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول' ہم کو اللہ ہی کی طرف رغبت ہے۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت پاک ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام غنیمت کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص کا نام تھا ہر قوص ابن زہیر اس نے اٹھ کر عرض کیا کہ یا محمد! (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس تقسیم میں عدل و انصاف فرمائیے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں بھی انصاف نہ کروں تو پھر دنیا میں انصاف کرنے والا کون ہے؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت چاہی کہ مجھے اجازت ہو تو میں

اس بے دین کو قتل کر دوں؟ فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو' کیونکہ ارادہ الٰہی یہ ہو چکا ہے کہ اس کی نسل سے ایک قوم پیدا ہو گی' جس کی نمازیں اور ظاہری تقویٰ تمہاری نمازوں اور تقویٰ سے بڑھ کر ہو گا مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے۔ وہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن کریم ان کے گلے سے نہ اترے گا۔ اس پر یہ آیت کریمہ مع چند آیتوں کے اتری اور فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ اللہ اور رسول اللہ علیہ السلام کے دیئے پر راضی ہو جاتے اور آئندہ کے لئے کہتے کہ ہم کو اللہ اور رسول اپنے فضل سے اور دے گا تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ اس سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ اول تو یہ کہ حضور علیہ السلام کے کسی مبارک فعل پر اعتراض کرنا کفر ہے' اسی لئے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت قتل چاہی کیوں کہ مرتد واجب القتل ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام مالک و مختار ہیں کہ اگر کسی پر خاص حکم کو جاری فرما دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا حق ہے۔ تیسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو خدائے پاک نے علوم خمسہ کا علم غیب دیا ہے۔ کیونکہ نبوت کی دوربین سے ملاحظہ فرمایا کہ اس کی لولاد اس قسم کی ہو گی اور چونکہ ارادہ الٰہی ہو چکا ہے کہ اس سے ایسی اولاد پیدا ہو' لہٰذا اے عمر! تم اس کو قتل نہ کرو کہ یہ ارادہ الٰہی کے خلاف ہے۔ چوتھے یہ کہ حضور علیہ السلام خدا کی نعمتیں دیتے ہیں اس میں فرمایا گیا ہے"اتاھم اللّٰہ ورسولہ "(اللہ اور رسول نے ان کو دیا) تو اگر آج کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے عزت اور آبرو' ایمان' جان لور مال و دولت اللہ اور رسول نے دیئے تو شرک نہیں ہے۔ کیونکہ دینے والے سے مانگنا جائز ہے' حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔"اَللّٰہُ الْمُعطِی وَاَنَا قَاسِمٌ "(اللہ دینے والا ہے اور ہم بانٹنے والے۔)

حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی سے حضور علیہ السلام نے فرمایا "سل" (کچھ مانگ لو۔) عرض کیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری مانگتا ہوں۔ فرمایا اور کچھ مانگو' عرض کیا کہ یہ ہی کافی

ہے! (مشکوۃ باب السجود بروایت مسلم) اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری مرقات میں اور شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ کی نعمتیں حضور علیہ السلام کے قبضہ میں ہیں جس کو جس قدر چاہیں عطا فرما دیں۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

آیت نمبر ۳۷۔ "یَحلِفُونَ بِاللّٰہِ لَکُم لِیَرضُوکُم وَاللّٰہُ وَرَسُولُہٗ اَحَقُّ اَن یَّرضُوہُ اِن کَانُوا مُومِنِینَ" (پارہ ۱۰ سورہ توبہ رکوع ۸) (تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ تمہیں راضی کرلیں اور اللہ اور اس کے رسول کا حق زیادہ تھا کہ اس کو راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے۔)

اس آیت میں بھی صراحۃ حضور علیہ السلام کی نعت ظاہر ہو رہی ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ منافقین اپنی مجلسوں میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر طعن کیا کرتے تھے اور مسلمانوں کے پاس آکر انکار کر جاتے تھے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی بریت ظاہر کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا مسلمانوں کو راضی کرنے کے لئے قسمیں کھانے سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا تھا' اگر ایماندار تھے۔ تو ایسی حرکتیں کیوں کیں جو کہ خدا اور اس کے رسول علیہ السلام کی ناراضی کا سبب ہوں۔ اس آیت میں چند طرح سے حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ اولا ایک تو یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز حضور علیہ السلام کی ناراضی کا سبب ہے اس سے بھی اللہ ناراض ہے کیونکہ منافقین نے خدا کی شان میں بکواس نہیں کی تھی' حضور علیہ السلام کی گستاخی کی تھی۔ مگر رب بھی ناراض ہو گیا۔ دوسرے اس طرح کہ اگر غضب رب کی آگ بجھانا ہے تو حضور علیہ السلام کو راضی کیا جائے کیوں کہ منافقین سے یہی کہا جا رہا ہے کہ خدا اور رسول کو راضی کرو اور ظاہر ہے کہ یہ رب کے پاس تو نہیں جا سکتے۔ تو رب کے راضی کرنے کے لئے بارگاہ مصطفےٰ علیہ السلام میں ہی حاضری دیں گے۔ تیسرے اس طرح کہ کسی نیک کام میں رسول اللہ علیہ السلام کو راضی کرنے کی

نیت کرنا اور ان کو دکھانا نہ تو ریا ہے اور نہ شرک اگر کوئی نماز پڑھنے سے یہ خیال کرتا ہے کہ میں اللہ اور رسول علیہ السلام کو راضی کروں یعنی عبادت تو اللہ کی کرتا ہوں‘ مگر اس لئے کہ حضور علیہ السلام کا حکم ہے اور اس میں اللہ اور رسول کی رضا ہے تو بہت بہتر ہے۔ کیونکہ اس آیت میں دو ذاتوں کو راضی رکھنے کا حکم ہے اللہ اور رسول اللہ کو‘ علیہ السلام۔

روح البیان اور تفسیر خازن و مدارک میں "وَاٰتَینَا دَاوٗدَ زَبُورًا" کی تفسیر میں ایک حدیث نقل کی کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ آج رات ہم نے تمہاری قرات قرآن سنی تم کو تو پروردگار نے داؤدی آواز دی ہے‘ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے عرض کیا کہ یارسول! اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر مجھے خبر ہوتی کہ میری قرات قرآن صاحب قرآن سن رہے ہیں تو میں اور بھی عمدہ کر کے پڑھتا سبحان اللہ! نماز اور تلاوت قرآن اللہ کی عبادت ہے مگر ابوموسیٰ اشعری عین عبادت میں محبوب علیہ السلام کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔

مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ السلام کی نیابت میں نماز جماعت سے پڑھا رہے تھے‘ درمیان نماز میں حضور علیہ السلام تشریف لے آئے۔ اسی وقت حضرت صدیق تو مقتدی ہو گئے اور حضور علیہ السلام اس ہی نماز کے امام (بخاری و مسلم وغیرہ) یہ عین نماز میں حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے۔

ذکر خدا جو ان سے جاہو نجدیو
واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے

چوتھے اس طرح کہ حضور علیہ السلام کو راضی کرنا ایمان میں شامل ہے فرمایا گیا ہے کہ اگر یہ مومن ہیں‘ اور جب ان کا نام پاک اللہ کی ہر قولی عبادت میں داخل ہے تو ان کی رضا کیوں شامل نہ ہو گی‘ کلمہ میں‘ نماز میں خطبہ میں‘ اذان میں‘ دعا میں‘ غرضیکہ

حضور علیہ السلام کا نام موجود ہے۔ حضرت حسان فرماتے ہیں۔

صَنَّم الِا لَہُ اَسَمَ النَّبِیِ بِاِسمِہٖ
لِاذقَالَ فِی الَخَمسِ المُؤَذِّن اَشہَدُ

اللہ نے نبی علیہ السلام کے نام کو اپنے نام سے ملایا' کیونکہ موذن پانچوں اذانوں میں حضور علیہ السلام کا نام پاک ہی لیتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وعلی واصحابہ وبارک وسلم

آیت نمبر ۳۸۔ "اَلَم یَعلَمُوا اَنَّہٗ مَن یُّحادِدِاللّٰہَ وَرَسُولَہ فَاَنَّ لَہٗ نَارَ جَھَنَّم خَالِدا" فِیھَا ذَالِکَ الخِزیُ العَظِیمُ" (پارہ ۱۰' سورہ توبہ' رکوع ۸) (کیا ان کو خبر نہیں کو جو خلاف کرے اللہ اور رسول کا' تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔ ہمیشہ اس میں رہے گا' یہ بڑی رسوائی ہے۔)

یہ آیت حضور علیہ السلام کی عزت و عظمت کا خطبہ ارشاد فرما رہی ہے اور اس میں اللہ و رسول علیہ السلام کے مخالفوں کو سخت ڈرایا جا رہا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدائے قدوس اور محبوب علیہ السلام کو ناراض کرے کا ایک ہی حکم ہے۔ وہ کیا؟ کفر' رب کو ناراض کیا تو کافر' اور اگر محبوب کی مخالفت کی تو کافر' اگر باپ کو ایذا دے' ماں کو ستائے' تمام مخلوق کو ناراض کر دے تو اگرچہ گنہگار تو ہو گا مگر کافر نہ ہو گا لیکن اگر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخالف ہے تو کافر ہے۔

شیطان کو حکم سجدہ ملا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو' لیکن اس نے انکار کیا' خدا کی توحید اور خدا کے سجدے کا انکار نہ کیا تھا' بلکہ نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اٹھانے والے حضرت آدم کی عظمت کا انکار تھا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ تمام عمر کی عبادتیں بے کار ہو گئیں اور لعنت کا طوق گلے میں پڑ گیا۔ یہ مخالفت کا حکم تھا لیکن رسول علیہ السلام کو ناراض کرنے کا وبال خدائے پاک کی ناراضی سے زیادہ ہے۔ اس لئے کہ رب نے فرمایا کہ اے محبوب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر یہ لوگ کوئی بھی جرم کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ جائیں جاوک" اور آپ ان کی

سفارش کریں تو ہم ان سے راضی ہو جاویں گے۔

خدائے قدوس کو راضی کرنے کا ذریعہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری اور ان کی شفاعت ہے۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ محبوب علیہ السلام ناراض ہو جائیں تو ان کو کون راضی کرے گا؟ کیونکہ شفیع تو وہ ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے

خدا جس کو پکڑے چھڑا لیں محمد ﷺ

محمد ﷺ جو پکڑیں چھڑا کوئی نہیں سکتا

یعنی اگر خدا کی پکڑ میں کوئی آ جائے تو حضور علیہ السلام شفاعت سے خدائے پاک معاف کر دیتا ہے مگر حضور علیہ السلام کی پکڑ میں آگیا اب کون چھڑائے۔

درمختار باب المرتدین میں ہے کہ جو شخص شان الوہیت میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور واجب القتل ہے۔ مگر توبہ کر لے تو توبہ سے معافی ہو جائے گی۔ لیکن جو شخص بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور اگر بعد میں توبہ بھی کرے تو بھی قتل کیا جائے گا۔ کیوں کہ وہ اللہ حق تھا اور یہ حق نبی۔ اور توبہ سے حق تعالیٰ معاف ہوتا ہے نہ کہ حق عبد۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی احکام میں حضور علیہ السلام کی توہین کرنے والے کا سخت عذاب ہے۔

مدارج النبوہ میں ہے کہ ایک شخص غالباً عبداللہ ابن ابی سرح کاتب وحی تھا' بعد میں مرتد ہو گیا اور حضور علیہ السلام پر بہتان باندھا کہ وہ قرآن اپنی طرف سے بناتے ہیں' مجھے معلوم ہے کیونکہ میں خود قرآن کا لکھنے والا ہی تھا۔ جب وہ مرا اور دفن کی گیا تو زمین نے بھی اس کی لاش نکال کر باہر ڈال دی بار بار قبر کو گہرا کر کے دفن کیا' مگر زمین نے قبول نہ کیا ہر بار باہر نکال پھینکا۔

معلوم ہوا کہ بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نکلا ہوا کہیں بھی امن نہیں پاتا۔ "اَعُوذُبِاللّٰہِ مِن غَضَبِ الحَلِیمِ" بردبار کے غضب سے خدا بچائے آمین۔

آیت نمبر ۳۹۔ "خُذ مِن اَموَالِھِم صَدَقَةً تُطَھِّرُھُم وَتُزَکِّیھِم بِھَا

وَصَلِّ عَلَيهِم اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّهُم وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ" (پارہ ۱۱ سورہ توبہ، رکوع ۱۳) (اے محبوب ان کے مالوں سے صدقہ وصول فرماؤ جس سے تم ان کو ستھرا اور پاکیزہ کردو' اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو' بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔)

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی ایسی ایسی شانیں بیان فرما رہی ہے کہ سبحان اللہ! قربان جائیے' اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب غزوہ تبوک ہوا تو مدینہ منورہ کے مومنین کی ایک جماعت اس میں شامل نہ ہو سکی اپنے کاروبار میں مشغولیت کی وجہ سے۔ جب رسول اللہ علیہ السلام مع مجاہدین کے واپس تشریف لائے تو انہوں نے اپنے جسموں کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ دیا اور قسم کھالی کہ ہم کو حضور علیہ السلام اپنے مبارک ہاتھوں سے کھولیں گے۔ جب حضور علیہ السلام نے ملاحظہ فرمایا تو پوچھا یہ کون لوگ ہیں اور انہوں نے اپنے کو کیوں باندھا ہے؟ تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضور ان سے یہ قصور ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شرکت نہ کی' اب شرمندہ ہیں اور توبہ کرتے۔ فرمایا قسم رب کی! اس وقت تک ان کو نہ کھولوں گا جب تک کہ رب کا حکم نہ آئے کہ کھول دو۔ پھر ان کی توبہ قبول کی گئی اور یہ حضرات کھولے گئے۔

تب ان صاحبوں نے اپنا مال پیش کیا کہ چوں کہ اس مال میں مشغولیت کی وجہ سے ہم جہاد سے رک گئے' لہٰذا یہ مال بطور کفارہ حاضر ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس مال کے لینے کا حکم نہیں فرمایا گیا ہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری (خزائن العرفان) اور فرمایا گیا کہ اے محبوب! (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) آپ ان کا یہ مال وصول فرمالو' اور ان کے لئے دعا بھی فرماؤ' کیونکہ تمہاری یاد سے ان کے دلوں کو چین ہوتا ہے آخر تمہارے ہیں اگر تم ہی ناراض ہو جاؤ' تو کس کے ہو کر رہیں؟ اور ان کو پاک فرمادو۔

اس آیت سے چند طرح سے حضور علیہ السلام کی نعمت ثابت ہوئی۔ اولا تو اس طرح کہ لاکھ عمل کئے جائیں۔ مگر ان کی مقبولیت توجہ محبوب سے ہوتی ہے۔ صدقہ کرنا خدا کی عبادت ہے مگر قبول ہو گا بطفیل حضور علیہ السلام۔ دوسرے یہ کہ صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ گناہ کی معافی حضور علیہ السلام کے ذریعہ سے ہوتی ہے تب ہی تو مسجد نبوی میں آئے اور حضور علیہ السلام سے اپنے آپ کو کھلوانے کے خواہش مند ہوئے۔ تیسرے اس طرح کہ حضور علیہ السلام مسلمانوں کو ہر گندگی و گناہ وغیرہ سے پاک فرمانے والے ہیں اعمال صالحہ تو ذریعہ پاکی ہیں۔ یہاں فرمایا گیا کہ تم ان کو اس صدقہ کے ذریعہ سے پاک فرما دو۔ اگر لاکھوں عبادات کی جائیں اور بارگاہ رسالت (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) میں قبولیت نہ ہو تو سب بیکار ہیں اور کرنے والا ویسا ہی گندا ہے۔ چوتھے یہ کہ عبادت اللہ یہ جاری ہے کہ جب کوئی بھی رحمت بھیجنا ہوتی ہے تو رب تعالیٰ محبوب سے فرماتا ہے کہ پیارے تم یہ ہم سے ان کے لئے مانگو تب ہم بھیجیں۔ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ تم ان کے حق میں دعا کرو

تیری رضا حلیف قضا و قدر کی ہے

وہ اس پر بھی قادر تھا کہ بغیر دعائے محبوب نازل فرماتا مگر نہیں بلکہ فرماتا ہے کہ تم دعا کرو تو ہم رحمت کریں۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ ہر جمعہ اور دوشنبہ کو تمام نامہ اعمال ہماری بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں اور ہم سب کے گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا فرماتے ہیں اب بھی یہ اعمال کی پیشی کس لئے ہوتی ہے؟ اسی لئے کہ قبول کی شرط دعائے محبوب ہے۔ پانچویں اس طرح کہ صحابہ کرام کو حضور علیہ السلام کی دعا سے چین آتا تھا۔

ان کا مبارک نام بھی بے چین دل کا چین ہے
جو مریض لادوا اس کی دوا یہ ہی تو ہیں

انسان تو پھر بھی عقل رکھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے آپ

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کلام سے تو اونٹ' ہرن' اور سوکھی لکڑیاں چین پاتی ہیں۔ حنانہ ستون فراق میں رویا' اونٹ نے مالک کی شکایت کی' ہرنی شکاری کے جال میں پھنس گئی اس نے حضور علیہ السلام سے شکایت کی کہ میرے بچے بھوکے ہیں۔ اگر کچھ دیر کے لئے اجازت مل جائے تو بچوں کو دودھ پلا کر ابھی حاضر ہوتی ہوں۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف اور ہرنی کا واقعہ دیکھو شرح دلائل الخیرات حزب دوم یوم سہ شنبہ۔ غرضیکہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات پاک تمام مخلوق کے دل کا چین ہے۔ جس کو ان کے نام سے چین نہ آئے وہ اپنی فطرت سے گر گیا۔ جیسے کہ بخار والا میٹھی چیز کڑوی محسوس کرتا ہے۔

آیت نمبر ۴۰۔ " لَقَد جَآءَ كُم رَسُولٌ مِن اَنفُسِكُم عَزِيزٌ عَلَيهِ مَاعَنِتُّم حَرِيصٌ عَلَيكُم بِالمُؤمِنِينَ رَؤُفٌ رَّحِيمٌ " (پارہ ۱۱' سورہ توبہ' رکوع ۱۶) (بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے بہت چاہنے والے ہیں' مسلمانوں پر بہت کرم والے مہربان ہیں۔)

یہ آیت کریمہ کیا ہے' حضور علیہ السلام کی نعت گوئی کا گنجینہ ہے۔ اس میں حضور علیہ السلام کے میلاد پاک کا ارشاد ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر کرنا ہی تو میلاد ہے۔ تمام لوگ حضور علیہ السلام کا دنیا میں آنا جانتے تھے۔ پر جانی ہوئی چیز کو کیوں بیان فرمایا؟ اس لئے کہ ولادت کا ذکر ہوا' اور حضور علیہ السلام کی عزت کا اظہار اور پیغمبروں نے بھی اپنی اپنی امتوں کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آنے کی بشارت دی تھی۔ معلوم ہوا کہ میلاد پاک سنت الہیہ اور سنت انبیاء ہے۔

اس آیت میں حضور علیہ السلام کے چھ وصف بیان ہوئے' ۱۔ رسول ۲۔ تم میں سے ۳۔ ان پر تمہاری تکلیف بھاری پڑتی ہے' تم پر ۴۔ حریص ہیں' مسلمانوں پر ۵۔ رؤف' ۶۔ رحیم ہیں۔

رسول کی تشریف آوری ماننا اسی پر تو ایمان کا دارومدار ہے۔' بشریا اپنا مثل اور بھائی ماننے سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا۔ ابولہب نے بھتیجا ہونے کی وجہ سے ولادت کی خوشی منائی' اور ابو طالب نے بھی اسی رشتہ کی وجہ سے خدمت کی۔ اگر رسول ہونے کی وجہ سے یہ کام کرتے تو مسلمان اور صحابی ہوتے۔ اس لئے یہاں رسول فرمایا گیا۔

یہاں رسول فرمایا اور آیت معراج میں بِعَبدِہٖ فرمایا کیونکہ حضور رب کی بارگاہ میں شان بندگی سے حاضر ہوئے۔ ہمارے پاس پیغمبری کی شان سے تشریف لائے گئے' بندے ہو کر آئے' رسول نور برہان' نعمت اللہ ہو کر' موقع کے مطابق القاب بولے جاتے ہیں جو شخص انہیں بندہ کہہ کر پکارے وہ ایسا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو بیٹا کہہ کر پکارے' یا تو رسول اللہ کے معنی ہیں بڑا رسول یا وہ رسول یعنی میثاق والا پیغمبر "من انفسکم" میں دو قرائتیں ہیں ایک تو ف کا زبر اور دوسرے ف کا پیش۔ اگر زبر پڑھا جائے تو معنی ہوں گے تم میں سے نفیس ترین اور بہترین جماعت میں آئے۔ اور واقعہ ہے کہ تمام دنیا میں عرب افضل' عرب میں سے قریش بہتر' اور قریش میں بنی ہاشم بہتر' حضور علیہ السلام بنی ہاشم میں پیدا ہوئے اسی طرح تمام زبانوں میں عربی زبان بہتر کیونکہ عربی میں قرآن آیا اور بعد موت کے زبان عربی ہے۔ جنت والوں کی زبان عربی اور حضور علیہ السلام کی زبان بھی عربی ہے۔

نیز تمام دنیا کے شہروں میں مکہ معظمہ اعلیٰ شہر' وہی حضور علیہ السلام کا ولادت گاہ' اسی طرح تمام نسبوں میں حضور علیہ السلام کا نسب پاک نہایت پاک اور ستھرا از آدم تا حضرت عبداللہ کوئی زانی نہ گزرا۔ حضور علیہ السلام ہر زمانہ میں بہترین لوگوں کی پیشانیوں میں جلوہ گر رہے جیساکہ مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین کی پہلی حدیث میں ہے۔

اسی طرح حضور علیہ السلام کے سارے آباؤ اجداد میں از آدم تا حضرت عبداللہ کوئی بھی مشرک اور بت پرست نہ گزرا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آذر نہیں

بلکہ تارخ ہیں، اور قرآن میں ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد فرمایا۔ بمعنی چچا اسی طرح حدیث پاک میں جو آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا"اِنَّ اَبِی وَابَاکَ فِی النَّار "(یعنی تمہارا اور میرا باپ جہنم میں ہے۔) اس میں بھی ابی سے مراد چچا ابوطالب ہیں۔

مشکوۃ باب زیارت القبور میں ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی والدہ طاہرہ آمنہ خاتون کے مزار پاک پر گئے اور بہت روئے اور فرمایا کہ ہم نے والدہ کی قبر کی اجازت چاہی مل گئی مگر اجازت چاہی کے والدہ کے لئے دعائے مغفرت کریں اس سے منع کر دیا گیا۔

اس حدیث کی وجہ سے بعض لوگوں نے کہا کہ معاذ اللہ وہ مومنہ نہ تھیں مگر یہ قول صحیح نہیں، اس لئے کہ رونا تو والدہ کے فراق میں ہے اس سے ان کا کفر ثابت نہیں ہوتا، اور مغفرت کی دعا سے رب کا منع فرمانا وہ اس لئے ہے کہ دعائے مغفرت گنہگار کے لئے کی جاتی ہے اور وہ گنہگار نہیں ہیں اسی لئے بچہ کے جنازے کی نماز میں اس کو دعا نہیں کرتے۔ گنہگار تو وہ ہو جس کے پاس نبی کے احکام پہنچیں اور وہ ان کے خلاف کرے۔ حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ خاتون نے حضور علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ نہ پایا، اور پہلے پیغمبروں کے دین بدل چکے تھے، ان کی تعلیم غائب ہو چکی تھی۔ اب وہ کس پر عمل کرتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بے گناہ تھیں۔ اور دعا گنہگار کے لئے ہوتی ہے اگر معاذ اللہ وہ کافر ہوتیں تو حضور علیہ السلام کو ان کی قبر کی زیارت کی اجازت نہ ملتی۔ کیونکہ کفار کی قبروں کی زیارت کرنا بھی حرام ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔" لَاتَقُمْ عَلٰی قَبرِہٖ اِنَّھُمْ کَفَرُوابِاللّٰہِ وَرَسُولِہٖ "(اے محبوب! صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کفار و منافقین کی قبروں پر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کھڑے بھی نہ ہوں انہوں نے اللہ و رسول کا کفر کیا ہے۔

بہرحال یہ ماننا ہو گا کہ حضرت آمنہ و عبداللہ مومن تھے کافر نہ تھے۔

ایک تحقیق یہ رہ گئی کہ آخر وہ کس دین پر تھیں؟ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ان

کی زندگی میں اسلام دنیا میں نہ آیا تھا اور دوسرے انبیاء کے دین مٹ چکے تھے' ان کو اصحاب فترۃ کہتے ہیں' ان کے لئے صرف توحید کا عقیدہ یعنی بت پرستی نہ کرنا اور اللہ کو ایک ماننا کافی تھا۔

حضرت آمنہ خاتون اور حضرت عبداللہ بھی ان ہی میں سے تھے اور اسی پر ان کا انتقال ہوا پھر حجتہ الوداع میں حضور علیہ السلام نے ان دونوں صاحبوں کو زندہ فرما کر ان کو مشرف با سلام کیا۔ لہٰذا اب اس کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطی نے رسالے لکھے ہیں اور اعلیٰ حضرت مولانا مولوی احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ نے ایک کتاب لکھی شمول الاسلام لاباۂ الکرام

جس مچھلی کے شکم میں یونس علیہ السلام رہے' اس مچھلی کا شکم عرش سے افضل' کیونکہ اس میں ایک نبی کو معراج ہوئی۔ مثنوی میں ہے

شان من بالا و شان او نشیب
زانکہ قرب حق بروں ازصا حسیب

اسی طرح حضور علیہ السلام کے صحابہ تمام پیغمبروں کے صحابہ سے افضل ہیں' آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اہل بیت تمام پیغمبروں کے گھر والوں سے بڑھ کر' آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا زمانہ پاک تمام زمانوں سے افضل اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت پاک کا دن یعنی دوشنبہ بعض اماموں کے نزدیک تمام دنوں سے بہتر' آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیدائش پاک کا مہینہ ربیع الاول سال کے بہت سے مہینوں سے افضل' آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قبر انور کی وہ زمین جس سے جسم شریف ملا ہوا ہے' کعبہ معظمہ اور فرش و عرش و کرسی سے افضل۔ دیکھو شامی باب الحج۔

غرضیکہ جس چیز کو حضور علیہ السلام سے نسبت ہو گئی وہ افضل' فقہا نے ایک بحث کی ہے کہ تمام پانیوں سے کون سا پانی افضل ہے۔ بعض نے کہا ہے آب زمزم مگر بعض فرماتے ہیں کہ سب سے بہتر وہ پانی ہے جو ایک جنگ کے موقعہ پر حضور علیہ السلام نے

ایک پیالے میں ہاتھ رکھ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی انگلیوں سے پانی جاری ہو گیا' یہ پانی تمام پانیوں سے افضل ہے' کیونکہ زمزم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم سے پیدا ہوا اور یہ پانی سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے۔ اسی طرح جس کھانے میں حضرت جابر کے یہاں حضور علیہ السلام نے اپنا منہ کا لعاب ڈال دیا وہ کھانا تمام کھانوں سے افضل ہے۔ دوسری قرات میں ہے۔"انفسکم" یعنی ف کا پیش تو اس کے معنی ہوئے' تمہارے نفسوں میں سے ۔بمعنی تم میں سے نبی آئے یعنی یہ نبی فرشتوں یا جنات یا غیر عرب میں نہ آئے بلکہ انسانوں میں آئے جس سے قیامت تک نسل انسانی فخر کرے گی اور عرب میں تشریف لائے جس سے کہ عرب تمام میں ممتاز ہو گیا یا یہ مطلب کہ ان کا آنا تم میں ایسا ہے جیسا روح کا آنا قالب میں کہ ہر وقت جسم میں رہتی ہے مگر نگاہ سے غائب' اسی طرح اے مسلمانو وہ تمہارے دل میں رہتے ہیں' تمہارے خیال میں ہیں' مگر نگاہوں سے غائب ہیں۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظر یوں دل میں ہے جیسے جسم میں جاں
ہیں مجھ میں ولیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے

اب جو آگے فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری مشقت ان پر بھاری ہے یعنی تمہاری تکلیف سے ان کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اس کا مطلب بالکل ظاہر ہو گیا کہ جب وہ تم میں ایسے آئے جیسے کہ قالب میں جان تو جسم کے ہر عضو کی تکلیف سے روح کو تکلیف ہوتی ہے اسی طرح ہر مسلمان کی تکلیف سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام مسلمانوں کے ہر حال میں' ہر وقت خبردار ہیں ورنہ ہماری تکلیف سے ان کو بے چینی کس طرح ہو سکتی ہے؟

"جاء کم" سے معلوم ہوا کہ تمام جگہ حضور علیہ السلام تشریف لائے حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا اور یہاں یہ نہ فرمایا گیا کہ کہاں سے تشریف لائے۔ معلوم ہوا کہ وہاں سے آئے جہاں کہ کہاں بھی نہیں یعنی لامکان سے آئے' مکان میں آئے قرب حق

سے آئے اور قرب حق میں لاکھوں سال رہے۔

نکتہ:۔ رب خود چھپا رہا مگر محبوب کو بھیج دیا کیونکہ ظاہر پر مخالف و موافق کی نگاہ پڑتی ہے اور اغیار کو دکھانا منظور نہیں۔

معشوق عیاں بسے گزرد بر تو لیکن
اغیار ہمی بیند ازیں بستہ حجاب است

ذات مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عظمت الٰہی کے لئے ڈھال کی مثل ہے کہ کام تو رب کا کرتے ہیں مگر اس پر مصائب خود جھیلتے ہیں۔ رب نے پردہ سے یہ تو فرما دیا کہ جو میرے حبیب کو ایذا دے گا اس سے بدلہ لوں گا۔ مگر ظاہر نہ ہوا "حریص علیکم" کے معنی یہ ہیں کہ کوئی تو اپنی اولاد کے آرام کا حریص ہوتا ہے، کوئی اپنی عزت کا کوئی پیسہ کا کوئی کسی اور چیز کا، مگر محبوب علیہ السلام نہ اولاد کے نہ اپنے آرام کے تمہارے حریص ہیں، اسی لئے ولادت پاک کے موقع پر ہم کو یاد کیا، معراج میں ہماری فکر رکھی، بروقت وفات ہم کو یاد فرمایا، قبر میں جب رکھا گیا تو عبداللہ ابن عباس نے دیکھا کہ لب پاک ہل رہے ہیں۔ غور سے سنا تو شفاعت ہو رہی ہے۔ رات رات بھر جاگ کر امت کے لئے رو رو کر دعائیں کرتے ہیں کہ خدایا! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو عزیز اور حکیم ہے۔

قیامت میں سب کو اپنی اپنی جان کی فکر ہو گی مگر محبوب علیہ السلام کو جہاں کی، سب نبی نفسی نفسی فرمائیں اور محبوب علیہ السلام امتی امتی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

آیت نمبر ۱۴۱۔ "قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ" (پارہ ۱۱ سورہ یونس رکوع ۱۱) (تم فرماؤ کہ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آگیا)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت شریف ہے۔ اس لئے کہ اس میں

فرمایا ہے کہ تمہارے پاس حق آیا۔ حق سے مراد یا تو قرآن ہے یا دین اسلام اور یا خود حضور علیہ السلام کی ذات مبارک۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے اسماء میں سے ایک نام حق بھی ہے۔ دوسرے یہ کہ سب تو حق پر ہوتے ہیں اور حضور علیہ السلام خود سرلپا' حق ہیں۔ جس نے ان کو دیکھا حق کو دیکھا اور تو مومن ہیں مگر حضور علیہ السلام ایمان ہیں اور تو عارف ہیں مگر حضور علیہ السلام عرفان ہیں اور تو عالم ہیں مگر حضور علیہ السلام سراپا علم ہیں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی کے حالات جاننا علم ہے۔

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصور میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں۔

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصحَابِهٖ وَسَلَّمْ

آیت نمبر ۲۴۔ "اَلَا بِذِكرِ اللّٰهِ تَطمَئِنُّ القُلُوبُ" (پارہ ۱۳' سورہ رعد ۴)
(خبردار اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت ہے۔ اس میں مسلمانوں کو دل کی بے قراری اور بے چینی کا علاج بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے کہ ذکر اللہ سے دل چین پاتے ہیں۔ ذکر اللہ سے مراد یا تو اللہ کی ذات ہے یا ذکر اللہ سے مراد حضور علیہ السلام۔ ہیں کیوں کہ ذکر اللہ حضور علیہ السلام کا نام پاک بھی ہے۔ دیکھو دلائل الخیرات حزب اول۔ اگر پہلے معنی کئے جائیں تو معانی یہ ہوں گے کہ اللہ کی یاد سے دل کو چین آتا ہے اور اس لئے کہ اکثر اوقات دل کی بے چینی اور بے قراری گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں

ہرچہ آید بر تو از ظلمات و غم ایں زبے باکی و گستاخی ست ہم
ابر نہ آید از پے منع زکوۃ وز زنا افتد بلا اندر جہات

قرآن کریم فرماتا ہے۔ "وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَت اَيدِيكُم وَيَعفُوا عَن كَثِير" (جو تم کو مصیبت پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی

سے ہے اور رب تو بہت کو معاف فرما دیتا ہے) اور اللہ کی یاد گناہوں کے لئے ایسی ہے جیسا کہ پلیدی کے لئے دریا کا پانی کہ جہاں گندی چیز کو دھویا پاک ہو گئی اسی طرح گناہوں کا میل اور گندگی اللہ کی یاد سے دور ہوتی ہے گناہ معاف ہوئے اور غم دور ہوئے مولانا فرماتے ہیں

ذکر حق پاکی ست چوں پاکی رسید
رخت بر بندد بروں آید پلید

اسی لئے اسلام نے ہر مصیبت کے وقت اللہ کی یاد کا حکم دیا ہے' بارش نہ ہو تو نماز استسقاء پڑھو سورج یا چاند گرہن لگ جائے تو نماز کسوف و خسوف پڑھو' کوئی کام کرنا ہو تو نماز استخارہ پڑھو بلکہ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرو' بچہ پیدا ہو تو کان میں اذان کہو' بچپن میں اس کو نماز سکھاؤ' خود بھی سویرے اٹھتے ہی نماز پڑھو' رات کے وقت نماز پڑھ کر سوؤ' مرتے وقت میت کو کلمہ سکھاؤ' کفن پر کلمہ لکھو' قبر میں اتارو تو "بسم اللہ علی ملہ رسول اللہ" کہہ کر اتارو' غرض ہر حال میں رب کو یاد کرو۔

پھر اللہ کا ذکر ہر عضو کا علیحدہ ہے' آنکھ کا ذکر خوف الٰہی سے رونا ہے' قرآن کو کعبہ کو' ماں باپ' کو عالم دین کو دیکھنا ہے' کان کا ذکر اللہ کا نام و قرآن کریم سننا ہے۔' ہاتھ کا ذکر قرآن چھونا وغیرہ اور پاؤں کا ذکر مسجد یا مقامات متبرکہ کی طرف جانا ہے' اور ہر ذکر سے دل کو چین ہے مولانا فرماتے ہیں

گر تو خواہی زیستن با آبرو ذکر او کن ذکر او کن ذکر او
ہر گدا را ذکر او سلطان کند ذکر او بس زیور ایماں بود

(یعنی اگر تو دنیا میں آبرو کی زندگی بسر کرنا چاہے تو ہر دم اس کی یاد کر' رب کا ذکر فقیر کو بادشاہ کر دیتا ہے' رب کا ذکر ایمان کا زیور ہے۔)

مولی نام کی جپنا کرے سارے جگ کو اپنا کرے

دوسرے اس وجہ سے بھی دل کو چین آتا ہے کہ انسان کے پاس دو چیزیں ہیں جسم

اور روح۔ جسم تو اپنے دیس میں ہے۔ اور روح پردیسی ہے۔ کیونکہ وہ عالم ارواح کا پرندہ ہے جو اس جسم کے قید خانہ میں قید ہے اور ذکر الٰہی روح کے وطن کا خط ہے' جب پردیس میں دیس کا خط آئے تو اس کو دیکھ کر پردیسی کو چین آتا ہے۔ ایسے ہی دنیا میں رب کا ذکر روح اور دل کا قرار ہے' مومن کی عزت اللہ کے ذکر سے ہے' قرآن شریف کا جزدان اور کعبہ کا غلاف اس لئے حرمت والے ہیں کہ انہیں قرآن اور کعبہ سے وصل حاصل رہا۔ اسی طرح اگر مومن کا دل اور زبان ذکر الٰہی کا گہوارہ بن جائے تو یقیناً دنیا و آخرت' قبر و حشر میں اس کی عزت ہو' مولانا فرماتے ہیں

ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق
زیر پالش عرش و کرسی نہ طبق

اور اگر دوسرے معنی کئے جائیں تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ذکر اللہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بے چین دل کو چین ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کو ذکر اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھو کر رب یاد آتا ہے قرآن فرماتا ہے۔"انما انت مذکر" اے محبوب!(صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) آپ ہی اللہ کی یاد دلانے والے ہیں۔ ذکر اللہ یعنی اللہ کو یاد دلانے والے حضور علیہ السلام سے بے چین دل اس لئے چین پاتے ہیں کہ قاعدہ ہے۔"لِقَاءُ الخَلِیلِ شِفَاءُ العَلِیلِ "(یعنی دوست کی ملاقات بیمار کی شفا ہے۔) اور حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے محبوب ہیں۔ ضروری ہے کہ ان کا نام مسلمان کا چین ہو۔ مریض عشق کی دوا ذکر حبیب ہے۔ دوسرے اس لئے کہ حضور علیہ السلام تمام دنیا کی اصل ہیں۔ "اَنَا نُورٌ مِن نُورِ اللّٰہِ کُلّ الخَلقِ مِن نُورِی"(ہم اللہ کے نور سے ہیں اور تمام مخلوق ہمارے نور سے۔) بوستان میں سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

تو اصل وجود آمدی از نخست
دگر ہرچہ موجود شد فرع تست

اور قاعدہ ہے کہ ہر چیز کو اپنی اصل پر پہنچ کر قرار آتا ہے پردیس میں آدمی بے قرار رہتا ہے مگر وطن میں پہنچ کر قرار پاتا ہے دریاؤں کا پانی بہتا ہے کیونکہ یہ بے وطن ہے مگر سمندر کا پانی نہیں بہتا کیونکہ یہ اپنے وطن میں ہے حضور علیہ السلام کا ذکر اپنی اصل کا ذکر ہے' اس سے چین آنا ہی چاہئے یہ عمل مجرب ہے کہ کسی کو اختلاج قلب کا مرض ہو تو مریض اپنے دل کی جگہ پر یہ ہی آیت انگلی سے لکھ لے یا لکھوا لے اور یامحمدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بار بار تلاوت کرے انشاء اللہ آرام ہو گا۔

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں

انسان تو صاحب عقل ہے۔ حیوانات اور پتھروں اور لکڑیوں کو حضور علیہ السلام سے چین حاصل ہوتا ہے۔ جب لکڑی فراق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں روئی تو اس کو سینہ پاک سے لگایا تو اس کو چین آگیا۔

ایک بزرگ ایک بیمار کے لئے تعویذ لکھ رہے تھے کسی بے دین نے کہا کہ یہ تعویذ وغیرہ سب کھانے کمانے کی تدبیریں ہیں' ان تعویذوں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ انہوں نے اس معترض سے کہا! الو' گدھا' کتا اور تعویذ لکھنے میں مشغول ہو گئے۔ معترض صاحب تو یہ سن کر غصہ میں سرخ سفید ہو گئے اور لگے بکواس بکنے۔ بزرگ نے کہا جناب آپ کو غصہ کیوں آگیا؟ میں نے تو خدا کی مخلوقات میں سے تین جانوروں کا نام لیا ہے۔ معترض نے کہا کہ کیا کسی کے دل پر اس کا اثر نہ ہو گا اور کسی کو برا نہ معلوم ہو گا۔ فرمایا کہ ان ادنی چیزوں کے نام میں تاثیر ہے کہ آپ کا حال بدل گیا۔ رب تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نام میں تاثیر نہیں کہ اس سے بیمار کا حال بدل جائے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی یاد اسی شہنشاہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا بہانہ ہے' ان کی توجہ سے فقیروں کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر ذرہ دل بن جاتا ہے ہر چیز نظر بن جاتی ہے
جس سمت وہ نظریں اٹھتی ہیں کونین ادھر ہو جاتی ہے

مولانا حسن رضا خاں صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے

رحمت نہ کس طرح ہو گنہگار کی طرف
رحمن خود ہے میرے طرفدار کی طرف

صلی اللہ تعالیٰ حبیبہ وسلم وبارک وسلم

آیت نمبر ۴۳۔ "وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً(سورہ رعد رکوع ٦) (اور بے شک ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے اور ان کے لئے بیویاں اور بچے کئے۔)

یہ آیت بھی حضور علیہ السلام کی نعت شریف ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ کفار کہا کرتے تھے کہ اگر حضور علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں تو ان کے بال بچے اور گھر بار کیوں ہے نبی کو دنیا سے کیا تعلق' وہ اللہ والے ہوتے ہیں' ان کو اللہ ہی سے تعلق چاہئے۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس میں چند طرح حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ اولا تو اس طرح کہ حضور علیہ السلام پر تو اعتراض ہوا اور رب تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے' حضور علیہ السلام کو جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ دوسرے یہ کہ ان لوگوں نے دنیاوی تعلق کو نبی کے لئے عیب قرار دیا۔ مگر آیت نے فرمایا کہ یہ تو عین کمال ہے۔ بہت سے انبیاء کرام دنیا سے تعلق رکھتے تھے بلکہ دنیا سے تعلق رکھنا ہی بڑا کام ہے کہ

ادھر اللہ سے واصل ادھر دنیا میں ہیں شاغل
خواص اس برزخ کبرائے میں ہے حرف مشدد کا

اور جس جس شخص کو نبی علیہ السلام سے تعلق ہو گا وہ عزت و عظمت پا جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد کے پیدا ہوئے تو ان کی ذات نے صرف ماں کے رشتہ

داروں کو عظمت ملی اور حضور علیہ السلام کو تعلق والد اور والدہ سے ہے' تو حضور علیہ السلام کی ذات شریف سے دو گروہوں کو عظمت حاصل ہوئی۔ اسی طرح جس قدر ازواج سے نکاح فرمایا' ان ازواج کو اور ان کے اہل قرابت کو قیامت تک کے لئے عظمت مل گئی۔ آج سادات کرام کو دنیا بھر میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور قیامت تک ان کی یہ عزت رہے گی انشاء اللہ۔ اگر حضور علیہ السلام کے اولاد نہ ہوتی تو ایک خلق کو یہ عظمت کس طرح حاصل ہوتی؟ صلی اللہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

آیت نمبر ۴۴۔ "لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ" (پارہ ۱۴ سورہ حجر' رکوع ۱۵) اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری جان کی قسم بے شک یہ لوگ اپنے نشہ میں بہک رہے ہیں۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے' کیوں کہ اس میں محبوب کی جان کی قسم کھائی گئی ہے۔ رب تعالیٰ نے تمام قرآن مجید میں سوائے اپنے محبوب علیہ السلام کے کسی نبی کی قسم ارشاد نہیں فرمائی اور نبی علیہ السلام کی جان کی قسم' ان کے شہر مکہ کی قسم' (جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں رہیں) ان کے زمانہ کی قسم' غرضکہ ہر چیز کی قسم ارشاد فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ محبوب اور محبوب کی ہر چیز ہی پیاری ہے۔ اور عزت والی بھی کیوں کہ یا تو قسم کھائی جاتی ہے پیاری چیز کی' جیسے کہ انسان اپنی جان کی' اولاد کی' مال کی قسم کھاتا ہے اور یا عظمت والی چیز کی جیسے کہ خدا کی قسم یا اس کی صفات کی قسم۔

مسئلہ:۔ قسم دو طرح کی ہے۔ قسم شرعی جس پر شرعی احکام جاری ہوں جیسے کہ کفارہ وغیرہ یہ تو خدا کی ذات کی کھائی جا سکتی یا اس کی ان صفات کی جن کی قسم کھانے کا رواج ہو جیسے کہ رحیم کی قسم' رحمن کی قسم یا قرآن کی قسم۔ اور دوسری قسم عرفی کہ اس پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے' صرف اپنی بات کی پختگی کے لئے اس کو بولا جاتا ہے جیسے ماں' باپ' اولاد یا جان و مال وغیرہ کی قسم۔ قرآن میں جس چیز کی قسم کھائی گئی

ہے اس سے مقصد ہے اس چیز کی عزت و عظمت کا اظہار یا تو دنیاوی لحاظ سے یا دینی لحاظ سے جیسے کہ انجیر اور زیتون وغیرہ کی قسمیں قرآن نے کھائی ہیں کہ یہ چیزیں اپنے میں دنیاوی نفع بہت رکھتی ہیں' دنیا والے اور خاص کر اہل عرب ان کو بہت نافع جانتے ہیں۔ اور محبوب علیہ السلام اور ان کے شہر پاک وغیرہ کی قسمیں اس لئے کھائی گئیں کہ یہ چیزیں قیامت تک دینی عظمت والی ہیں۔

آیت نمبر ۴۵۔ "سُبحٰنَ الَّذِی اَسرٰی بِعَبدِہٖ لَیلًا مِّنَ المَسجِدِ الحَرَامِ اِلَی المَسجِدِ الاَقصَی الَّذِی بٰرَکنَا حَولَہٗ لِنُرِیَہٗ مِن اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیعُ البَصِیرُ "(پارہ ۱۵' سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱) (پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت دے رکھی ہے کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے)

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت ہے' اس میں اس عظمت کا ذکر ہے جو حضور علیہ السلام کے سوا کسی پیغمبر کو عطا نہیں ہوئی یعنی معراج۔

واقعہ معراج کے متعلق تین باتیں لحاظ میں رکھنی چاہیں۔ اولا یہ کہ معراج کیوں ہوئی؟ دوسرے یہ کہ معراج کب ہوئی؟ اور کس طرح ہوئی تیسرے یہ کہ اس آیت میں نکات کیا کیا ہیں؟

اول معراج میں اللہ تعالیٰ کی صدہا حکمتیں ہیں۔ بالکل ظاہر چار حکمتیں سمجھ آتی ہیں' ایک تو یہ کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ تمام معجزات اور درجات جو انبیاء کرام علیہ السلام کو علیحدہ علیحدہ عطا فرمائے گئے ہیں وہ تمام بلکہ ان سے بڑھ کر حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے' اس کی بہت سی مثالیں بتائی جا چکی ہیں۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو یہ درجہ ملا کہ وہ کوہ طور پر جا کر رب سے کلام کرتے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام چوتھے آسمان پر بلائے گئے اور حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں بلائے گئے تو حضور

علیہ السلام کو معراج دی گئی جس میں اللہ سے کلام بھی ہوا' آسمان کی سیر بھی ہوئی' جنت و دوزخ کا معائنہ بھی ہوا۔ غرض کہ وہ سارے مراتب ایک معراج میں طے کرا دیئے گئے۔

بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

اور پھر بڑا فرق ہے کوہ طور اور عرش رسول علیہ السلام میں کہ حضرت کلیم اللہ جاتے ہیں اور محبوب علیہ السلام بلائے جاتے ہیں۔

فرق است میان آنکہ یارش دربر
با آنکہ دو چشم انتظارش بردر
طور اور معراج کے قصہ سے ہوتا ہے عیاں
اپنا جانا اور ہے ان کا بلانا اور ہے

دوسری حکمت یہ ہے کہ تمام پیغمبروں نے اللہ کی اور جنت و دوزخ کی گواہیاں دیں اور اپنی اپنی امتوں سے پڑھوایا کہ "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" مگر ان حضرات میں سے کسی کی گواہی دیکھی ہوئی نہ تھی سنی ہوئی تھی اور گواہی کی انتہا دیکھنے پر ہوتی ہے۔ تو ضرورت تھی کہ اس جماعت پاک انبیاء میں کوئی ہستی وہ بھی ہو کہ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر گواہی دے' اس کی گواہی پر شہادت کی تکمیل ہو جائے' یہ شہادت کی تکمیل حضور علیہ السلام کی ذات پر ہوئی۔ اسی کی طرف اشارہ ہے "انا ارسلنک شاھدا" گواہی سب پیغمبروں نے دی تھی مگر وہ اسناد تھی اور حضور علیہ السلام کی ذات پر ہوئی۔ اسی لئے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں کہ سنی شہادتوں کی انتہاء عینی شہادت پر ہو جاتی ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پہلے سے ہی ہو جاتی تو دیگر انبیاء نبوت سے سرفراز نہ کئے جاتے نیز حضور علیہ السلام کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں کہ عینی گواہی کے بعد سنی ہوئی گواہی کیسی؟ تیسری حکمت یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا "اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ

بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ" (یعنی اللہ نے مسلمانوں کی جان و مال خرید لئے جنت کے بدلے میں) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے جان و مال کا خریدار' مسلمان فروخت کرنے والے' اور یہ سودا ہوا حضور علیہ السلام کی معرفت سے' اور جس کی معرفت سے سودا ہوا وہ مال کو بھی دیکھے اور قیمت کو بھی۔ فرمایا گیا اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم نے مسلمانوں کی جان و مال کو تو دیکھا آؤ جنت کو بھی دیکھ جاؤ اور اپنے غلاموں کی عمارتیں اور باغات وغیرہ بھی ملاحظہ کر لو بلکہ خریدار کو بھی دیکھ لو یعنی خود پروردگار عالم کی ذات کو بھی۔ اور امام کی قرات مقتدی کی قرات ہے' امام کا دیکھنا سب کا دیکھنا ہے۔ چوتھی حکمت یہ تھی کہ حضور علیہ السلام تمام مملکت الٰہیہ کے بہ عطائے الٰہی مالک ہیں۔ اسی لئے جنت کے پتے پتے پر' حوروں کی آنکھوں میں غرضیکہ ہر جگہ لکھا ہوا ہے۔ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" یعنی یہ کہ یہ چیزیں اللہ کی بنائی ہوئی ہیں اور محمد رسول اللہ کو دی ہوئیں۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

مرضی الٰہی یہ تھی کہ مالک کو اس کی ملکیت دکھا دی جائے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۲) معراج کب ہوئی اور کس طرح ہوئی؟ نبوت کے گیارہ برس پانچ ماہ کے بعد ۲۷ رجب کی آخری شب سوموار کی رات کو حضرت ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر سے ہوئی' خود حضور علیہ السلام کے دولت خانہ سے نہ ہوئی تاکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بغیر اجازت وہاں حاضر ہو سکیں۔ اگر حضور علیہ السلام کے دولت خانہ سے ہوتی تو جبرائیل یا تو دروازے سے پکار کر جاتے اور اجازت لے کر اندر حاضر ہوتے یا بلا اجازت اندر ہی آ جاتے اور یہ دونوں فعل ناجائز تھے۔ رب فرماتا ہے "اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ" الآیہ نیز فرماتا ہے "لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ" (نہ تو

حضور علیہ السلام کو باہر سے پکار لینا جائز اور نہ بلا اجازت گھر میں جانا) خیال رہے کہ ملائکہ بھی مومن ہیں' حضور علیہ السلام سب کے نبی ہیں۔ نبوت کی مدت کل ۲۳ سال ہے جس کے آدھے یعنی ساڑھے گیارہ برس کے بعد بالکل درمیان میں ہوئی۔ اسی طرح ماہ رجب جو کہ سال نبوت کا درمیانی مہینہ ہے اور دوشنبہ کا دن اس معراج کے لئے منتخب کیا گیا یہ دن بھی درمیانی ہے اور امت بھی درمیانی "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا" تو معراج بھی درمیانی ہی تاریخ و ماہ میں ہوئی۔

نکتہ:۔ حضور علیہ السلام کی پیدائش پاک' ہجرت' مدینہ منورہ میں داخلہ' پہلی وحی' معراج اور وفات سب ہی دوشنبہ کو ہوئے۔ کیوں کہ اس دن کا نام ہے یوم الاثنین یعنی دوسرے درجہ والا دن اور حضور علیہ السلام بھی۔

ع بعد از بزرگ توئی قصہ مختصر

تو دوسرے مرتبہ والا دوسرے دن میں ہر نعمت سے سرفراز فرمایا گیا (روح البیان یہ ہی آیت) اسی لئے اس دن کو فارسی میں کہتے ہیں دوشنبہ' اردو میں کہتے ہیں پیر یعنی دوسرے دنوں کا یہ پیر ہے۔

معراج میں کیا ہوا؟ اس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ جو کہ بخاری و مسلم و دیگر کتب احادیث میں بیان ہوا کہ رجب کی ستائیسویں شب ہے رات کا آخری حصہ ہے۔ محبوب خدا علیہ الصلوۃ والسلام اپنی ہمشیرہ امہانی بنت ابی طالب کے دولت خانہ میں آرام فرما رہے ہیں کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام براق اور برات لے کر حاضر ہوئے' پیغام الٰہی لائے' محبوب کو بیدار کیا' رب کا پیغام پہنچایا' سینہ پاک کو چاک فرما کر آب زمزم سے قلب مبارک دھویا اور اس سینہ فیض گنجینہ کو حکمت و نور سے بھر دیا۔ پھر کوثر کے پانی سے غسل کرایا اور محبوب کو دولہا بنایا' حلہ بہشتی پہنایا' براق حاضر کیا۔ براق کو براق اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی رفتار مثل برق (بجلی) کے ہے اور یا اس لئے کہ بالکل سفید ہے۔ (روح البیان) اس کا جسم گدھے سے بڑا' اور گھوڑے سے کسی

قدر چھوٹا' جہاں تک کہ اس کی نگاہ کام کرلے وہاں تک کو ایک قدم میں طے کرے۔

تھا براقِ نبی یا کہ نور نظر
یہ گیا وہ گیا اور نہاں ہو گیا

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کی لگام پکڑی' حضرت اسرافیل علیہ السلام پیچھے کھڑے ہوئے' ملائکہ نے چار طرف سے براق کو گھیر لیا۔ اس شان سے فرشتوں کے جھرمٹ میں دولہا کی سواری مکہ معظمہ سے روانہ ہوئی' آن کی آن میں بیت المقدس سامنے آیا وہاں تمام انبیاء علیہ السلام ورسل و ملائکہ کو موجود پایا کہ استقبال کے لئے حاضر ہیں اور نماز کی تیاری ہیں امام الانبیاء کا انتظار ہے' دولہا کا پہنچنا تھا کہ سب نے سلامی مجرا ادا کیا' تمام انبیاء علیہ السلام وملائکہ مقتدی بن کر پیچھے صف بستہ کھڑے ہو گئے اور حضور علیہ السلام نے امامت فرمائی' سبحان اللہ! کیا نماز ہے کہ انبیاء مقتدی امام الانبیاء امام۔ پہلا قبلہ جائے نماز' ملائکہ مقربین' موذن حضرت جبرائیل نے اذان و تکبیر دی (شامی باب الاذان)

نماز اسریٰ میں تھا یہ ہی سر عیاں ہوں معنیٰ اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

آج اول و آخر کے معنیٰ کھلے کے خاتم النبیین (آخری رسول) پہلے سلطانوں کی امامت فرما رہے ہیں۔ اس نماز سے فارغ ہونا تھا کہ سفر آسمان تیار تھا' وہی براق اور وہی اس کی رفتار' وہی برات اور وہی دولہا آن کی آن میں پہلے آسمان پر پہنچے' حضرت آدم علیہ السلام نے استقبال کیا' اپنے فرزند کی بلائیں لیں' مدتوں بعد تمنا بر آئی' مرحبا کہا' پھر یکے بعد دیگرے آسمان آتے گئے گزرتے گئے۔ ہر آسمان پر مختلف انبیاء علیہ السلام سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ دوسرے آسمان پر یحییٰ و حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ تیسرے پر حضرت یوسف علیہ السلام۔ چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام۔ پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام۔ چھٹے پر موسیٰ علیہ السلام ۔ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام زیارت سرکار

سے مشرف ہوئے۔ یہاں سے گزرنا تھا کہ سدرہ سامنے آیا' یہ سدمہ حضرت جبرائیل کے لئے سدرہ بن گیا۔

بغور صد اسماء بندھا یہ سدرہ اٹھا وہ عرش جھکا
صفوف سما نے سجدہ کیا ہوئی جو اذاں تمہارے لئے

یہ سدرہ ایک بیر کا درخت ہے' جس کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر اور اس کے پھل مٹکے کی طرح ہیں۔ یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی قیام گاہ ہے کہ اس کے آگے ان کی پہنچ نہیں۔ سدرہ پہنچ پر حضرت جبرائیل نے آگے جانے سے معذرت کی' فرمایا کہ جبرائیل! یہ طریقہ تو نہیں ہے کہ ساتھ چھوڑ دو' جبرائیل نے عرض کیا۔

اگر یک سو موئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

آگے بڑھنا ہی حضور کی شان ہے' اب میں اگر بال برابر بھی آگے جاؤں تجلیات کی تاب نہ لا سکوں' آگے پروردگار جانے یا وہ جانے والے محبوب کہ کہاں گئے' وہاں گئے کہ جہاں' کہاں ہی ختم ہو چکا تھا' کب اور کہاں تو مکان اور زمان کے لئے ہے' جہاں سرکار رونق افروز ہیں وہاں نہ زمانہ ہے نہ مکان کوئی بتائے تو کیا بتائے؟ رب نے کیا دیا' محبوب نے کیا لیا' رب نے کیا فرمایا محبوب نے کیا سنا' یا رب و محبوب میں کیا راز و نیاز ہوئے' یہ تو دینے والا اور لینے والا ہی جانتے ہیں۔ قرآن نے بھی یہ بھید نہ کھولا بلکہ یوں فرمایا کہ "فاوحی الی عبدہ ما اوحی"(اس نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کی وہ کی) موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے طور پر جو کچھ خلوت میں فرمایا' وہ تمام قرآن کریم کے ذریعہ دنیا میں شائع کر دیا گیا' دیکھو سورہ طٰہٰ مگر جو اسرار محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر معراج میں ظاہر کئے وہ صیغہ راز ہی میں رکھے گئے کہ "فَاَوحٰی اِلٰی عَبدِہٖ مَآ اَوحٰی"(اس نے اپنے بندے کو جو وحی کی وہ کی) کسی کو کیوں بتائے' ہاں اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہاں سے امت کے لئے تحفہ پچاس وقت کی نمازوں کا دن رات میں عطا ہوا' واپسی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ!

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ نمازیں تو بہت ہیں' کم کرائی جائیں اب بارگاہ رب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین سرکار کی بار بار حاضری ہوتی رہی' اور پانچ پانچ نمازیں کم ہوتی رہیں یہاں تک کہ پانچ رہ گئیں۔

یہ پانچ نمازیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر رہیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ تمنا تھی کہ طور پر جمال الٰہی دیکھنا چاہا تھا روک دیا گیا۔ آج مجھے موقع ملا ہے کہ محبوب بار بار جمال کبریا کا مشاہدہ کریں اور میں ان آنکھوں سے رخ مصطفےٰ علیہ السلام کے آئینہ میں جمال الٰہی کی خوب دل بھر کر زیارت کروں۔

تو بدیں جمال و خوبی سر عرش گر خرامی
ارنی بگو یہ آں کس کہ بگفت لن ترانی
جن آنکھوں نے دلبر دیکھا وہ آنکھیں تک لیاں
توں ملیوں تو ساجن ملیا ہن آساں لگ پیاں

اس سفر معراج میں جنت کی سیر بھی فرمائی' اپنے غلاموں کے باغات اور عمارتوں کا معائنہ فرمایا اور جہنم کا معائنہ فرمایا' گنہگاروں کے عذاب اور اپنے دشمنوں کے عقاب کو دیکھا۔ چنانچہ ایک جماعت کو ملاحظہ فرمایا کہ دوزخ میں گرم پتھر کھا رہی ہے' حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ وہ مالدار ہیں جو کہ اپنے مالوں کی زکوۃ نہیں نکالتے۔ ایک شخص کو ملاحظہ فرمایا کہ خون کے دریا میں کھڑا پتھر کھا رہا ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ سود خور ہیں۔ ایک قوم کو ملاحظہ فرمایا' جن کی زبان اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں' حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ عالم بے عمل ہیں اور ایک قوم کو دیکھا جن کے ناخن تانبے کے ہیں' وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ان سے زخمی کر رہے ہیں' حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ مسلمانوں کی غیبت کرنے والے ہیں' غرضیکہ ہر قوم کا حال ملاحظہ فرمایا (روح البیان) مگر یہ ملاحظہ مثل کا تھا کہ انبیائے کرام کی آنکھیں گزشتہ اور آئندہ باتوں

کو مثل حال موجودہ کے مشاہدہ فرماتی ہیں۔ ورنہ یہ سب واقعات تو بعد قیامت نمودار ہوں گے' بغیر تشبیہہ اس طرح سمجھو کہ ہم کبھی خواب میں آئندہ کے واقعات بطور مثل دیکھ لیتے ہیں مگر ہماری خوابیں یقینی نہیں ہوتیں' ان حضرات کا مشاہدہ یقینی ہے۔ اسی طرح بعد موت قیامت سے پہلے میت کی روح جنت یا دوزخ کی سیر کرتی ہے۔ ارواح شہداء جنت میں جاتی ہیں' مگر یہ جانا صرف روحانی ہوتا ہے نہ کہ جسمانی اور بعد قیامت جانا جسمی ہو گا۔ برزخ کے مقابلہ میں دنیا مثل خواب ہے اور آخرت کے مقابلہ میں برزخ مثل خواب (تفسیر روح البیان) زیر آیت "وَلَاتَقُولُوا لِمَن یُّقتَلُ" (الایہ پارہ ۲)۔

اس تمام سیروسیاحت سے جب واپس تشریف لائے تو ابھی بستر گرم تھا اور مبارک دروازے کی زنجیر حرکت کر رہی تھی یعنی تقریبا ۸۰ ہزار سال کا سفر ایک آن میں طے فرمایا' صبح کو جب اس واقعہ کی خبر دی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلا تامل تصدیق فرما کر صدیق بنے۔ اور ابو جہل نے اس کی تردید کر کے زندیقی کا طوق گلے میں ڈالا۔

یہ تو مختصر واقعات معراج کا بیان ہوا۔ اب اس آیت میں کیا نکات ہیں۔ اولا تو اس کو سُبحٰنَ الَّذِی سے شروع فرمایا گیا' جو کہ تعجب کے موقع پر بولا جاتا ہے' چونکہ واقعہ معراج بہت ہی حیرت انگیز واقعہ ہے' اور انسانی عقل سے بالاتر ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ "سبحن الذی" یعنی یہ اس کے ارادے سے ہوا جو عجز سے پاک ہے' ہر طرح قادر ہے' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کا اوپر کی طرف جانا' کرہ آگ و زمہریر سے سلامت گزر جانا' آسمانوں میں داخل ہو جانا' جنت و دوزخ کی سیر فرمانا پھر اس قدر جلد واپس آ جانا اگرچہ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے مگر رب کے نزدیک کچھ مشکل نہیں ہمارا نور نظر آن کی آن میں آسمانوں کی سیاحت کر کے فورا واپس ہوتا ہے اور آگ و زمہریر اس کو نقصان نہیں پہنچاتے' یہ تو لونی سے نور کا حال ہے۔ حضرت سید عالم صلی

اللہ علیہ و آلہ وسلم تو سراپا نور ہیں۔ ان کے کمالات تو اس سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ حضور علیہ السلام کو اس جگہ عبد فرمایا نہ رسول یا نبی وغیرہ۔ کیوں کہ آج تو مخلوق سے خالق کی طرف جا رہے ہیں آج شان رسالت کے اظہار کا وقت نہیں ہے اظہار عبدیت کا وقت ہے' عبد فنا فی المولی ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام فنا فی اللہ کے درجہ پر فائز ہیں۔

عبد دیگر عبدہ' چیزے دگر
او سراپا انتظار و منتظر

عبدہ جو رب کا انتظار کرے' جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام وادی سینا میں' عبدہ وہ جس کا رب انتظار فرمائے' عبد وہ جس کی عزت رب کی نسبت سے ہو اور عبدہ' وہ اعلیٰ غلام کہ اس کی عبدیت سے مولیٰ کی عظمت ظاہر ہو' رب فرماتا ہے "هُوَالَّذِی اَرسَلَ رَسُولَه"

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا

عبدہ دہر است دہر از عبدہ ماہمہ رنگیم واد بے رنگ و بو
عبدہ' چند و چگون کائنات عبدہ راز درون کائنات
کس زسر عبدہ آگاہ نیست عبدہ جز سر الا اللہ نیست
عبدہ صورت گر تقدیر ہا است تانہ بنی از مقام مارمیت

(یعنی عبدہ وہ ہے جو سارے عباد کی اصل ہے' عبدہ جس کا رنگ سارے عباد میں ہو اور خود بے رنگ ہو۔ عبدہ سارے عباد کا راز دروں ہے۔ عبدہ کے مقام تک اب تک کوئی نہ پہنچا' عبدہ نے سارے عباد کی تقدیریں وابستہ ہیں۔ میں ان چند شعروں میں عبد کے معانی بیان نہ کر سکا۔ اگر تو عبدہ کا مرتبہ پہنچاننا چاہے تو یہ آیت پڑھ "اِذرَمَیتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى"

فرمایا گیا لیلاً یعنی رات کے تھوڑے حصے میں معراج ہوئی نہ کہ دن میں، وہ بھی رجب کی ۲۷ تاریخ کا پچھلا حصہ جبکہ چاند بھی غائب اور سب نیند میں مشغول کیونکہ آج حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حجاب جلوہ گر ہے کس آنکھ میں طاقت ہے کہ اس کو نظر بھر کر دیکھ لے۔ ملائکہ مقربین بھی کچھ ساتھ دے کر آگے پیچھے رخصت ہو رہے ہیں، آج حضور علیہ السلام کی مثال آفتاب کی سی ہے کہ جوں جوں چڑھتا ہے نور بڑھتا ہے۔

معراج کی شب ہمراہ ہیں سب، سدرہ آیا کوئی نہ رہا
سدرہ سے بڑھے جبرائیل رہے تنہا ہیں جو عرش خدا پایا
جبرائیل کی آنکھوں سے پوچھو اے چشم حقیقت ہیں کہہ تو
انہیں فرش پہ تو نے کیا دیکھا سدرہ سے بڑھے تو کیا پایا

"اِلَی المَسجِدِ الاَقصٰی" دور کی مسجد تک معراج کرائی۔ اللہ جانے دور کی مسجد کون سی ہے آیا مسجد بیت المقدس یا کہ بیت المعمور مسجد ملائکہ؟

"اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیعُ البَصِیرُ" کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ رب سننے دیکھنے والا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ محبوب علیہ السلام سمیع و بصیر ہیں۔ (مدارج، و روح البیان یہ ہی آیت) یعنی حضور علیہ السلام کو اسی لئے معراج کرائی گئی کہ اس عالم کو دیکھنے اور بلاواسطہ ہم کو دیکھنے اور ہمارا کلام سننے پر قدرت رکھنے والے محبوب علیہ السلام ہی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

آیت نمبر ۴۲۔ "وَمِنَ الَّیلِ فَتَھَجَّد بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ عَسٰی اَن یَّبعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحمُودًا" (پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، رکوع ۹) (اور رات کے کچھ حصے میں تہجد کرو، یہ خاص تمہارے لئے زیادہ ہے، قریب ہے کہ تم کو تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت شریف ہے۔ اس میں حضور

علیہ السلام کی دو خصوصیات بیان فرمائی گئیں' ایک تو دنیا میں دوسری آخرت میں۔
خصوصیت دنیاوی تو نماز تہجد ہے اور خصوصیت اخروی مقام محمود پر حضور علیہ السلام کی جلوہ گری نماز تہجد کا فرض ہونا حضور علیہ السلام ہی کی خصوصیت ہے۔نہ تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پہلے کسی نبی علیہ السلام کو یہ نماز عطا ہوئی اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امتی کو ملی بلکہ امت کے لئے سنت موکدہ علی الکفایہ ہے کہ اگر ایک شہر میں ایک آدمی نے بھی پڑھ لی تو سب بری الذمہ ہو گئے اور اگر کسی نے نہ پڑھی' تو سب تارک سنت ہوئے۔
نماز تہجد کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ ۱۲ رکعتیں ہیں۔ نماز عشاء پڑھ کر سونے کے بعد جب بھی رات میں آنکھ کھلے' تب ہی تہجد کا وقت ہے اور صبح صادق ہوتے ہی اس کا وقت گیا۔ یہ نماز بڑی مبارک ہے۔ بہتر ہے کہ رات کے آخری چھٹے حصے میں پڑھے۔ اولا تو اور امتوں کو نماز پنجگانہ ہی نہیں ملی بلکہ اس امت کی خصوصیت ہے۔ ہاں یہ نمازیں علیحدہ علیحدہ انبیائے کرام نے ادا کیں' نماز فجر حضرت آدم علیہ السلام نے صبح ہونے کے شکریہ میں کیوں کہ انہوں نے جنت میں رات نہ دیکھی تھی۔(شامی جلد اول کتاب الصلوۃ) نماز ظہر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پڑھی اپنے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام کی جان محفوظ رہنے اور دنبہ قربانی کے آنے کے شکریہ میں۔ اور نماز عصر حضرت عزیر علیہ السلام نے پڑھی جبکہ سو برس کے بعد زندہ فرمائے گئے۔ اور نماز مغرب حضرت داؤد علیہ السلام نے ادا کی تو توبہ قبول ہونے کے شکریہ میں کیوں کہ ان کی توبہ بوقت مغرب قبول ہوئی تھی' چار رکعت کی نیت کی تھی مگر درمیان میں تین ہی پر سلام پھیرا۔ اور نماز عشاء حضور علیہ السلام نے ادا فرمائی (طحاوی شریف باب الصلوہ الوسطی ای صلوۃ) تو نماز عشاء حضور علیہ السلام کی امت کی خصوصیت اور نماز پنجگانہ بھی اور نماز تہجد کی فرضیت حضور علیہ السلام کا خاصہ مبارک۔
قیامت میں حضور علیہ السلام کا مقام محمود پر تشریف فرما ہونا حضور علیہ السلام کی

اخروی خصوصیت ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جس جگہ جلوہ گر ہو کر حضور علیہ السلام سب کی شفاعت کبریٰ فرمائیں گے' تمام اولین و آخرین تلاش شفیع میں مارے مارے پھریں گے' ہر دروازہ پر یہ ہی آوازیں سنیں گے کہ "اذھبا الی غیری" آخر کار حضور علیہ السلام کو اس جگہ پائیں گے اور حضور علیہ السلام کی اس عزت و عظمت کو دیکھ کر سب دشمن دوست آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعریف کریں گے۔ اسی لئے اس کو مقام محمود کہتے ہیں۔ یعنی حمد کیا ہوا مقام اذان کے موذن کو اور اذان سننے والوں کو حکم ہے کہ حضور علیہ السلام کے لئے مقام محمود ملنے کی دعا کریں کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے لئے یہ دعا کرے گا' ہم اس کی شفاعت فرمائیں گے۔ اسی طرح اذان میں "اشھدان محمدا رسول اللّٰہ" سن کر سننے والے اپنے انگوٹھوں کے ناخن چوم کر آنکھوں سے لگائیں اس کے بہت سے فضائل آئے ہیں دیکھو شامی جلد اول باب اذان اور تفسیر روح البیان زیر آیت "وَاِذَانَادَیتُم اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوھَا ھُزُوًّاوَّلَعِبًا" (پارہ ۶)

اگرچہ یہ احادیث حسن یا ضعیف ہیں مگر فضائل میں معتبر۔ انگوٹھے چومنے کا دنیاوی فائدہ تو یہ ہے کہ اس کا عامل انشاء اللہ کبھی نابینا نہ ہو گا اور نہ اس کی آنکھوں کی روشنی کم ہو گی۔ اخروی فائدہ یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کی شفاعت فرمائیں گے اور کرم کریمانہ سے خود اس کو اہل جنت کی صفوں میں داخل فرمائیں گے۔ طریقہ اس کا یہ ہے کہ پہلی بار "اَشْھَدُاَنَّ مُحَمَّدً رَسُولُ اللّٰہِ" سنے تو کہے "صَلَّی اللّٰہ عَلَیکَ یَارَسُولَ اللّٰہ" اور دوسری بار سنے تو کہے "قُرَّۃَ عَینِی بِکَ یَارَسُولَ اللّٰہِ" اور دونوں انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں سے لگائے۔ (چوم کر) پھر کہے "اَللّٰھُمَّ مَتِّعنِی بِالسَّمعِ وَالبَصرِ" (شامی جلد اول باب الاذان)

شامی نے اس مسئلہ کا انکار نہ کیا بلکہ اس کے فضائل میں جو احادیث مرفوعہ نقل

فرمائیں ان کے بارے میں فرمایا کہ کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موقوف احادیث اس بارے میں صحیح ہیں نیز یہ نہ کہا کہ مرفوع احادیث ضعیف ہیں بلکہ فرمایا کہ صحیح نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ صحیح نہ ہونے سے حدیث کا ضعیف ہونا لازمی نہیں بلکہ حسن وغیرہ بھی ہو سکتی ہے۔ اگر اس کی زیادہ تحقیق دیکھنا ہو تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا رسالہ مبارک "منیر العین فی تقبیل الابہامین" دیکھو جس میں روایات سے ثابت کیا گیا ہے کہ اذان میں انگوٹھے چومنا سنت صدیقی بلکہ سنت حضرت آدم علیہ السلام ہے۔

آیت نمبر ۷۴۔ "قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمٰتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا" (پارہ ۱۶ سورہ کہف رکوع ۱۲) (تم فرما دو کہ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہوں تو ضرور سمندر ختم ہو جائے اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم ویسا ہی اس کی مدد کو لے آئیں۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت پاک ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار یہود نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن میں حکمت ہے اور ہم کو حکمت دی گئی اور قرآن فرماتا ہے کہ "وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا" (جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت ہی خوبی مل گئی۔) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے فرماتے ہیں کہ تم کو نہیں دیا گیا مگر تھوڑا علم (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو باتوں میں مقابلہ ہے ہمارے علم کو تھوڑا بھی کہا گیا اور بہت بھی) اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر خزائن العرفان) اس میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن میں بے شک ہر چیز کا علم ہے اور یہ علم واقعی بہت ہے مگر علم الٰہی کے مقابلہ میں اس کو وہ نسبت بھی نہیں جو قطرے کو سمندر سے ہے کیونکہ یہ انتہاء رکھتا ہے اور خدا

کے علوم بے انتہاء ہیں۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دو سمندروں کا پانی روشنائی اور ان سے رب کے کلمات لکھا جائیں، تو بھی سمندر کا پانی ختم ہو جائے گا۔ مگر رب کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔ اس میں مفسرین کے چند قول ہیں کہ رب کے کلمات سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ رب کے معلومات، بعض نے کہا رب کے مقدارت، بعض نے فرمایا کہ خدا کی حکمتیں (روح البیان) غرض کہ خدا کا علم، اس کی قدرت اور اس کی حکمت اور اس کے صفات کی انتہاء نہیں لیکن حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت جلد اول باب سوم میں فرمایا کہ اہل تحقیق کے نزدیک رب کے کلمات سے مراد حضور علیہ السلام کے فضائل اور کمالات اور حضور علیہ السلام کے علوم ہیں تو آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ اگر دنیا بھر کے نعت خواں اور نعت گو اور واصفین اور کاتبین دو سمندروں کے پانی کی روشنائی لے کر صفات و کمالات مصطفےٰ علیہ السلام لکھیں تو یہ روشنائی ختم ہو جائے گی مگر حضور علیہ السلام کے اوصاف ختم نہ ہوں گے۔ اس آیت میں دو سمندروں کا ذکر ہے مگر دوسری میں اس سے بھی زیادہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوا "وَلَوْ اَنَّ مَافِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ" (یعنی اگر تمام زمین کے درخت قلم ہو جائیں اور سمندر کے ساتھ سمندر اور مل جائیں، پھر بھی رب کے کلمات یعنی صفات حضور علیہ السلام تمام نہ ہوں۔

قربان اس کمالات دینے والے کے اور لینے والے کے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ شیخ کی اس تفسیر کی دوسری آیات بھی تائید فرماتی ہیں۔ دیکھو دنیا کی نعمتوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ تم ان کو شمار نہیں کر سکتے اور واقعہ بھی یہ ہی ہے کیونکہ ہم کو اپنے جسم کے بال اور رگیں اور تمام اعضاء کا شمار نہیں معلوم اور ایک ایک بال میں لاکھوں نعمتیں تو ان نعمتوں کا شمار کس طرح ممکن ہے؟ یہ جسم کی داخلی نعمتوں کا ذکر ہے، خارجی نعمتیں

اس کے علاوہ ہیں۔ چاند' سورج' زمین و آسمان' وغیرہ وغیرہ مگر ان نعمتوں کو قرآن نے فرمایا"قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ" (فرما دو کہ دنیاوی متاع تھوڑی ہے) لیکن حضور علیہ السلام کے ہر وصف و کمال کو قرآن نے عظیم فرمایا۔ رب نے اپنی صفات کو عظیم فرمایا۔ اور اپنے محبوب علیہ السلام کے صفات کی بھی عظیم فرمایا اپنے لئے فرمایا"وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ"اور محبوب علیہ السلام کے لئے فرمایا"اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیمٍ"حضور علیہ السلام کے اخلاق کو عظیم فرمایا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا"كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا"(اے محبوب!صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔ اس فضل عظیم میں تو تمامی صفات مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی ہر صفت عظیم ہے۔

حضور علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا"اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ" (رحمن نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن سکھایا' سبحان اللہ! سکھانے والا رحمن' سیکھنے والے حبیب الرحمن۔ کتاب قرآن پھر علم مصطفٰے کا کیا پوچھنا غرضیکہ حضور علیہ السلام کی ہر صفت و ہر کمال عظیم' تو اب کس انسان اور کس فرشتے یا جن میں طاقت ہے کہ حضور علیہ السلام کی نعت کا احاطہ کر سکے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
خدا و مصطفٰے کی رمز سے لوراک عاجز ہے
خدا کو مصطفٰے جانے محمد ﷺ کو خدا جانے

اسی لئے قصیدہ بردہ میں فرمایا گیا۔

مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ   وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا وَّاحْتَكِمِ
فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ   حَدٌّ فَیُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

(یعنی حضور علیہ السلام کو وہ نہ کہو جو عیسائیوں نے اپنی نبی کے لئے کہا (خدا کا بیٹا).

اس کے سوا جو بھی عزت و عظمت کے کلمات ممکن ہو بلا جھجک کہہ دو' کیونکہ حضور علیہ السلام کے فضائل کی کوئی حد نہیں' جس کو بولنے والا اپنے منہ سے بیان کرے)

جس قدر حضور علیہ السلام کی نعتیں لکھی اور پڑھی جا چکیں' ان کی بھی حد ہم کو نہیں' دنیا میں جس زبان میں دیکھو حضور علیہ السلام کی نعت موجود ہے اور بے شمار نعتیں ہیں۔ پھر جنات نے جو نعتیں کہیں اس کی ہم کو خبر نہیں۔

مشکوۃ جلد دوم باب الکرامات میں ہے۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے روضہ پاک محبوب علیہ السلام پر حاضری دے کر صلوۃ و سلام عرض کرتے ہیں جو صبح کو آتے ہیں وہ شام کو چلے جاتے ہیں اور جو شام کو آتے ہیں صبح کو چلے جاتے ہیں (اور جو ایک بار آگئے ان کو دوبارہ آنا نصیب نہیں ہوتا) یہ ملائکہ کی نعت ان سب کے علاوہ ہے۔ اب حساب لگاؤ کہ بھلا کس قدر نعت پاک بیان ہو چکی' مگر رب گواہ ہے کہ میرے آقا و مولی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نعت کے دفتر کا ایک نقطہ بھی بیان نہیں ہوا۔

اس کے علاوہ گزشتہ انبیائے کرام نے جو حضور علیہ السلام کی نعتیں بیان فرمائیں وہ علاوہ ہیں۔ قیامت میں جو مقام محمود پر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعریفیں ہوں گی کہ دوست اور دشمن سب ہی مدح خوانی کریں گے وہ اس کے سوا ہیں۔

نیز پروردگار عالم نے جو ان کی نعت ارشاد فرمائی ہے وہ بے حد بے شمار ہے۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی نعت احاطہ میں آ سکتی ہے بس خدا کی حمد حضور علیہ السلام ہی کر سکتے ہیں اور حضور علیہ السلام کی نعت خدا ہی فرماتا ہے۔

ہم لوگ جو کچھ نعت شہ لولاک علیہ الصلوۃ والسلام لکھتے یا پڑھتے ہیں اس خیال سے نہیں کہ بس ہم نے حق نعت ادا کر دیا بلکہ فقط اپنا نام نعت خوانوں کی فہرست میں لکھانے کی یہ ترکیب ہے مثل حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے کے لئے بازار مصر میں ایک بڑھیا سوت کی اٹی لے کر گئی۔ لوگوں نے کہا بے وقوف تیرا منہ اور خریداری حسن یوسف۔ آج تو لوگوں نے ان کے خریدنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی ہے'

خزانہ کے منہ کھول دیئے ہیں' وہ بولی یہ میں بھی جانتی ہوں' مگر خریداروں کی فہرست میں اپنا نام درج کرانا منظور ہے۔ یہ ہی معاملہ یہاں ہے۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وبارک وسلم

آیت نمبر ۴۸۔ "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ" (پارہ ۱۶' سورہ کہف رکوع ۱۲) (تم فرماؤ کہ ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔)

اس آیت سے ظاہر بین لوگ اس پر دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے انسان ہیں کھانے پینے' موت و زیست میں ہم جیسے ہیں مگر نظر ایمانی سے دیکھا جائے تو یہ آیت حضور علیہ السلام کی نعت کا گل دستہ ہے' اس جگہ چار طرح بحث کرنا ہے۔ اولا یہ کہ اس آیت سے مقصد کیا' دوم یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر وغیرہ خطاب عامہ سے پکارنا شرعاً جائز ہے یا حرام' تیسرے یہ کہ آیا شرعاً یا عقلاً حضور علیہ السلام واقعی ہم جیسے بشر ہیں یا نہیں اگر نہیں تو آیت پاک میں "مثلکم" سے کیا مراد ہے؟ چوتھے یہ کہ "یوحی الی" نے کیا فائدہ دیا؟

(ا) تمام مومن اور کافر جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام گروہ انسانی میں جلوہ گر ہوئے' کفار تو کہا ہی کرتے تھے "مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا" نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر۔ اور مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نبی ہیں اور نبی وہ انسان ہوتے ہیں جو اللہ کی طرف سے احکام شرعیہ کی تبلیغ فرمانے کے واسطے بھیجے گئے ہیں۔ غرض کہ تمام دنیا اس مسئلہ کو جانتی اور مانتی ہے پھر اس قدر کھلی ہوئی' جانی ہوئی' مانی ہوئی بات کو جو قرآن کریم نے اس قدر اہتمام سے بیان فرمایا' اس سے کیا مقصد ہے؟

وجہ یہ ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کے صرف دو معجزے دیکھے۔ بغیر باپ کے پیدا ہونا اور مردوں کو زندہ فرمانا' بیماروں کو شفا بخشنا۔ ان دو معجزوں کو دیکھ کر ان کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام میں

صرف ایک معجزہ یعنی سو برس کے بعد زندہ ہونے کو دیکھ کر ان کو خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ مشرکین نے فرشتوں کو خدا کی لڑکیاں مان لیا۔ کسی نے جنات اور رب العالمین میں رشتہ جوڑ دیا۔ غرضیکہ ان بے وقوفوں نے معجزات یا قوت و طاقت دیکھ کر ان حضرات کی شان میں افراط کی۔ بعض بے دین لوگوں نے انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہہ کر ان کی شان میں تفریط کی اور کمی کی۔ اسلام کا یہ منشاء ہے کہ مسلمان اس افراط و تفریط سے محفوظ رہیں' ان قوموں نے تو چند معجزات دیکھ کر انبیاء کو خدا کا بیٹا وغیرہ کہہ دیا مگر بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر معجزات دیکھے۔ دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا' اشارے سے ڈوبا ہوا سورج لوٹ آیا حکم سے بادل آکر برسا اور اشارہ پا کر پھٹ گیا' ارشاد سرکار سے دو درخت جو دور دور تھے آپس میں جڑ گئے کنکروں نے کلمہ شہادت پڑھا' فراق میں لکڑیاں روئیں' تھوڑے سے کھانے سے لشکر کا پیٹ بھرا' انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے' اشارے پر مردے زندہ ہوئے' غرضیکہ بے شمار معجزات کا ظہور ہوا تو خدشہ تھا کہ کوئی حضور علیہ السلام کو بھی خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہنے لگیں اس لئے حضور علیہ السلام نے اپنی ہر ایک ادا سے اپنی بندگی کو ظاہر فرمایا' اور کلمہ میں پڑھوایا(عبدہ ورسولہ" قرآن نے یہ اعلان فرمایا۔"اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ"

(۲) ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ انبیائے کرام اللہ کے بندے ہیں اور اس کے محبوب کی جلوہ گری انسانوں میں ہوئی مگر ان کو بشر یا بھائی یا باوا یا انسان کہہ کر پکارنا حرام ہے اور اگر بہ نیت توہین کہا تو کہنے والا کافر ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

قرآن کریم فرماتا ہے "وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ" (آیت میں صاف بتایا گیا ہے کہ جن خطابات سے ایک دوسرے کو معمولی طریقے سے پکارتے ہو حضور کو نہ پکارو ورنہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہو گی) اور اعمال کا حبط ہونا کفر

سے ہوتا ہے۔ اسی لئے اس آیت کو کلمہ "قل" سے شروع فرمایا یعنی اے محبوب علیہ السلام! آپ بطریق انکسار و تواضع فرمادو کہ میں تم جیسا بشر ہوں نہ تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کے خطاب سے پکاریں گے اور نہ کسی فرد بشر کو اجازت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس خطاب سے پکارے اسی لئے قرآن نے کسی جگہ حضور علیہ السلام کو بشریا آدمی یا مومنوں کا بھائی وغیرہ کہہ کر نہ پکارا' بلکہ "یَاأَیُّهَا النَّبِیُّ یَاأَیُّهَا الرَّسُولُ' یَاأَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ' یَاأَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ "(اے چادر کے اوڑھنے والے اے کپڑوں کے پہننے والے' اے بڑے درجہ والے' اے ہمارا پیغام لوگوں کو سنانے والے وغیرہ خطابوں سے پکارا۔) جب رب تعالیٰ ان کو بشر وغیرہ کے خطاب سے نہ پکارے تو ہم غلامان کو کیا حق ہے کہ اس طرح ان کو یاد کریں۔ دوسرے یہ بھی ہے کہ کسی دنیوی عظمت والے کو معمولی خطاب سے پکارنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی عظمت کا انکار کرے' کسی خان بہادر یا نواب یا کلکٹر صاحب کو او آدمی او بھائی' او انسان' کہہ کر پکارنے والا مجرم ہے' مستحق سزا ہے تو جو حضرات انبیاء علیہ السلام بار گاہِ الٰہی سے خطاب یافتہ ہوں ان کو عام القاب سے پکارنے والا بے دین ہے۔ اگر اپنی ماں کو کہے او باپ کی بیوی۔ اے میری بہن! یا باپ سے کہے او بھائی' او انسان' او مرد' تو گستاخ کہا جاتا ہے تو حضور علیہ السلام کو ان القاب سے پکارنے والا کیوں کر گستاخ نہ ہو گا' اور کیوں بے ادب نہ کہلوائے گا؟

اسی لئے بعض محققین علماء کے نزدیک قرآن میں "یَاأَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا" کے خطاب میں نبی علیہ السلام داخل نہیں چند وجہ سے۔ ایک یہ کہ حضور علیہ السلام کو عام خطابوں سے نہ پکارا جائے اور یہ عام خطاب ہے دوسرے یہ کہ دیگر مومن حضور علیہ السلام سے ایمان لینے والے ہیں اور نبی علیہ السلام ایمان دینے والے اور "امنوا" میں ایمان لینے والے مراد ہیں' تیسرے اس لئے کہ امنوا سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں آکر مومن بنے اور حضور علیہ السلام مومن بن کر دنیا میں تشریف لائے بلکہ نبی بن کر

آئے۔ چوتھے اس لئے کہ دیگر مومنوں پر آیتیں نازل ہونے کے بعد احکام فرض ہوئے اور حضور علیہ السلام نزول قرآن سے پہلے عابد 'زاہد' نمازی اور احکام پر عامل تھے۔ یہ آیات حضور علیہ السلام کے عمل کے لئے نہیں اتریں بلکہ تبلیغ احکام کے لئے آئیں۔ حضور علیہ السلام نے معراج میں نماز پڑھائی اور ظہور نبوت سے پہلے غار حرا میں نمازیں پڑھیں۔ حالانکہ اس وقت احکام نہ آئے تھے۔ پانچویں اس لئے کہ "الذین امنوا" کے بعد ایسے احکام بھی آئے ہیں جو حضور علیہ السلام پر جاری نہیں ہو سکتے' جیسے اے ایمان والو! اپنی آوازیں حضور علیہ السلام کی آواز پر اونچی نہ کرو' یا اے ایمان والو! اللہ و رسول سے آگے نہ بڑھو۔ اور جو اعمال حضور علیہ السلام نے کئے وہ ہماری تعلیم کے لئے ہیں۔ مسافر جہاز میں پار لگنے کو سوار ہوتے ہیں مگر کپتان پار لگانے کو' اسی لئے مسافر کرایہ دے کر بیٹھتے ہیں اور کپتان تنخواہ لے کر۔

(۳) حضور علیہ السلام نہ شرعاً ہماری مثل ہیں اور نہ عقلاً شرعاً تو اس لئے نہیں کہ ایمان' اعمال' احکام اور معاملات کسی میں بھی ہم کو ان سے مماثلت اور مشابہت نہیں۔ حضور علیہ السلام کا کلمہ ہے "اشہدانی رسول اللّٰہ" (یعنی میں اللہ کا رسول ہوں) اگر ہم یہ کہیں تو کافر ہو جائیں یہ تو کلمہ میں فرق ہوا۔

نمازیں ہم پر پانچ اور حضور علیہ السلام پر چھ فرض ہیں۔ تہجد بھی حضور علیہ السلام پر فرض (قرآن) ہمارے لئے ارکان اسلام پانچ" حضور علیہ السلام کے لئے صرف چار (زکوۃ فرض نہیں) شامی کتاب الزکوۃ۔ ہم کو چار نکاح حلال آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جس قدر چاہیں۔ ہماری بیوی موت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرے۔ حضور علیہ السلام کی بیویاں کسی سے نکاح نہ کر سکیں۔(قرآن کریم) ہماری میراث تقسیم ہو' حضور علیہ السلام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی (حدیث) ہم تو قانون کے پابند مگر قانون الٰہی جنبش لب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا منتظر۔ جو جس کو چاہیں حلال فرما دیں اور جس کو چاہیں حرام۔ اس کے بے شمار دلائل موجود ہیں۔

ایک حضرت ابوخزیمہ کی گواہی دو گواہوں کے برابر فرما دی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاتون جنت کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح سے روک دیا۔ ایک صاحب کا کفارہ ان ہی کو کھلا دیا وغیرہ وغیرہ۔ خود فرماتے ہیں صوم وصل کے موقعہ پر" اَیُّکُمْ مِثْلِی یُطعِمُنِی رَبِّی وَیَسقِینِی "(تم میں مجھ جیسا کون ہے' مجھے تو رب کھلاتا پلاتا ہے۔) بیٹھ کر نفل پڑھنے کے لئے فرماتے ہیں "لَکِنِّی لَسْتُ کَاحَدٍ مِنکُمْ" (لیکن ہم تم جیسے نہیں) غرضیکہ ان تمام امور سے معلوم ہوا کہ شرعاً حضور علیہ السلام ہم جیسے نہیں۔ اسی طرح عقلاً بھی حضور علیہ السلام ہم جیسے نہیں' کیونکہ حضور علیہ السلام کا ایمان دیکھا ہوا۔ خدا کو دیکھا' جنت و دوزخ کو دیکھا وغیرہ وغیرہ۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو معراج ہوئی ہم کو معراج نہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں

ایں خورد گردد پلیدی ازیں جدا
آں خورد گردد ہمہ نور خدا

ہم جو کھاتے ہیں اس سے پیشاب پاخانہ وغیرہ نجس چیزیں بنتی ہیں' حضور علیہ السلام جو کھاتے ہیں' اس سے نور الٰہی ہوتا ہے۔ جیسے شہد کی مکھی جو کھاتی ہے اس سے شہد بنتا ہے اور جو زنبور کھاتی ہے اس سے زہر بنتا ہے حضور رحمت للعالمین ہیں ہم نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایمان ہیں ہم مومن۔ حضور علیہ السلام کے جسم پاک کا سایہ نہیں ہمارا سایہ ہے۔ حضور علیہ السلام پر ابر سایہ کرتا تھا دھوپ سے ہم کو یہ بات حاصل نہیں غرضیکہ عقلی طور پر بھی ہم حضور علیہ السلام کی مثل نہیں۔ مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاوی عبدالحی میں ایک حدیث نقل کی۔ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب ہم اپنی والدہ ماجدہ کے شکم پاک میں تھے تب قلم الٰہی چلنے کی آواز سنا کرتے تھے۔ کہیے کون ایسا ہو سکتا ہے؟ حضور علیہ السلام عارف باللہ پیدا ہوئے۔ ہم لوگ پیدا ہو کر علم سیکھ کر بھی اس درجہ پر نہیں پہنچتے۔ پھر مماثلت اور

مشابہت کیسی؟ اب آیت کریمہ کا مطلب کیا؟ مطلب یہ کہ اے محبوب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دو کہ ظاہری بشرہ میں صرف ظاہری طور پر ہم تم ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں ورنہ اس میں بھی بڑا فرق ہے' اسی طرح بعض انسانی ظاہری حالات میں ہم تم جیسے بشر ہیں مثلاً ظاہری طور پر کھانا پینا' ظاہری طور پر امراض وغیرہ کا آنا' ورنہ حقیقتاً ان حالات میں بھی حضور علیہ السلام کا حال شریف ہم سے بالکل علیحدہ ہے۔"مثلکم" سے مراد یہ ہے کہ جس طرح تم خالص بندے ہو نہ تم اللہ ہو نہ الوہیت کی صفات سے موصوف' اسی طرح ہم بھی محض عبداللہ ہیں۔ الوہیت ہم میں نہیں' نہ ہم اللہ ہیں' نہ اللہ کے بیٹے' بلکہ اللہ کے بندے اور بندوں کے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثل صرف اس امر میں ہیں نہ کہ ہر چیز میں۔

(۴)"یوحی الی" سے اس شبہ کو رد کر دیا جو"مثلکم" سے پیدا ہوتا تھا' شاید کوئی کہہ دیتا کہ حضور علیہ السلام ہر وصف میں ہم جیسے ہیں۔ فرمایا گیا۔ نہیں ہم صاحب وحی ہیں اور تم ہمارے امتی۔ وحی والا امتی کس طرح ہو سکتا ہے؟"یوحی" کی صفت نے نبی اور امتی میں ایسا فرق کر دیا جیسا ناطق کی قید نے انسان اور غیر انسان میں۔ زید حیوان ہے دوسرے جانوروں کی طرح مگر ناطق ہے۔ ناطق سے زید کی حقیقت ہی کچھ اور ہو گئی اور دوسرے جانوروں کی حقیقت ہی اور۔

حضرت قبلہ عالم پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ جوہر اور انسان میں تو پانچ درجہ کا فرق ہے کہ انسان کے اوپر حیوان اس پر جسم نامی اس پر جسم مطلق اور پر جوہر مگر بشر اور حضور علیہ السلام میں ستائیس درجہ فرق ہے۔ یعنی بشریت سے مصطفویت ۲۷ درجہ بلند و بالا ہے جس کے بعد صرف الوہیت ہی کا درجہ ہے۔ یہاں عبدیت کے سارے درجے ختم ہو چکے ہیں' یعنی بشر پر مومن' اس پر صالح' اس پر شہید' اس پر متقی' اس پر مجتہد' اس پر اوتاد' اس پر ابدال' اس پر قطب' اس پر قطب الاقطاب اس پر غوث' اس پر غوث اعظم' وغیرہ پھر اس پر تابعی' پھر اس پر صحابی'

پھر اس پر انصاری، پھر ان پر مہاجر، پھر ان پر صدیق، پھر ان پر نبی، پھر ان پر رسول، پھر ان پر اولوالعزم، پھر ان پر خلیل پھر ان پر خاتم النبیین، پھر اس وصف پر رحمتہ اللعالمین، پھر ان پر حبیب پھر اس پر درجہ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ اجمالی ذکر ہے۔ تو جب ہم عام بشر عالم انوار اور ملائکہ کی مثل نہیں حالانکہ وہ بھی جوہر ہیں اور ہم بھی جوہر۔ مگر پانچ درجہ فرق نے فرق عظیم پیدا فرما دیا تو عام بشر اور مصطفےٰ علیہ السلام برابر کس طرح ہوں گے حالانکہ یہاں ۲۷ درجہ کا فرق ہے؟

لطیفہ:۔ کسی نعت خواں نے ڈاکٹر اقبال کے سامنے یہ نعت پڑھی جس کا نام ہے محمدؐ اس سے دو جگ ہے، اجالا ڈاکٹر صاحب نے فرمایا دو شعر میرے بھی لکھ لو، فرماتے ہیں۔

جن کا نام ہے محمدؐ ان کا ہر مومن متوالا
قدرت کی تحریر بن جائے امی اور تقریر بن جائے
بخشش کی تدبیر بن جائے پھر ہے بھولا بھالا
جن کا نام ہے محمد ان کا ہر مومن متوالا
آن کی آن سورج کہلاوے دنیا کا اجیالا
جن کا نام ہے محمدؐ ان کا ہر مومن متوالا

تفسیر روح البیان میں پارہ ۱۶ شروع سورہ مریم کھیٰعص کے ماتحت فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی تین صورتیں ہیں۔ ایک بشری جس کا ذکر ہے اس آیت میں دوسری حقی جس کے متعلق حضور علیہ السلام فرماتے ہیں "مَن رَاٰنی فَقَد رَاَی الحَق" (جس نے مجھ کو دیکھا اس نے حق کو دیکھا) تیسری ملکی کہ فرماتے ہیں۔ "لِی مَعَ اَللّٰہِ وَقتٌ لَاَیَسعُنِی فِیہِ مَلَکٌ مُقَرَّب وَلاَ نَبِیٌ مُرسَلٌ" (یعنی بعض اوقات ہم کو رب تعالیٰ سے وہ قرب ہوتا ہے کہ اس جگہ نہ کسی مقرب فرشتے کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ کسی مرسل نبی کی) بہر حال یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی

بہت سی نعمتوں پر مشتمل ہے اگر نگاہ تحقیق سے دیکھا جائے۔
حضرت شیخ عبدالحق مدارج النبوت باب سوم میں فرماتے ہیں کہ اس قسم کی آیات جن میں حضور علیہ السلام کی برابری اور مساوات معلوم ہوتی ہو وہ مثل تشابہات کے ہیں جیسے پروردگار عالم نے اپنے نور کی مثل چراغ سے دی "کَمِشْکٰوۃٍ فِیھَا مِصْبَاحٌ" تو اب کوئی نہیں کہہ سکتا کہ نور الہٰی چراغ جیسا نور ہے۔ اسی طرح کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مصطفٰے علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں۔ مولوی قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کہتے ہیں۔

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت
نہ جانا کچھ بھی کسی نے تجھے بجز ستار

یعنی حضور علیہ السلام نور ہیں اور نور محض کو دیکھنے کی انسان میں طاقت نہیں جیسے سورج کو آنکھ نہیں دیکھ سکتی مگر جب آفتاب پر ہلکا سا بادل آجائے تب اس بادل کے حجاب سے لوگ کچھ اس کو دیکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح نور کو دکھانے کے لئے بشری حجاب و لباس پہنایا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے ہیں ویسا کسی نے نہ دیکھا بجز رب تعالیٰ کے۔

صوفیاء کی اصطلاح میں بشر حضور علیہ السلام کی نعت ہے کیونکہ بشر کے معنی ہیں خاص رب کے دست قدرت کا بنایا ہوا' مباشرت بالید سے یہ لفظ بنا' سارا عالم فرشتوں کے ذریعہ بنا' مگر آدم علیہ السلام کو رب نے خود اپنے دست قدرت سے بنایا' لہٰذا بشریت انسان کی بڑی اعلیٰ صفت ہے۔ رب سے شیطان نے خطاب فرمایا۔ "مَا لَکَ اَنْ لَّا تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیّ" اور فرمایا "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم" اسی لئے قلب مومن کو اپنی تجلی گاہ بنایا۔

کعبہ تعمیر خلیل اطہر است دل گزر گاہ جلیل اکبر است
از ہزارا کعبہ یک دل بہتر است

لیکن چونکہ ہم نے اپنی بشریت کو گناہوں سے گندہ کر لیا اس لئے یہ لفظ گویا بدنام ہو گیا اور انبیاء کرام کو اس لفظ سے یاد کرنے سے ہمیں روک دیا گیا۔

طوطی کو سکھانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے قد آدم شیشہ رکھ کر آئینہ کے پیچھے سے خود بولتے ہیں۔ طوطی اس آواز کو اپنے ہم جنس کی آواز سمجھ کر خود بھی بولنے لگتی ہے حضور علیہ السلام آئینہ پروردگار ہیں اگر یہ آئینہ درمیان میں نہ ہوتا تو بندے رب سے فیض نہ لے سکتے۔ اس آئینہ کے دو رخ ہیں۔ ایک بندوں کی طرف دوسرا خالق کی طرف اس رخ کی یہ صدا ہے۔"انما انا بشر مثلکم" تم مجھ سے نہ بدکو میں تمہارا ہم جنس ہوں۔ دوسرے رخ کی یہ صدا ہےوَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى مولانا فرماتے ہیں۔

گفت من آئینہ ام مصقول دوست
ترک دہندی در من آں بیند کہ اوست

اعلیٰ حضرت نے خوب فرمایا۔

آپ پردے میں رہے آئینہ حسن خاص کا
بھیج کر انجانوں سے راہ داری واہ وا

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

آیت نمبر ۴۹۔"فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا"(پارہ ۱۶ سورہ مریم رکوع ۶) (تو ہم نے تمہاری زبان میں یہ قرآن ہی آسان فرمایا کہ تم اس سے ڈرنے والوں کو خوشخبری سناؤ اور جھگڑالو لوگوں کو اس سے ڈر سناؤ۔)

یہ آیت بھی حضور علیہ السلام کی نعت پاک ہے' اس میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان میں آسان فرمایا تاکہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشارت اور ڈر

لوگوں کو سنائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم بہت مشکل اور دشوار ہے' کہاں رب کا کلام اور کہاں انسان ضعیف البیان مگر اس قرآن کو زبان مصطفےٰ علیہ السلام پر آسان فرمایا جو پہاڑ سے بھی زیادہ ہمت والی ہے کہ اس کو برداشت فرمایا۔

روح البیان نے اس آیت میں فرمایا کہ قرآن کریم صفت الٰہی قدیم اور غیر متناہی ہے اس کو ہمارے الفاظ گھیر نہیں سکتے' کیونکہ یہ الفاظ حادث اور متناہی ہیں لیکن قلب پاک اور زبان مبارک مصطفےٰ علیہ السلام کو قدرت الٰہی نے یہ قوت عطا فرمائی کہ اس کو کما حقہ جان لیا۔

اس سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن بالکل آسان اور مکمل کتاب ہے' اب اس کے ہوتے ہوئے حدیث کی کیا ضرورت ہے محض دھوکے میں ہیں۔ بے شک قرآن آسان ہے مگر ہر زبان کے لئے نہیں بلکہ زبان محبوب علیہ السلام کے لئے یا ان کے لئے جو اس بارگاہ سے فیض حاصل کریں اور بے شک قرآن مکمل کتاب ہے مگر اس مکمل میں سے کچھ حاصل کرنے کے لئے اور موتی نکالنے کے لئے کسی مکمل ہی ذات کی ضرورت ہے۔ دریا سے موتی نکالنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ دوسرے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کا وہی مطلب اور وہی پڑھنا درست سمجھا جائے گا جو حضور علیہ السلام سے منقول ہو جو کوئی کسی آیت کی ایسی تفسیر کرے جو تفسیر مصطفےٰ علیہ السلام کے خلاف ہے یا ایسی قرات اختیار کرے جو آں حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں وہ باطل و مردود ہے۔ مثلاً خاتم النبیین کے معنی حضور علیہ السلام نے فرمائے "لا نبی بعدی" (ہمارے بعد کوئی نہیں) ہم سب سے آخری نبی ہیں۔ اب جو شخص اس معنی کو خیال عوام بتائے اور اس کے معنی کرے نبی بالذات یا اصلی نبی اور حضور علیہ السلام کے بعد کسی نئے نبی کا آنا جائز یا کہ ممکن مانے وہ مرتد ہے "العیاذباللّٰہ" اسی طرح قرآنی حروف کا ادا کرنا' ان کے مخارج' طریقہ تلاوت وہی ہونا لازم ہے جو صاحب قرآن سے ثابت ہوں صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے اس قرآن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان کی برکت سے آسان کر دیا یعنی بلسانک میں "ب" سبب کے لئے ہے یعنی اگر یہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا نہ ہوتا تو کسی کی کیا مجال تھی کہ اس تک پہنچ جاتا' کیونکہ یہ قرآن اسی لوح محفوظ میں تھا جہاں کسی انسان کا وہم و گمان بھی نہیں پہنچ سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک زبان نے اس چھپے خزانہ اور در مکنون کو خلق تک پہنچایا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا' تو مخلوق کا تعلق خالق سے قائم ہی نہ ہوتا بلکہ حضور علیہ السلام کی زبان نے قرآن کو قرآن بنا دیا۔ لاؤڈ سپیکر کے دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک بولنے والے کی طرف یعنی مائیکرو فون اور دوسرا رخ سامعین کی طرف یعنی یونٹ۔ اس طرح وہ بولنے والے کا کام سامعین تک پہنچاتا ہے۔ ایسے ہی آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل و دماغ کا رخ مخلوق کی طرف ہے۔ اس طرح رب کا کلام ہم تک پہنچاتے ہیں۔ خیال رہے کہ قرآنی الفاظ کا نزول کان شریف پر ہوا اس کے مضامین کا نزول دماغ شریف پر اور اسرار کا نزول قلب مبارک پر' جسے جو ملا حضور سے ملا۔

آیت نمبر ۵۰۔ "طٰهٰ مَا اَنزَلنَا عَلَیکَ القُرآنَ لِتَشقٰی" (پارہ ۱۶' سورہ طٰہٰ' رکوع ۱) (اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت شریف ہے اور اس میں پروردگار عالم کے اپنے محبوب علیہ السلام پر انتہائی کرم کا اظہار ہے۔

اس آیت کے شان نزول میں مفسرین کے دو قول ہیں اولاً تو یہ کہ حضور علیہ السلام عبادت الٰہی میں بہت ہی مشقت برداشت فرماتے تھے یہاں تک کہ رات کے قیام کی وجہ سے مبارک پاؤں پر ورم آ جاتا اور ان سے خون جاری ہو جاتا تھا۔ رب تبارک و

تعالیٰ کو اپنے محبوب علیہ السلام کا اس قدر مشقت فرمانا منظور نہ ہوا اور فرمایا گیا۔ اے محبوب!(صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) یہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اس لئے نہ اتارا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مشقت میں پڑ جائیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی دلی خواہش مبارک یہ تھی کہ کوئی بھی اللہ کا بندہ اللہ کی راہ سے گمراہ نہ رہے۔ تو کفار کے کفر پر اڑنے سے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دل مبارک کو صدمہ پہنچتا تھا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذمہ تبلیغ احکام ہے' وہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پوری فرما دی' اگر یہ بدنصیب اس سے فائدہ نہ اٹھائیں تو محبوب تم کیوں رنج کی مشقت میں پڑتے ہو۔

اس آیت میں دو طرح سے نعت شریف ظاہر ہو رہی ہے۔ ایک تو کلمہ طٰہٰ سے اور ایک باقی آیت سے۔ طٰہٰ بعض کے نزدیک متشابہات میں سے ہے۔(روح البیان) اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حضور علیہ السلام کا اسم مبارک ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ لقب پاک مصطفٰے علیہ السلام ہے' بعض نے کہا کہ اس سورۃ کا نام ہے اور بعض نے کہا کہ یہ قرآن کا نام ہے۔ (روح البیان و مدارج) بعض نے کہا کہ یہ رب تعالیٰ کا نام ہے مگر ترجیح اس کو ہے کہ یا تو متشابہات میں سے ہے یا حضور علیہ السلام کا لقب ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

ترا عز لولاک و تمکیں بس است
ثنائے تو طٰہٰ و یٰسین بس است

اس سے مراد کیا ہے؟ اور اگر حضور علیہ السلام کا لقب ہے تو اس میں کون کون سے اوصاف کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں بہت سے قول ہیں ایک یہ کہ "ط" سے مراد ہے طالب شفاعت' اور "ہ" سے مراد ہے ہادی بشر' یعنی اے شفیع اور ہادی گمراہاں! دوسرے اے طاہر اور ہادی! یعنی گناہوں سے پاک اور رب کی طرف سے لوگوں کے

ہادی' یا کہ اے طوبیٰ اور ہاویہ کے مختار! طوبیٰ' جنت ہاویہ جہنم' یا اے طیبہ اور مکہ مکرمہ کو اپنے قدم سے شرف بخشنے والے! یعنی امام الحرمین' یا اے وہ ذات جس پر بساط نبوت لپیٹا گیا یعنی خَاتَمَ النَّبِيِّين یا اے چودھویں رات کے چاند۔ اس لئے کہ "ط" کے عدد ۹ ہیں اور "ہ" کے ۵' ۹ اور ۵=۱۴ یعنی اے مکمل چاند سی شکل والے' اور یہ تشبیہ بھی فقط سمجھانے کے لئے ہے' ورنہ چاند کو علین پاک سے بھی کیا نسبت ہے؟ چاند گھٹنے بڑھنے وال'ا حضور ہمیشہ ترقی میں' چاند کو گرہن لگتا ہے' چاند اپنی روشنی میں سورج کا محتاج' چاند رات میں نورانی' مگر دن میں آفتاب کے سامنے بے نور' یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔

میں وہ شاعر نہیں جو چاند کہدوں ان کے چہرے کو
میں ان کی کفش پا پر چاند کو قربان کرتا ہوں

آگے کی آیت سے اس کرم خداوندی کا پتہ لگتا ہے جو محبوب علیہ السلام پر ہے دنیا میں ہر شخص کو عبادت کرنے کی تاکید ہے نہ کرنے پر دھمکی' لیکن حضور علیہ السلام ہی کی وہ ذات گرامی ہے کہ حکم ہو رہا ہے کہ. تم کو اتنی عبادت اور اتنی مشقت نہیں چاہئے۔ بلا تشبیہہ یوں سمجھو کہ ایک استاد تمام طلباء سے محنت کرنے کی تاکید کرتا ہے مگر ایک شاگرد کو بار بار فرماتا ہے کہ محنت نہ کرو اس سے. جہاں استاد کی مہربانی کا پتہ چلتا ہے اس شاگرد' پر وہاں شاگرد کی محنت اور سعادت مندی بھی معلوم ہوتی ہے کہ استاد کا اتنا مطیع اور فرماں بردار ہے کہ استاد بجائے فرماں برداری کا حکم دینے کے اور محنت کم کرنے کو فرماتا ہے۔ حضور علیہ السلام رب کی اطاعت میں اس قدر مشغول کہ رب تعالیٰ محنت کم کرنے کا حکم فرماتا ہے صلی اللہ علیہ وعلی وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

آیت نمبر ۵۱۔ "وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" (پارہ ۱۷' سورہ انبیاء رکوع ۷) (اور ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔)

اس آیت کریمہ نے حضور علیہ السلام کی نعت کے وہ پھول کھلائے جس سے دماغ

ایمان معطر ہو گیا۔ حضور علیہ السلام کو رب نے بے شمار صفات عطا فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک صفت ہے۔ "رَحمَةً لِّلعَالَمِینَ" اس خاص صفت کا اس آیت میں ذکر ہے لیکن اس آیت کے طریقہ بیان اور طرز ادا کو غور کرو کہ کس طرح حضور علیہ السلام کی رحمت کی وسعت کو ظاہر کیا۔ یہاں چار طرح بحث ہے اولا یہ کہ کون رحمت ہے کس پر رحمت ہے۔ کس سے رحمت ہے۔ اور کب تک رحمت ہے۔

(ا) کون رحمت ہے؟ اس کو بیان فرمایا "وَمَا اَرسَلنٰکَ" یعنی تمام جہانوں کے لئے رحمت ہونا حضور علیہ السلام کی ہی صفت ہے کسی کو یہ درجہ عنایت نہ ہوا۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے لئے فرمایا گیا "ورحمه منا" یعنی حضرت عیسی علیہ السلام ہماری طرف سے رحمت ہیں، مگر کب تک اور کس کے لئے رحمت ہیں اس کا ذکر نہ فرمایا گیا۔ اور انبیائے کرام علیہ السلام کے لئے فرمایا گیا۔ "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبعَثَ رَسُولاً" (یعنی ہم اس وقت تک کسی ملک و قوم پر عذاب نہیں بھیجتے جب تک اس کی طرف کسی خبر دینے والے رسول علیہ السلام کو نہ بھیج دیتے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ دیگر انبیاء کرام مومنین کے لئے رحمت ہوتے تھے اور ان کی نافرمانی غضب الٰہی کا باعث ہوتی تھی۔ دیکھ لو قوم فرعون، قوم حضرت لوط وغیرہ کا کیا حشر ہوا اور قوم حضرت نوح کس طرح غرق ہوئی۔ مگر محبوب علیہ السلام کے لئے فرمایا گیا "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُم وَاَنتَ فِيهِم" (اللہ تعالی ان کو عذاب نہ دے گا، حالانکہ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ان میں ہیں) غرضیکہ اس قدر وسیع رحمت حضور علیہ السلام ہی ہیں۔

(۲) کس قدر رحمت؟ اس کو "لِلعٰلَمِینَ" نے بیان فرمایا، رب کی صفت ہے "رَبِّ العَالَمِینَ" اور حضور علیہ السلام کی صفت ہے۔ "رَحمَةً لِّلعَالَمِینَ" یعنی جس کا خدا پاک رب ہے اس کے لئے حضور علیہ السلام رحمت ہیں بلکہ یوں کہو کہ ربوبیت الٰہی کا جس کسی کو فیض پہنچا وہ رحمت مصطفے کے صدقے سے۔ علیہ الصلوۃ

والسلام

عالم کہتے ہیں کے ماسوی کو۔ اب اس میں بہت سی قسمیں ہیں۔ عالم امکان' عالم امر' عالم انوار' عالم اجسام' عالم ملائکہ وغیرہ پھر عالم اجسام میں عالم انسان' عالم حیوانات' عالم نباتات' عالم جملوات' اس العالمین کے کلمے سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہر عالم کے لئے رحمت ہیں' ملائکہ کے لئے بھی' جنات کے لئے بھی' انسانوں کے لئے بھی اور جانوروں کے لئے بھی' کافروں کے لئے بھی' مسلمانوں کے لئے بھی۔

روح البیان نے اسی آیت کے ماتحت ایک حدیث نقل فرمائی کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے حضرت جرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جرائیل! ہم تو "رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِیۡنَ" ہیں اور تم بھی عالم میں ہو بتاؤ تم کو ہم سے کیا رحمت ملی؟ عرض کیا یا حبیب اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اب تک مجھے اپنے انجام کار کی خبر نہ تھی۔ خراب ہو یا اچھا (آخر ہاروت ماروت اور ابلیس کا انجام جرائیل دیکھ ہی چکے تھے) لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے مجھ کو امن مل گیا' اور مجھے اطمینان ہو گیا۔ کیونکہ رب نے میرے بارے میں قرآن میں فرما دیا "ذِیۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَكِیۡنٍ، مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ" پھر انبیاء 'مرسلین 'ملائکہ' مقربین کو بھی حضور سے رحمت ملی۔ کفار کو بھی ہر طرح سے رحمت ملی۔ حضور علیہ السلام سے پہلے دنیا میں عذاب الٰہی آتے تھے۔ اب وہ بند ہوئے' دنیا میں گناہوں پر رسوائی ہوتی تھی موقوف ہوتی' قیامت میں بھی مقام محشر سے نجات دلانا اور حساب شروع کرانا حضور علیہ السلام ہی کے دم سے ہو گا۔ ابولہب کو دوشنبہ کے دن عذاب میں کمی ہوئی' حضور علیہ السلام کی ولادت کی خوشی کی وجہ سے ابو طالب پر عذاب میں کمی ہوئی' حضور علیہ السلام کی برکت سے شرح قصیدہ بردہ خرپوتی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی شفاعت سات طرح ہو گی۔ تین سے کفار بھی فائدہ اٹھائیں گے اور چار قسم کی شفاعت صرف مسلمانوں کے

لئے ہے' بعض گنہگاروں کے لئے اور بعض نیک کاروں کے لئے۔

(۳) کب سے حضور علیہ السلام رحمت ہیں۔اس کو بھی "اَلْعَالَمِیْنَ" نے بیان کر دیا یعنی جب سے عالم ہے تب سے حضور علیہ السلام رحمت ہیں' جب سے رب کی ربوبیت کا ظہور ہے حضور علیہ السلام کی رحمت کی جلوہ گری ہوئی۔ لولا تو عالم کا ظہور میں آنا حضور علیہ السلام کے طفیل' پھر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اعزازواکرام ملنا حضور علیہ السلام کے طفیل' پھر ان کی خطاء کا معاف ہونا حضور علیہ السلام کی برکت سے پھر حضرت نوح کی کشتی کنارے پر لگنا حضور علیہ السلام کی برکت سے۔ دیکھو ہماری بحث "فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ" بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نار کا گل زار ہونا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ دنبہ آنا حضور علیہ السلام کے طفیل۔

اگر نام محمدؐ را نیا ور دے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

(۴) حضور علیہ السلام کب تک رحمت ہیں؟ اس کو بھی "اَلْعٰلَمِیْنَ" نے ہی بیان فرما دیا کہ جب تک عالم ہے' تب تک رحمت مصطفےٰ ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یعنی اس جہان میں حضور علیہ السلام کی رحمت قیامت میں' میزان پر' حوض کوثر پر' جنت میں اور گنہگار مسلمانوں پر' جہنم میں غرضیکہ ہر جگہ ان ہی کی رحمت ہے۔ اس کی تحقیق ہم حدیث شفاعت میں کر چکے ہیں۔ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ہماری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور ہماری وفات بھی' صحابہ کرام نے عرض کیا یا حبیب اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) زندگی پاک تو ظاہر ہے کہ بہتر ہے' وفات شریف کس طرح بہتر ہے؟ فرمایا کہ ہماری قبرانور میں ہر جمعہ اور دوشنبہ کو تمہارے اعمال پیش ہوتے رہیں گے' نیک اعمال کو دیکھ کر تو ہم رب کا شکر کریں گے اور برے اعمال دیکھ کر تمہارے لئے دعائے مغفرت کریں گے۔

لطیفہ:۔اس آیت میں فرمایا گیا کہ "رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِیۡنَ" اور دوسری جگہ ارشاد ہوا "بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَؤُفٌ رَّحِیۡمٌ" (یعنی مسلمانوں پر روف و رحیم ہیں) ان دونوں آیتوں میں مطابقت کیسی ہو؟ وجہ یہ ہے کہ رحمت عامہ یعنی رزق کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل سے ملنا یا زمین و ہوا اور دھوپ کا ملنا' دنیاوی عیش و آرام حاصل ہونا' قیامت میں میدان محشر سے نجات ملنا وغیرہ یہ تو عام مخلوق کو حاصل ہے لیکن رحمت خاصہ دنیا میں اور آخرت میں مثلاً ایمان کا ملنا' گناہ کا معاف ہونا' درجات کی ترقی' بارگاہ الٰہی میں مقبولیت کا حاصل ہونا' معراج میں بھی بوقت خاص مسلمانوں کا تذکرہ ہونا' راتوں کو جاگ جاگ کر مغفرت کی دعائیں فرمانا' قیامت میں درجات کی بلندی کرانا' یہ صرف مسلمانوں کے لئے۔ جیسے بلا تشبیہہ رب تعالیٰ کی صفت ہے رحمان یعنی دنیا میں سب پر رحم فرمانے والا اور دوسری صفت ہے رحیم' یعنی آخرت میں اہل ایمان پر رحم فرمانے والا' رب کی صفت رحیم کا ظہور صرف مسلمانوں کے لئے ہے اور رحمت سب کے لئے۔

تنبیہہ:۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام سب کے لئے دنیا میں رحمت ہیں تو کفار سے جہاد کیوں فرمایا؟ ان کو قتل کیوں کرایا؟ جواب یہ ہے کہ رحمت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ سب کو دودھ ہی پلایا جائے۔ سانپ کو مار ڈالنا اور جسم کے خراب اور گلے ہوئے عضو کو کاٹ ڈالنا' فصد کھول کو خون فاسد نکال دینا بھی عین رحمت ہے۔ اسی طرح حکومت کا چوروں اور ڈاکوؤں کو سزا دینا' ملک کو ان سے محفوظ رکھنا عین حکمت اور رحمت ہے۔ اسی طرح کفار کے غلبہ کو توڑ دینا اور کلمہ الٰہی کا بلند کرنا بندگان خدا پر رحمت ہے۔ بلا تشبیہہ پروردگار عالم رحمٰن و رحیم ہے مگر پھر کسی کو غریب رکھتا ہے' کسی کو مالدار' کسی کو عالم' کسی کو بے علم' تو یہ تمام انتظام حکمت و مصلحت سے ہیں خلاف رحمت نہیں۔

آیت نمبر ۵۳۔"اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ مَثَلُ نُوۡرِہٖ

كَمِشْكٰوةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ "(پارہ ۱۸ سورہ نور' رکوع ۵) (اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے' وہ چراغ ایک فانوس میں ہے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ اولا ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ نور خدائے پاک کا ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس کے معنی ہیں روشن فرمانے والا' تو معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روشن فرمانے والا ہے۔ اب روشن فرمانے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے' کیونکہ عدم تاریکی ہے اور وجود نور یعنی ان سب کا خالق ہے یا یہ کہ ان سب کو تاروں اور چاند اور سورج سے روشن فرمانے والا ہے یا یہ کہ ان سب میں نور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روشنی پھیلانے والا ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہوا "قَدْ جَآءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ" اس آیت میں حضور علیہ السلام کو نور فرمایا گیا (روح البیان یہ ہی آیت) جس طرح کہ آسمان میں اس نے چاند ستارے اور سورج وغیرہ پیدا فرمائے۔ اسی طرح زمین میں انبیاء و مرسلین پھر علماء و مشائخ کا نور پھیلایا' تو آسمان کو اور چیزوں سے منور کرنے والا اور زمین کو اور چیزوں سے اس معنی پر یہ جزو آیت بھی نعت رسول علیہ السلام ہے۔

"مَثَلُ نُوْرِهٖ" میں جو کلمہ نور آیا اس میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ "نورہ" اللہ کا نور اس سے مراد اہل ایمان کا ایمان ہے اور مشکوۃ سے مراد مومن کا سینہ اور مصباح سے مراد اہل ایمان کا دل وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ "نورہ" سے مراد حضور علیہ السلام ہیں (روح البیان میں اور مدارج النبوہ باب سوم) اب یہ ساری آیت حضور علیہ السلام کی نعت شریف ہے' ایمان محبوب نور' اور مشکوۃ یعنی طاق وہ سینہ بے کینہ محبوب علیہ السلام اور مصباح یعنی چراغ قلب پاک محبوب علیہ السلام ہے۔ روح البیان میں فرمایا کہ نور تو حضور علیہ السلام اور مشکوۃ یعنی طاق حضرت آدم علیہ

السلام اور زجاجہ یعنی فانوس حضرت نوح اور زیتون یعنی روغن ابراہیم علیہ السلام ہیں کہ نہ وہ شرقی ہیں نہ غربی یعنی نہ وہ یہودی اور نہ نصرانی۔ اور بھی اس آیت کی بہت سی توجیہیں کی گئی ہیں۔ اس سے اتنا معلوم ہوا کہ اگر نور الٰہی حاصل کرنا ہے تو قلب پاک مصطفٰے علیہ السلام میں ڈھونڈو اور قلب مصطفٰے علیہ السلام کا نور نہ ملے گا مگر بواسطہ علمائے امت اور اولیائے ملت کے۔ تو نور الٰہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اس نور کا چراغ اور طاق سینہ اور اولیاء و علماء ہیں' جو ان وسیلوں سے محروم ہے وہ نور الٰہی سے محروم۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی نور مصطفٰے علیہ السلام کو بجھا نہیں سکتا کہ اس نور کی چند طرح حفاظت فرمائی گئی ہے۔ وہ تو فانوس میں اور فانوس طاق میں محفوظ ہے' جیسے دنیاوی' چراغ نور شمع کو ہوا سے محفوظ رکھتا ہے۔ کارخانہ الٰہی کا زجاجہ بھی اس نور کی پوری حفاظت فرمائے گا۔ اس کو دوسری آیت میں یوں بیان فرمایا۔ "لِیطفِؤا نُورَ اللّٰہِ بِاَفوَاھِھِم وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُورِہٖ بَعضِکُم بَعضًا" (پارہ ۱۸' سورہ نور رکوع ۸) (رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھیرا لو' جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔) یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ اس میں صحابہ کرام کو بلکہ قیامت تک کے مسلمانوں کو بارگاہ مصطفٰے علیہ السلام کا ادب سکھایا گیا ہے۔ اس سے چند طرح نعت پاک ثابت ہوتی ہے۔ اولاً تو یہ کہ پروردگار عالم نے خدام بارگاہ کو اپنے محبوب علیہ السلام کے سامنے بات چیت اور عرض معروض کرنے کا بھی ادب سکھایا۔ دوسرے اس طرح کہ فرمایا کہ ان کی شان تمہارے عام مسلمانوں کی طرح نہیں ہے کہ جس طرح چاہو پکار لو' بلکہ یہ بارگاہ اور ہے اور یہاں کے آداب بھی اور۔

اس آیت کے دو معنی ہیں۔ "دُعَاالرَّسُولِ" یعنی رسول کو پکارنا یا رسول اللہ علیہ السلام کا پکارنا (روح البیان) پہلے توجیہ پر تو یہ معنی ہوئے کہ رسول علیہ السلام کو اس طرح نہ پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ یا محمد یا احمد

یا ابن عبداللہ' یا کہ اے بھائی' اے باپ وغیرہ خطابات سے پکارنا حرام ہے' بلکہ یارسول اللہ' یا حبیب اللہ' یا شفیع المذنبین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وغیرہ القاب سے پکارو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو ہر جگہ سے ہر وقت پکارنا جائز ہے مگر ضروری ہے کہ اچھے القاب سے پکارا جائے۔ شاعر لوگ ضرورت شعری کی وجہ سے یا محمد لکھ دیتے ہیں مگر پڑھنے والے کو چاہئے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ لیا کرے۔

دوسرے معنی یہ ہوئے کہ رسول علیہ السلام کا پکارنا ایسا نہ سمجھو جیسا ایک دوسرے کا پکارنا ہوتا ہے کہ چاہے تو اس کا پکارنا سنا اور چاہے تو نہ سنا بلکہ ان کے پکارنے پر فوراً حاضر ہو جاؤ' اس کی تحقیق ہم "اِستَجِیبُوا للّٰہِ وَلِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاکُم" میں کر چکے ہیں۔

تیسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی دعا کو جو کہ بارگاہ الٰہی میں کرتے ہیں ایسا نہ سمجھو جیسے کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے استدعا کرتے ہو کہ خواہ قبول ہو یا نہ ہو بلکہ ان کی دعا ہماری بارگاہ میں قبول ہوتی ہے ان کی جنبش لب کن کی کنجی ہے۔ اسی لئے اگر انبیائے کرام علیہ السلام کوئی دعا ایسی کرنا چاہیں جو مشیت الٰہی کے خلاف ہے تو ان کو دعا سے روک دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ دعا کریں اور نامنظور ہو۔ اور دعا سے روکنے میں ان کی انتہائی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ مطلب ہوتا ہے کہ چونکہ آپ کی بات خالی جائے یہ ہم کو منظور نہیں اور ہمارے ارادے کے خلاف ہو یہ ممکن نہیں۔ لہٰذا آپ اس بارے میں دعا نہ کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط کے بارے میں سفارش کرنا چاہی تو فرما دیا گیا "یاابراہیم! اعرض عن ھذا" (اے ابراہیم! اس دعا سے اعراض فرمایئے۔) احادیث کے مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کو جس وقت جو دعا دے دی وہی قبول ہوئی۔

اس قسم کے بہت سے واقعات بیان کئے جا سکتے ہیں مگر بطور اختصار ایک دو عرض

رہا ہوں، مدارج باب المعجزات میں ایک فصل باندھی کہ حضور علیہ السلام کی دعا سے کتنے مردے زندہ ہوئے۔ ان میں حضرت جابر کے لڑکوں کا بھی ذکر کیا۔ اسی طرح حضرت عمر احمد خرپوتی شارح قصیدہ بردہ نے۔

لو ناسبت قدرہ ایاتہ عظما احی اسمہ حین یدعی دارس الرمم

کی بحث میں بھی یہ واقعہ نقل کیا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی کھانے کی تیاری ان کی بیوی کر رہی تھیں کہ ان کے ایک لڑکے نے دوسرے کو ذبح کر دیا، کیونکہ والد کو جانور ذبح کرتے دیکھا تھا، لڑکپن کا زمانہ تھا، اس ذبح کی نقل کی اور اپنے بھائی کو ذبح کر دیا پھر والدہ کے خوف سے اوپر چھت پر بھاگ گیا مگر وہاں سے جو پاؤں پھسلا نیچے گر کر انتقال کر گیا۔ صابرہ ماں نے دعوت کی وجہ سے دونوں لاشوں کو چھپا دیا اور کھانا تیار کر لیا۔ حضور علیہ السلام کھانا ملاحظہ فرمانے کے لئے دسترخوان پر تشریف فرما ہوئے، حضرت جابر سے فرمایا: بچوں کو بلاؤ ہم ان کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ تب اس پاک بی بی نے سارا ماجرا عرض کیا، ان بچوں کی لاشوں کو چھپا کر لائی، بچے زندہ ہوئے اور کھانے میں شریک ہوئے۔

ایک بار قحط سالی واقع ہو گئی۔ جمعہ کا خطبہ حضور علیہ السلام ارشاد فرما رہے ہیں کہ ایک صحابی نے عرض کیا حضور بارش نہیں ہوتی، اسی حال میں دعا کے لئے محبوب کے ہاتھ اٹھ گئے، اللہ جانے وہ ہاتھ تھے یا کہ یداللہ کا مظہر اتم، ادھر ہاتھ اٹھے، ادھر آن کی آن میں بادل بھی آگیا اور بارش بھی شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ خطبہ کی حالت میں مسجد کی چھت ٹپکی اور چہرہ انور پر بارش کا پانی بہنے لگا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو مدینہ پاک کی ہر گلی کوچہ میں پانی ہی پانی تھا۔ لوگ گھر جانے کے لئے دشواری محسوس کرتے تھے۔ دوسرے جمعہ تک بارش مسلسل ہوتی رہی، جب دوسرے جمعہ کے خطبہ کے لئے محبوب علیہ السلام نے منبر پر قیام فرمایا تو ان ہی صحابی نے یا کسی دوسرے صاحب نے عرض کیا کہ راستے بند ہو گئے مکانات گر رہے ہیں، بارش بہت زیادہ ہو چکی، تب عرض

فرمایا "اللھم حوالینا لا علینا" (اے اللہ اب ہمارے آس پاس بارش ہو' ہم پر نہ ہو) یہ فرما کر جو انگلی کا اشارہ بادل کی طرف کیا تو مکہ معظمہ میں اس اشارہ انگشت سے چاند چرا تھا' یہاں بادل پھاڑ دیا' جس طرف انگلی گھمائی ادھر ہی بادل پھٹ گیا۔ اللھم صلی علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

فقط اشارے میں سب کی نجات ہو کے رہی
تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی
کہا جو شب کو کہ دن ہے تو دن نکل آیا
جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کہ رہی

جس کو عمر کی دعا دی اس کی عمر میں برکت ہوئی' کسی کو مال کی' کسی کو اولاد کی' کسی کو علم کی دعا کی' کسی کو حاکم ہونے کی جس کو جو بنا دیا وہی بن گیا۔

مشکوۃ کتاب الامارت باب العل فی القضاء میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ابھی میں نو عمر ہوں اور مجھے قضاء کا علم بھی نہیں ہے فرمایا: کہ اللہ تمہارے دل و زبان کو ہدایت دے۔ جاؤ فرماتے ہیں کہ اس دعا کی برکت سے میں کسی فیصلہ میں رکا ہی نہیں۔

اگر ہم کو اپنی اس کتاب کی طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو کچھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے نہایت دلچسپ نقل کرتے اور آج تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم اور قضاء کتب فقہ میں نقل ہوتا آ رہا ہے۔ آخر یہ علم کس مدرسہ میں سیکھا اور کون کون سی کتاب پڑھی؟ یہ سب اس دعا کی برکت تھی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

آیت نمبر ۵۴۔ "تَبَارَکَ الَّذِی نَزَّلَ الفُرقَانَ عَلٰی عَبدِہٖ لِیَکُونَ لِلعَالَمِینَ نَذِیرًا" (پارہ ۱۸' سورہ فرقان رکوع ۱) (بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندے پر جو سارے جہانوں کو ڈر سنانے والا ہے۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ اس میں حضور علیہ السلام کی رسالت عامہ کا ذکر ہے۔ پہلے تو گزر چکا کہ حضور علیہ السلام رحمتہ للعالمین ہیں۔ اس میں فرمایا گیا کہ آپ "نَذِیرٌ لِّلْعٰلَمِینَ" یعنی تمام مخلوق الٰہی کے رسول ہیں اس علمین میں ملائکہ جن انسان حیوانات اور نباتات غرضیکہ عرش و فرشی سب ہی داخل ہیں۔ کوئی بھی حضور علیہ السلام کے امتی ہونے سے خارج نہیں۔ حضرت نوح اپنے زمانہ میں سارے انسانوں کے نبی تھے مگر وہ عموم نبوت باقی نہ رہا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ (روح البیان یہ ہی آیت) نبوت اور سلطنت میں لزوم نہیں۔ اس آیت کی تفسیر وہ حدیث ہے جس کو مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین فصل اول میں بروایت مسلم نقل فرمایا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَآفَّۃً" اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں یعنی تمام موجودات کی طرف ہم نبی بنا کر بھیجے گئے۔ جن ہوں یا انسان' فرشتے ہوں یا حیوانات یا جمادات۔ اور اس کی خوب تحقیق امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں فرمائی۔

اس آیت نے بتایا کہ جس کو ربوبیت الٰہی سے حصہ ملا اس کو نبوت مصطفائی میں پناہ ملی' اللہ ہر مخلوق کا خالق اور رسول علیہ السلام ہر مخلوق کے نبی۔ تفسیر جلالین و کبیر و روح البیان نے اس عموم سے فرشتوں وغیرہ کو علیحدہ کیا ہے وہ بے دلیل ہے اور حدیث مذکورہ کے خلاف اور اکابر امت نے اس تخصیص کو بھی رد کر دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی ابوت (باپ ہونا) اور حضور علیہ السلام کی نبوت سب کو عام ہے بلکہ ابوت حضرت آدم سے نبوت مصطفے علیہ السلام زیادہ عام ہے کہ وہ صرف انسانوں کے لئے ہے اور حضور علیہ السلام کی نبوت سب کے لئے ہے۔

لطیفہ:۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی تو اس کی طرف بھیجے جاتے ہیں جن پر احکام تکلیفی آتے ہیں اور جانور اور اینٹ پتھر وغیرہ پر تکلیف کہاں؟ اسی طرح ملائکہ پر احکام نماز روزہ وغیرہ ہیں ہی کہاں' تاکہ حضور علیہ السلام ان کے نبی ہوں' اور ڈرانا

عذاب سے ہوتا ہے اور عذاب جملوات اور ملائکہ کو ہے ہی نہیں۔ جواب یہ ہے کہ احکام الٰہی سب مخلوق کے لئے ہیں مگر ہر ایک جنس کے لئے علیحدہ سب کے لئے یکساں نہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ بروز قیامت بے سینگ والے جانور کا بدلہ سینگ والے جانور سے دلوایا جائے گا' پھر ان کو مٹی بنا دیا جائے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ظلم کرنا جانوروں پر بھی حرام ہے ورنہ بدلہ کیسا؟ مگر ان کے احکام اور سزا کی نوعیت اور ہے' ان پر نماز روزہ وغیرہ فرض نہیں اسی طرح ان کے آپس کے مقدمہ قاضی کے یہاں پیش نہ ہوں گے۔ جن احکام کے لائق ہیں وہ ادا کریں گے۔

اسی طرح گھاس درخت وغیرہ عبادت الٰہی کرتے ہیں۔ "وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ" معلوم ہوا کہ ہر گھاس و درخت تسبیح الٰہی کرتے ہیں اسی لئے ان کی برکت سے میت کا عذاب قبر کم ہوتا ہے۔ اسی طرح پتھر اور پہاڑ میں بھی احساس ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ احد ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم احد سے۔ حنانہ ستون حضور علیہ السلام کے فراق میں رویا' احد پہاڑ پر حضور علیہ السلام مع صدیق و فاروق و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تشریف لے گئے تو وہ ہلنے لگا۔ غرض سب کو احساس ہے اور حضور علیہ السلام کو پہچانتے ہیں۔ اسی طرح جہنم میں بعض پتھر بھی جائیں گے خواہ وہ پتھر پرست لوگوں کو دکھانے کے لئے جائیں یا سزا کے لئے غرضیکہ حضور علیہ السلام سب کے لئے نبی ہیں اور ہر ایک قوم حضور علیہ السلام سے اپنے اپنے متعلق احکام الٰہیہ حاصل کرتی ہے۔ جنات نے حضور علیہ السلام کی بیعت کی اور عرض کیا کہ یا حبیب اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اپنی امت کو منع فرما دیں کہ ہڈی اور گوبر سے استنجا نہ کریں کیوں کہ اس میں ہمارا رزق ہے۔

(مشکوۃ باب آداب الخلاء)

اسی طرح ملائکہ کو بھی حضور علیہ السلام سے فیوض پہنچے۔ ہم کچھ تذکرہ اس کا"

رحمۃ للعالمین" میں کر چکے۔ ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام سب کے نبی ہیں اور ہر مخلوق پر اس کی حیثیت کے مطابق احکام اور سزائیں ہیں۔

نکتہ۔ آیت میں فقط "نذیرا" فرمایا گیا یعنی ڈرانے والا "بشیرا" نہ فرمایا گیا یعنی خوشی سنانے والا کیونکہ جنت صرف انسانوں کے لئے ہے' نیک کار جن' ملائکہ یا جانور یا جمادات جنت میں نہ جائیں گے بلکہ بدکار جن سزا پائیں گے اور نیک کار جن فنا کر دیئے جائیں گے یعنی سزا سے بچ جائیں گے۔ (روح البیان یہ ہی آیت) تو چوں کہ اس جگہ " عالمین" تھا لہٰذا "بشیرا" نہ فرمایا: فرشتے بھی جنت میں ہوں گے' وہ انتظام یا خدمت اہل جنت کے لئے ہوں گے نہ کہ ثواب کے لئے جیسے کہ جہنم میں فرشتے ہیں انتظام کے لئے نہ کہ عذاب کے لئے جیسے کہ جیل خانہ میں پولیس کے آدمی بھی انتظام کے لئے رہتے ہیں۔

آیت نمبر ۵۵۔ "وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ" (پارہ ۱۹' سورہ شعراء رکوع ۱۱) (اور اس پر بھروسہ کرو جو کہ عزت و مہر والا ہے' جو تم کو دیکھتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور نمازیوں میں تمہارے دورے کو)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی زبردست نعت ہے اور اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چند اوصاف حمیدہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اول تو یہ کہ آپ صرف اپنے رب پر بھروسہ فرمائیں۔ کیوں کہ رب تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک ایک ادا کو دیکھتا ہے۔ اگرچہ پروردگار عالم سب کو دیکھتا ہے مگر اپنے محبوب علیہ السلام کو فرماتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کھڑے ہونے اور نماز پڑھنے اور دورہ فرمانے کو نظر میں رکھتا ہے۔ معلوم ہوا کہ محبوب علیہ السلام کی ہر ادا پیاری ہے اور بہ نظر رحمت رب العالمین اس کو دیکھتا ہے۔

"حین تقوم" میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نماز تہجد کے لئے اپنی خوابگاہ ناز سے اٹھتے ہیں تو ہم آپ کو دیکھتے ہیں یا جس جگہ بھی اور جس کام کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام فرماتے ہیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہیں۔

اسی طرح "وَتَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِینَ" میں چند قول ہیں۔ دورہ کرنے سے کیا مراد ہے' اور ساجدین سے کون لوگ مراد ہیں؟ بعض مفسرین نے کہا حضور علیہ السلام بوقت تہجد اپنے صحابہ کرام کے احوال دریافت فرمانے کے لئے مدینہ کے کوچوں میں دورہ فرماتے تھے کہ دیکھیں ہمارے جاں نثار اس وقت کو کس طرح گزار رہے ہیں تو ان کے گھروں سے تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کی ایسی آوازیں آتی تھیں جس طرح شہد کی مکھیوں کی آوازیں نہایت عمدہ اور دلکش (روح البیان)

تو اس میں اس دورہ کی طرف اشارہ ہے کہ اے محبوب!(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارا صحابہ کرام کے حالات کی تلاش میں دورہ فرمانا ہم خوب دیکھتے ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہمارے ذاکرین کو دیکھتے ہو اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں بعض نے کہا کہ تم جو نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے اور رکوع سجدہ کرنے میں دور کرتے ہو' وہ ہم دیکھتے ہیں بعض نے کہا کہ رب تمہاری گردش چشم کو دیکھتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحالت نماز آگے پیچھے ملاحظہ فرماتے ہیں کہ ہم پر مقتدیوں کے احوال چھپے نہیں رہتے یعنی حضور علیہ السلام کی مبارک آنکھ پیچھے بھی اسی طرح ملاحظہ فرماتی ہے جس طرح کہ آگے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہاں سجدین سے مراد "سجدین" سے مراد مومنین ہیں اور "تقلب" سے مراد ہے نسلاً بعد نسلٍ' حضور علیہ السلام کا پاک پیٹھ اور پاک پیٹ میں منتقل ہو کر آنا (روح البیان) جس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد از حضرت آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ و آمنہ خاتون تمام کے تمام مومن ہیں کوئی بھی مشرک نہیں اس کی پوری تحقیق "لقد جاکم

رسول " میں ہو چکی۔ ملاحظہ کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارخ ہیں نہ کہ آزر دیکھو وہی مقام۔

آیت نمبر ۵۶۔ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوۡا عَلٰى وَادِ النَّمۡلِ ۙ قَالَتۡ نَمۡلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمۡلُ ادۡخُلُوۡا مَسٰكِنَكُمۡ ۚ لَا يَحۡطِمَنَّكُمۡ سُلَيۡمٰنُ وَجُنُوۡدُهٗ ۙ وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنۡ قَوۡلِهَا الاٰیۃ (پارہ ۱۹، سورہ النمل، رکوع ۲) یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے نالے پر آئے ایک چیونٹی بولی اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ۔ تم کو کچل نہ ڈالیں۔ سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تو (حضرت سلیمان علیہ السلام) اس بات کو سن کر مسکرا کر ہنسے۔

یہ آیت کریمہ مع اپنی اگلی پچھلی آیات کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک سفر کا واقعہ بیان فرما رہی ہے اولاً وہ واقعہ مختصر طریقہ سے عرض کرتا ہوں، پھر اس سے اس کے فائدے اور انبیاء کرام کی عظمت پھر اس سے حضور علیہ السلام کی نعت پاک بیان کی جائے گی انشاء اللہ

واقعہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام شام سے یمن کی طرف روانہ ہوئے اور آپ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ جب سفر فرماتے تو تمام جن، و انس و حوش و طیور کے لشکروں کو اپنے ہمراہ لیتے۔ اس سفر میں بھی تمام مخلوق الٰہی کا لشکر آپ کے ہمراہ تھا۔ چنانچہ روح البیان میں لکھا ہے کہ یہ لشکر ساڑھے بارہ ہزار میل مربع زمین میں تھا، اس میں انسان، جن اور وحشی جانور وغیرہ سب تھے۔ اسی سفر کے اثناء میں شام کے ایک جنگل میں گزر ہوا جہاں کہ چیونٹیاں بہت تھیں، یہ چیونٹیاں جنگل میں پھیلی ہوئی تھیں، اس لشکر دیکھ کر ان چیونٹیوں کی سردار ایک چیونٹی نے جس کا نام منذرہ یا طاخیہ تھا، تمام چیونٹیوں سے کہا کے اے چیونٹیو! فوراً اپنے اپنے گھروں (سوراخوں) میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ تم سب کی سب حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر سے کچل جاؤ اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ جس وقت یہ بات اس چیونٹی نے کہی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر تین میل

فاصلہ پر تھے' اس کی اس معمولی سی آواز کو سن لیا اور اس کی بات بھی سمجھ کر اس کی دانائی پر تعجب فرماتے ہوئے مسکرائے اور خدا کا شکر ادا کیا۔ مسکرانا تو اس کی دانائی پر تھا اور شکر الٰہی بجالانا اپنے اس ملک اور علم پر تھا۔

اس آیت کے فوائد حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت عامہ کو انسان تو درکنار دیگر مخلوقات پر بھی تھی۔

۲۔ آپ کا علم کہ انسانی علوم سے بڑھ کر دیگر حیوانات کی بات بھی سمجھ لیتے تھے۔

۳۔ آپ کی دور سے سننے کی طاقت کہ چیونٹی کی معمولی آواز تین میل کے فاصلہ سے سنی۔

۴۔ آپ کا ظلم سے معصوم ہونا کہ چیونٹی کو بھی یقین تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی عظمت کی وجہ سے اور ان کا لشکر ایک پیغمبر کے فیض صحبت کی وجہ سے عمداً ہم کو نہ کچلیں گے۔ اسی لئے اس نے کہا "وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ"

۵۔ چیونٹی کا حضرت پیغمبر سلیمان علیہ السلام کو پہچان لینا کیونکہ چیونٹی پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت واجب تھی۔ اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام اس کے سلطان تھے' اور رعایا پر اپنے سلطان الٰہی کو جاننا ضروری ہے۔

۶۔ یہ سلطنت سلیمان علیہ السلام کا ذکر تھا' اب میرے محبوب سلطانوں کے سلطان' شاہوں کے شہنشاہ امام القبلتین نبی الحرمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلطنت کا بھی ذکر سن لو۔ یہ تو ہم پہلے ہی ذکر چکے ہیں کہ تمام کمالات انبیاء حضور علیہ السلام میں جمع ہیں' مع زیادتی کے قرآن فرماتا ہے۔ "فبھدٰھم اقتدہ" اور مولانا جامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ایک کمال ہے لہٰذا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کو عطا ہو نیز تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کی خصوصیت قرار پائی اس کا ظہور حضور علیہ السلام سے اور طریقہ سے ہوا مثلاً بغیر باپ کے حضرت مسیح پیدا ہوئے تو حضور علیہ السلام سے اور طریقہ ہوا' مثلاً بغیر مادہ نور الٰہی سے مستفیض ہوئے "انا نور من نور اللّٰہ" حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہوئے طور پر' تو حضور علیہ السلام معراج میں کلیم اللہ ہوئے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر سے پانی نکالا' حضور علیہ السلام نے اپنی انگلیوں سے پانی کے فوارے جاری فرمائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو جان بخشی تو حضور علیہ السلام نے بھی مردوں کو جان بخشی اور بے جان کنکریوں اور پتھروں اور لکڑیوں سے بھی اپنا کلمہ پڑھوا لیا۔ اسی طرح اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی ساری زمین کی جاندار چیزیں رعایا تھیں تو حضور علیہ السلام کی ساری زمین کی' آسمان کی' فرش کی اور عرش کی جاندار اور بے جان چیزیں' غرضیکہ ساری مخلوق الٰہی امت قرار پائی۔ "لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا" میں اس کی بحث گزر چکی۔ اور حقیقت تو یہ کہ سب پر حضور علیہ السلام کی سلطنت ہے مگر اس کو ظاہر نہ فرمایا۔

مشکوۃ شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آج رات شیطان ہمارے پاس بحالت نماز آیا' ہم نے چاہا کہ اس کو پکڑ کر باندھ دیں' اگر باندھ دیتے تو مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے مگر پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آگئی کہ انہوں نے عرض کیا تھا خدایا! تو مجھے ایسا ملک دے جو کسی کے لائق نہ ہو' تو چھوڑ دیا۔ صاف معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیطان پر قبضہ ہے مگر اس کو ظاہر نہیں فرماتے بلکہ اسی مشکوۃ میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زکوۃ کے مال کے محافظ تھے۔ شیطان چوری کرنے آیا تو انہوں نے اس کو قید کر دیا نہ چھوٹ سکا مگر ان کی خوشامد کر کے آفتاب ڈوبا ہوا لوٹا' چاند پھٹ گیا' درختوں نے اطاعت کی' تو اگر سب پر سلطنت

نہیں ہے تو یہ اطاعت کیوں کر رہے ہیں؟

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

حضرت سلیمان علیہ السلام جانوروں کی بولی بولتے ہیں مگر محبوب علیہ السلام جانور تو درکنار پتھروں اور لکڑیوں کی بولی جانتے ہیں۔ ہرنی نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے شکایت کی کہ میں قید ہو گئی ہوں۔ (دیکھو دلائل الخیرات) اونٹ نے مالک کی شکایت کی کہ مجھے کھانا کم دیتا ہے اور کام زیادہ لیتا ہے۔ (دیکھو مشکوۃ و ابوداؤد) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھ کو قبل نبوت سلام کرتا تھا۔ (دیکھو مشکوۃ) ستون حنانہ نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فراق میں گریہ فرمایا' جب اس کو سینہ سے لگایا تو عرض کیا۔

مسندت من بودم از من تاختی
بر سر منبر تو مسند ساختی

حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل چیونٹی کی آوز سن لی مگر اس کان کے قربان جس نے اپنی والدہ کے پیٹ میں سے قلم کے لوح محفوظ پر چلنے کی آواز سنی' یہ تمام بحث ہماری کتاب "جاء الحق وزھق الباطل" میں دیکھو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ساریہ کو مدینہ پاک سے پکارا' اور نہاوند سے حضرت ساریہ نے یہ آواز سن لی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی نے ظلم و ستم سے معصوم جانا' لیکن آقائے دو جہان علیہ السلام کو ہر مخلوق معصوم جانتی ہے اور ظالموں کی فریادیں لے کر حاضر بارگاہ ہوتی ہے۔ جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ جنگل کے ہرن' اونٹ اور لکڑیاں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے فریادی ہوئیں۔ اور جانی دشمن یہود وغیرہ بھی اپنے اپنے قضیئے لے کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں آتے تھے کیوں کہ جانتے تھے کہ یہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی دکھلایا جاتا ہے اور یہ ہی وہ بارگاہ ہے کہ جہاں کوئی

ستایا نہیں جاتا بلکہ ستانے والوں سے بچایا جاتا ہے' اس کی بہت سی مثالیں بیان کی جا چکیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی نے پہچانا' ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چاند و سورج اور تاروں نے پہچانا' اس کے متعلق ایک دو واقعہ عرض کئے جاتے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف کتاب الحج باب الہدی میں ہے کہ حجتہ الوداع میں کچھ اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قربانی کے لئے پیش کئے گئے۔ جانوروں کا قاعدہ ہے کہ بوقت ذبح گھبراتے اور ڈرتے ہیں مگر اونٹوں کا یہ حال تھا کہ ہر ایک چاہتا تھا کہ حضور علیہ السلام میری قربانی پہلے فرما دیں۔ آپس میں لڑتے تھے اور ایک دوسرے سے پہلے بڑھتے تھے۔ اسی طرف اشارہ اس شعر میں ہے۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف
بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

بلکہ حضور علیہ السلام کے غلاموں کو بھی جانور پہچانتے تھے۔

اسی مشکوٰۃ کتاب الکرامات میں ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روم میں گرفتار ہو گئے' یہ حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام تھے۔ زمانہ فاروقی میں جب لشکر اسلام روم کی زمین میں پہنچا ان کو جیل خانہ میں خبر لگ گئی کہ اس میں میں لشکر اسلام آیا ہے' یہ موقع پا کر راتوں رات قید سے بھاگ نکلے مگر راستہ سے واقف نہ تھے نہ یہ جانتے تھے کہ لشکر کہاں ہے۔ راستہ میں بھاگے جا رہے تھے کہ جنگل میں شیر نکلا' تو حضرت سفینہ نے فرمایا کے اے شیر! تو جانتا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہوں' راستہ بھول گیا ہوں۔ شیر یہ سن کر دم ہلاتا ہوا سامنے آگیا اور آگے آگے چل دیا' یہاں تک کہ لشکر اسلام تک پہنچا دیا۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت سفینہ کو شیر نے پہچان

لیا۔ دوسرے یہ کہ لشکر اسلام کی ایمانی خوشبو شیر کو دور سے معلوم ہو رہی تھی' جس خوشبو کے ذریعہ سے شیر نے لشکر کا ٹھکانا معلوم کر لیا' جیسے کوئی شخص باہر سے مکانات کے اندر کے کھانا وغیرہ پکنے کی خوشبو معلوم کرتا ہے' اس سے ثابت ہوا کہ جانور حضور علیہ السلام کو بلکہ ان کے غلاموں کو پہچان لیتے ہیں۔

صلی اللّٰہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

آیت نمبر ۷۵۔ "وماکنت تتلوا من قبلہ من کتب ولا تخطہ بیمینک اذا لا رتاب المبطلون" (پارہ ۲۱' سورہ عنکبوت رکوع ۵) (اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔ یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اے محبوب! علیہ السلام اہل عرب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش اور نبوت کے پہلے کے حالات سے بخوبی واقف ہیں کہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت سے پہلے کبھی کچھ لکھا اور نہ کبھی کوئی کتاب پڑھی' بلکہ علماء کی صحبت بھی اس سے پہلے اختیار نہ فرمائی' پھر اس زبان پاک سے ایسے بے مثل کلام الٰہی کا بیان ہونا' اور ایسی حکمت کی باتیں ادا ہونا کہ جس کی عالم میں مثل نہیں ملتی یہ اس بات کو ماننے کے لئے کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے نبی ہیں اور یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اگر اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھنے پڑھنے کا مشغلہ اختیار فرمایا ہوتا تو دوسرے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق شک کیا جا سکتا تھا۔ ایک تو یہ کہ اہل کتاب کہتے ہیں کہ ہماری کتاب میں نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہچان بتائی گئی ہے کہ وہ امی ہونگے اور یہ تو لکھتے پڑھتے ہیں یہ کس طرح نبی آخرالزمان ہو سکتے ہیں؟

دوسرے یہ کہ مشرکین عرب یہ کہتے ہیں کہ چونکہ بچپن شریف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم کا شغل رہا' علماء کی کتابیں دیکھیں' تواریخ کا مطالعہ کیا' اہل علم کی

صحبت حاصل ہوئی' اس لئے ان تاریخی واقعات اور حکمت کی باتوں کو جو ان کی کتابوں میں دیکھی تھیں یا اہل علم سے سنی تھیں بیان کر رہے ہیں اور اسی کا نام قرآن فرما رہے ہیں۔

اب جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھنا پڑھنا اختیار ہی نہ فرمایا تو اب کسی قسم کے شک و شبہ کی ان کو گنجائش ہی نہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امی ہو کر قرآن کریم کو پڑھنا اور لوگوں کو پہنچانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت اور نبوت کی دلیل ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ساری کتب الٰہیہ کے عارف اور ان کے اصلی و نقلی عبارتوں سے واقف ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔"یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ "جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام اہل کتاب کے تمام تبدیل کردہ احکام و آیات کو جانتے ہیں مگر بعض کی پردہ پوشی فرماتے ہیں کہ ارادہ الٰہی یہ ہی ہے۔

نکتہ:۔ اس جگہ تفسیر روح البیان میں دو باتیں نہایت ہی پر لطف بیان فرمائی گئیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ لکھنا انسان کا کمال ہے۔ قرآن نے فرمایا"عَلَّمَ بِالْقَلَمِ"(اللہ نے قلم سے علم سکھایا) پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کمال کیوں نہ عطا ہوا' بلکہ نہ لکھنے کو ان کا کمال فرمایا گیا؟

اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا۔ اولا تو یہ کہ لکھنا انسان کا کمال اس لئے بنا کہ انسان بھول جاتا ہے اور خطا کرتا ہے' قلم کی وجہ سے بھول و خطا سے بچے گا۔ مثل مشہور ہے کہ قلم علم کی قید ہے۔ نبی کریم علیہ السلام کا یہ کمال ہے کہ لکھتے نہیں مگر علم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھولتے نہیں' تمام مخلوق الٰہی میں بڑے عالم ہیں اور اس بڑے علم کو سینہ میں۔ محفوظ رکھا نہ کہ سفینہ میں چنانچہ فرمایا گیا"اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ" (اے محبوب!(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو آیات کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتریں ان کے بھول جانے کا خیال نہ کریں' اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ

پاک میں جمع کر دینا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پاک سے لوا کرا دینا ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔ نیز آپ لکھتے پڑھتے ہوتے تو کوئی کہتا کہ قرآن کے مضامین پرانی کتابوں سے یاد کر کے سناتے ہیں۔

دوسرے اس طرح کہ لکھنے والے قلم کا سایہ حروف پر پڑتا ہے اور محبوب علیہ السلام کی خواہش نہ ہوئی ہوگی کہ میرے قلم کا سایہ رب کے ذکر پر ہو یعنی میرا قلم تو اوپر ہو اور رب کا نام اس کے نیچے' اس پر رب کی طرف سے حبیب علیہ السلام کو یہ انعام ملا کہ آپ تو نہیں چاہتے کہ آپ کا قلم ہمارے نام پر ہو اور ہم نہیں چاہتے کہ کسی کا قدم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ پر ہو' لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ رکھا کہ کسی کے پاؤں کے نیچے آئے اور ہم نہیں چاہتے کہ کسی کی آواز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر بلند ہو' اس لئے حرام فرما دیا کہ کوئی انسان کہ فرشتہ یا جن' غرض کوئی بھی اپنی آواز نبی علیہ السلام کی آواز پر اونچی کرے۔

لطیفہ:۔اسی روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ حضور علیہ السلام نوری بشکل بشری تھے اسی لئے سایہ نہ تھا' حضرت جبرائیل علیہ السلام جب کبھی شکل انسانی میں آتے تو ان کا جسم بے سایہ ہوتا تھا' کیونکہ وہ بھی بشری شکل اور ملکی صفت میں ہوتے تھے' کسی نے خوب کہا ہے

بشر صورت ملک سیرت میں ظل نور یزدانی

تحقیق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو رب نے اپنی قدرت سے لکھنے کا علم بھی عطا فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھنا جانتے تھے جس کے متعلق روایات ملتی ہیں۔ ایک تو روح البیان میں اسی آیت میں یہ لکھا۔ دوسرے شارح قصیدہ بردہ خرپوتی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاتب وحی سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو دوات رکھنے' قلم پکڑنے اور حروف لکھنے کے طریقہ کی تعلیم فرمائی کہ اس طرح رحمٰن کی میم لکھو اور اس طرح فلاں فلاں حرف لکھو تیسرے

بخاری جلد اول کتاب الصلح میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے دن جب صلح نامہ لکھا گیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ حضور علیہ السلام کی طرف سے کاتب تھے۔ لکھا گیا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کفار نے کہا آپ رسول اللہ نہ لکھیں بلکہ لکھیں محمد ابن عبداللہ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو حکم دیا گیا کہ اچھا اتنے لفظ رسول اللہ پر قلم کھینچ دو۔ حضرت علی نے اس سے انکار کیا کہ میرا قلم اس پر نہ چلے گا' حضور علیہ السلام نے خود اس پر خط کھینچا۔

نیز اسی بخاری میں حدیث قرطاس میں ہے کہ مرض وفات شریف میں جمعرات کے دن فرمایا۔ "ایتونی بکتب اکتب لکم بکتب لن تضلوا بعدہ ابدا" (یعنی ہمارے پاس کاغذ لاؤ ہم کچھ لکھ دیں کہ اس کے بعد کبھی بے راہ نہ ہو۔)

اب قرآن کریم کا علم خط کی نفی فرمانا زمانہ نبوت سے پہلے کے متعلق ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہور نبوت سے پہلے خط نہ جانتے تھے' بعد نبوت جہاں اور علوم دیئے وہاں علم خط و قلم بھی دیا' ہاں لکھنے کی عادت اختیار نہ فرمائی اور کیوں لکھتے ان کی لوح لوح محفوظ' ان کا قلم قلم اعلیٰ' ان کو کیا ضرورت تھی کہ آپ اس دنیاوی قلموں سے ان کاغذوں پر لکھتے (روح البیان یہ ہی آیت)

ضروری ہدایت:۔ سب سے اول لکھنے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عربی' فارسی' عبرانی' رومی' قبطی' بربری' اندلسی' ہندی اور چینی زبانیں مٹی پر لکھیں' پھر ان سے یہ زبانیں ان کی اولاد کی طرف منتقل ہوئیں۔ چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے خط عربی میں لکھا کیوں کہ عرب آپ کی نسل سے ہیں وہ جو روایت میں آتا ہے "اول من خط بالقلم ادریس علیہ السلام" (یعنی قلم سے سب سے پہلے لکھنے والے ادریس علیہ السلام ہیں) یہاں خط سے مراد علم جفر کے نقوش ہیں نہ کہ زبانوں کی تحریر۔ واللہ اعلم (روح البیان)

غرضیکہ یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی نعت ہے نہ کہ علم خط کی نفی کرنے کی

والی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

آیت نمبر ۵۸۔ "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ" (پارہ ۲۱ سورہ احزاب رکوع ۱) (نبی مسلمانوں کے ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہیں اور ان کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت ہے۔ اس کے نزول کا واقعہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک بار صحابہ کرام کو غزوہ تبوک کے لئے چلنے کا حکم دیا تو بعض حضرات نے عرض کیا کہ ہم اس بارے میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کر لیں۔ ان کا یہ جواب دینا اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماں باپ کے مشورہ پر موقوف رکھنا بارگاہ الٰہی میں پسند نہ آیا' اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ (روح البیان) اس میں فرمایا یہ گیا کہ جس قدر قرب و ملکیت تمہاری جانوں سے تم کو ہے اس سے بھی زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم سے ہے۔ تو ان کے حکم کے ہوتے ہوئے کسی کے مشورہ کا انتظار کرنا ناپسند ہے۔ جب حضور علیہ السلام نے حکم دے دیا تو چاہے ماں کہے یا نہ کہے' تمہارا دل قبول کرے یا نہ کرے۔ بہرحال تم پر ان کی اطاعت واجب ہے۔ "اولیٰ" کے چند معنی ہیں۔ایک تو بمعنی زیادہ مالک' تو اب مطلب یہ ہوا کہ نبی علیہ السلام کو تم پر اتنا اختیار اور ملکیت ہے کہ اتنی ملکیت تمہاری جان کو' تمہارے جسموں اور اعضاء پر نہیں ہے۔ دیکھو جان جسم کے اعضاء کی ایسی مالک ہے کہ عضو کی کوئی بھی حرکت بغیر جان کے ارادے کے نہیں ہوتی۔ہاتھ' پاؤں' آنکھ' ناک' کان وغیرہ بالکل بے بس ہیں اور جان کے قبضہ میں ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کی ملکیت اور قبضہ اس سے بھی زیادہ ہونا چاہئے کہ جو بھی حرکت ہو وہ حضور علیہ السلام کے فرمان کے ماتحت ہو۔ حضرت سہل نے فرمایا کہ سنت رسول علیہ السلام کی لذت وہ کبھی نہیں پا سکتا جو اپنی جان' اپنے مال' اپنی اولاد' اپنی ہر چیز کو حضور علیہ السلام کی بالکل ملکیت نہ سمجھے۔ (روح البیان)

دوسرے معنی ہیں زیادہ لائق۔ تو معنی یہ ہوئے کہ حضور علیہ السلام جان سے بھی یادہ اطاعت کے لائق ہیں۔

اگر سردی کا موسم ہے' جان و دل چاہتے ہیں کہ پانی کو ہاتھ نہ لگاؤ مگر رات میں ل واجب ہو گیا حکم سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے کہ فجر کی نماز سے پہلے ل کر لو' اب جان و دل کی بات نہ مانو بلکہ رسول علیہ السلام کی اطاعت کرو اور بات ا یہ ہے کہ جس قدر احسانات حضور علیہ السلام کے ہم پر ہیں وہ کسی کے بھی نہیں ت کے بعد ہاتھ' پاؤں بیکار۔ قیامت میں یہ ہی ہاتھ پاؤں خلاف گواہی دیں مگر محبوب یہ السلام کا کرم زندگی' موت' قبر' حشر ہر جگہ شامل حال ہے۔ اسی طرح ماں باپ' بت دار کی محبتیں فنا ہونے والی ہیں کہ قیامت میں کوئی پہچانے بھی نہیں مگر حضور یہ السلام کسی جگہ فراموش نہیں فرماتے اور جس قدر احسان زیادہ اسی قدر استحقاق یادہ

تیسرے معنی ہیں زیادہ قریب جیسا کہ مدارج النبوت جلد اول باب سوم میں ہے کہ نزدیک تر نیز یہ ہی معنی کئے مولوی قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں تو ب معنی ہوئے کہ نبی مسلمانوں سے زیادہ قریب بمقابلہ ان کی جان کے۔ اور یہ معلوم ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ قریب ہماری جان ہے۔ اسی لئے اگر جسم کو ذرا بھی بلیف پہنچ جائے تو روح کو خبر ہو جاتی ہے اور جان سے بھی زیادہ قریب محمد رسول اللہ لی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔

اس سے مسئلہ حاضر و ناظر بھی حل ہو گیا کہ جان جسم کے ہر عضو میں حاضر و ناظر تی ہے تو حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس حاضر ہیں اور ناظر اور مسلمان تو زمین و آسمان کے ہر گوشہ میں رہتے ہیں' کیوں کہ فرشتہ اور جن و انسان سب ہی مسلمان ہیں حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

**نکتہ:**۔ رب نے اپنے لئے فرمایا "وَنَحنُ اَقرَبُ اِلَیهِ مِن حَبلِ الوَرِید"

(ہم تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) اور حبیب علیہ السلام کے لئے فرمایا: "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ" (کہ نبی علیہ السلام مسلمانوں سے بمقابلہ ان کی جانوں کے زیادہ قریب ہیں۔) اگر شہ رگ کٹ جائے تو بھی موت آ گئی' اگر جان نکل گئی تو بھی موت آ گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر اللہ سے کوئی شخص اپنے کو قریب نہ جانے تو ایمان ختم ہو گیا اور اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اپنے کو قریب نہ جانے تو بھی بے دین ہوا۔ اسی لئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا کہ مسلمانوں کے بہت سے فرقے ہوئے اور ان میں بہت سے اختلافات بھی ہیں مگر اس پر سب متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اسی لئے "التحیات" میں ہر شخص یہ کہتا ہے۔ "السلام علیک ایھاالنبی" "اے نبی! آپ پر سلام' قبر میں ہر شخص کو حضور علیہ السلام کا دیدار کرایا جاتا ہے چاہے وہ کہیں بھی مرے' جب تنہا گھر میں جائے تو کہے کہ "السلام علیک ایھاالنبی ورحمتہ اللہ وبرکاتہ"

غرضیکہ بہت سی آیات و احادیث اور اقوال فقہاء سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے اور بہت سے مسائل اس پر مبنی ہیں۔ اس کی پوری تحقیق مع تمام سوال و جواب ہماری کتاب "جاء الحق وزھق الباطل" میں دیکھو' اس میں ایسی وضاحت کر دی گئی ہے کہ جس سے زیادہ آسانی مشکل ہے۔

اب جو فرمایا گیا "وازواجہ امھاتھم" (نبی علیہ السلام کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔) یہ بھی "اولیٰ" سے بخوبی چسپاں ہے کہ باپ کے خون سے ہم پیدا ہوئے تو اس خونی رشتہ کا یہ اثر ہوا کہ باپ ہمارا اور ہمارے مال کا مالک قرار دیا گیا' باپ کی اطاعت واجب ہوئی اور جس عورت سے باپ نکاح کرے وہ بیٹے کے لئے حرام اور وہ اس کی ماں ہے' تو نبی کریم علیہ السلام نے نمود سے ہم سب وجود میں آئے اور حضور علیہ السلام سب کی اصل' تو جس بی بی سے حضور علیہ السلام نکاح فرمائیں اور وہ بیوی حضور علیہ السلام کے نکاح میں رہیں وہ مسلمانوں کی مثل ماں کے بدرجہ اولیٰ ہونی چاہئے۔ مگر

یہ ماں ہونا چند احکام میں ہے نہ کہ کل میں۔ ان سے نکاح کرنا حرام ہے اور ان کا ادب و احترام ماں کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن ان کو بے حجاب دیکھنا ان کے ساتھ تنہا سفر کرنا ناجائز ہے۔

اس طرح بعد موت کسی مسلمان کی میراث ان کو نہ ملے گی اور ان کے ساتھ خلوت کرنا کسی مسلمان کو جائز نہیں' ان کے اہل قرابت یعنی بہن بھائی مسلمانوں کے ماموں یا خالہ قرار نہ پائیں گے بلکہ ان سے نکاح جائز ہو گا۔ مثلاً حضرت عائشہ صدیقہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمانوں کی والدہ ماجدہ ہیں مگر ان کے بھائی عبدالرحمن مسلمان مردوں اور عورتوں کے ماموں نہیں اور ان کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمانوں کی خالہ نہیں' ان کے ساتھ نکاح اہل اسلام کا ہوا جس طرح حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کا ادب و احترام ضروری ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے سارے اہل قرابت مسلمین کا احترام ضروری ہے بلکہ ان کی اولاد امجاد حضرات سید صاحبان واجب التعظیم ہیں کہ ان کی عزت و حرمت مسلمانوں پر لازم ہے اور ان کی عیب جوئی یا دل آزاری سخت حرام اور حضور علیہ السلام کے غضب کا باعث ہے دیکھو تمام سید صاحبان پر زکوۃ کھانا حرام ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ لوگوں کے مال کا میل ہے تو ان کو مال کا میل دینا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے میں نے حضرت مولیٰ علیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں عرض کیا ہے۔

ہے صدقہ میل پھر اس پاک و ستھرے کو روا کیوں ہو
کہ دنیا کھا رہی ہے جس کے آل پاک کا صدقہ
وہ ہے خاموش قرآں اور یہ قرآن ناطق ہے
نہ ہوں جس دل میں یہ اس میں نہیں قرآن کا رشتہ

اسی طرح سادات کرام کو معمولی نوکر رکھنا' ان سے ذلت کے کام لینا' ان کو برے الفاظ سے پکارنا بھی سخت جرم ہے' ان کو عزت کی جگہ دو' ان میں علم کی تبلیغ کرو' ان

کے گھر سے تم کو کلمہ ملا' ایمان مل ۴ قرآن ملا' رحمٰن ملا' اسلام ملا' پھر تم پر بھی ضروری ہے کہ ان کو اپنا پڑھا ہوا علم دو اور اپنا پیسہ خرچ کر کے ان میں علم و ہنر کی اشاعت کرو۔ اس آیت کو غور سے پڑھو "قُل لَّآ اَسئَلُکُم عَلَیہِ اَجرًا اِلَّا المَوَدَّۃَ فِی القُربٰی" (فرما دو اے محبوب! کہ میں تم سے اس تبلیغ پر اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت) ایک معنی یہ بھی اس آیت کے ہیں کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو' اللہ توفیق دے۔

لطیفہ:۔ اس آیت کے ماتحت صاحب روح البیان نے فرمایا کہ مرید کو چاہئے کہ اپنے پیرو مرشد کی بیوی سے بعد طلاق نکاح نہ کرے اسی طرح شاگرد کو لائق نہیں ہے نہیں کہ اپنے استاد کی بیوی سے بعد طلاق نکاح نہ کرے کہ اگرچہ یہ بروئے فتوی جائز ہے مگر تقوی کے خلاف' اور تقوی فتوی سے اوپر ہے۔ اگر مرید یا شاگرد نے اپنے مرشد یا استاد کی بیوی سے نکاح کیا تو دنیا و آخرت میں بھلائی نہ دیکھے گا۔

آیت ۵۹۔ "لَقَد کَانَ لَکُم فِی رَسُولِ اللّٰہِ اُسوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَن کَانَ یَرجُو اللّٰہَ وَالیَومَ الاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیرًا" (پارہ ۲۱ 'سورہ احزاب رکوع ۳) (بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی بہتر ہے اس کے لئے کہ جو اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے اور اس میں مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ اگر تم اللہ سے کچھ انعام کی امید رکھتے ہو اور قیامت کی بہتری چاہتے ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی پاک کو اپنی زندگی کے لئے نمونہ بنا لو اور ان کی پیروی کرو۔ اس میں دو طرح سے حضور علیہ السلام کی صفات حمیدہ کا ذکر ہے۔

ایک تو یہ کہ ان کی زندگی پاک کو اپنے لئے مشعل راہ بنانا کامیابی کا ذریعہ ہے' اور یہ ہی معنی ہیں وسیلہ کے۔ اللہ کے محبوب علیہ السلام مسلمانوں کے لئے وسیلہ عظمٰی ہیں۔

خلاف پیمبر کے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

دوسرے اس طرح کہ یہ حکم ہر مسلمان کو دیا گیا ہے خواہ کسی ملک کا ہو یا کسی وقت ہو' مطلب یہ ہوا کہ قیامت تک کے تمام مسلمان اپنی زندگی حضور علیہ السلام کے تابع کر دیں۔ اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں بعض تو بادشاہ ہوں گے اور بعض وزیر' بعض حاکم بعض مالدار' بعض غریب' بعض گھر والے' اور بعض تارک الدنیا اب ہر شخص چاہتا ہے کہ میری زندگی حضور علیہ السلام کی زندگی کے ماتحت ہو' تو اس قدر فرق زندگی کے ہوتے ہوئے سب لوگ کس طرح حضور علیہ السلام کی پیروی کریں۔

تو اب اس آیت سے یہ نتیجہ نکلا کہ ہمارے محبوب کی زندگی پاک ایسی بے مثال اور انوکھی ہے کہ دنیا میں ہر شخص اپنے لئے اس کو مثال بنا سکتا ہے' ایسی زندگی عالم میں کسی کی نہیں گزری۔ بطور مثال سمجھو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی ترک دنیا میں گزاری کہ مکان تک نہ بنایا۔ ان کی پیروی تارک الدنیا تو بطور نمونہ کر سکتا ہے مگر ایک قاضی بادشاہ اپنے لئے ان کی زندگی کو مثال نہیں بنا سکتا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی پاک سلطنت و حکومت کے ساتھ گزری تو سلطان و بادشاہ تو ان کی زندگی کو مثال بن سکتا ہے۔ مگر فقیر بے نوا کے لئے ان کی زندگی نمونہ نہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس مگر یہ تو شان میرے محبوب علیہ السلام ہی کی ہے کہ حاکم ہو' چاہے محکوم' رعایا ہو' چاہے بادشاہ' مالدار ہو یا فقیر بے نوا' سب کے لئے دعوت عامہ ہے کہ آؤ میرے محبوب کی زندگی کو دیکھو اور ان کے نقش قدم پر چلے آؤ۔

سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہر انسان کے ہر درجہ و مراتب کے لئے نمونہ ہے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متوکل ایسے کہ دو دو ماہ تک گھر میں آگ نہیں جلتی' صرف کھجوروں اور پانی پر گزارہ ہے۔

اور کبھی تھوڑی کھجوریں کھانا' پانی پی کر پھر رہ جانا

دو دو مہینہ یوں ہی گزارا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
قبضہ میں جس کے ساری خدائی' اس کا بچھونا چٹائی
نظروں میں کتنی ہیچ ہے دنیا صلی اللہ علیہ وسلم
کھانا جو دیکھو جو کی روٹی' بے چھنا آٹا روٹی موٹی
وہ بھی شکم بھر روز نہ کھانا صلی اللہ علیہ وسلم

امت کے مساکین ان حالات مبارک کو دیکھیں اور صبر سے کام لیں۔ اگر سلطنت اور بادشاہت کی زندگی گزارنی ہے تو ان حالات کو ملاحظہ کرو کہ فتح مکہ ہو گئی' تمام وہ کفار مکہ سامنے حاضر ہیں جنہوں نے بے انتہا تکلیفیں پہنچائی تھیں' آج موقعہ تھا کہ ان تمام گستاخوں سے بدلہ لیا جائے مگر ہوا یہ کہ فتح فرماتے ہی عام معافی کا اعلان فرما دیا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے' جو اپنا دوازہ بند کر لے اس کو امن ہے' جو ہتھیار ڈال دے اس کو امن ہے' غرض کہ یوسف علیہ السلام پر دس بھائیوں نے چند گھنٹہ ظلم و ستم کیا اور جب سلطنت حضرت یوسف علیہ السلام میں غلبہ لینے کو حاضر ہوئے تو فرمایا "لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ" (آج تم پر کوئی سختی نہ ہو گی اللہ تمہاری مغفرت فرمادے۔)

مگر حضور علیہ السلام نے ۱۳ سال تک اپنے پر اہل مکہ کی طرف سے سختیاں برداشت کیں۔ صحابہ کرام' اہل بیت عظام' ان کے گھر والے اور ان حضرات کی جان و مال عزت و آبرو سب ہی خطرے میں رہے' آخر کار دیس چھوڑ کر دیسی ہونا پڑا مگر جب اپنا موقع آیا تو سب کو معاف فرما دیا۔ قیامت تک کہ سلاطین اس کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں ۔ اگر مالداری اور تونگری کی زندگی کوئی گزارنا چاہتا ہے تو ان حالات کو ملاحظہ کرے۔

کہ ایک شخص کے کھیت میں لمبی ککڑی پیدا ہوئی' تحفہ کے طور پر حاضر بارگاہ کی' اس کے عوض میں ایک لپ بھر سونا عنایت فرمایا۔ایک بار بکریوں سے بھرا ہوا جنگل

حضور علیہ السلام کی ملکیت میں آیا کسی نے عرض کیا یا حبیب اللہ! صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اب اللہ نے حضور علیہ السلام کو بہت ہی مالدار اور تونگر بنا دیا' فرمایا کہ تو نے میری تونگری کیا دیکھی؟ عرض کیا کہ اس قدر بکریاں ملکیت میں ہیں' فرمایا جا تجھ کو سب عطا فرما دیں۔ وہ اپنی قوم میں یہ مال لے کر پہنچے اور قوم والوں سے کہا کہ اے لوگو! ایمان لے آؤ قسم رب! کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اتنا دیتے ہیں کہ فقر کا خوف نہیں فرماتے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک بار اتنا دیا کہ وہ اٹھا نہ سکے۔ یہ سب واقعات احادیث میں موجود ہیں اور خرپوتی نے ان کو ایک جگہ بیان کیا ہے۔ مالدار یہ واقعات مبارکہ خیال میں رکھیں اور زندگی گزاریں۔

اگر کسی کی زندگی اہل و عیال کی زندگی ہے' تو خیال کرے کہ میری تو ایک یا دو یا زیادہ سے زیادہ چار بیویاں ہیں اور کچھ اولاد مگر محبوب علیہ السلام کی ۹ بیویاں ہیں۔ اولاد اور اولاد کی اولاد' داماد' غلام' لونڈیاں' متوسلین اور مہمانوں کا ہجوم ہے۔ پھر کس طرح ان سے برتاؤ فرمایا' اور اسی کے ساتھ ساتھ کس طرح رب کی یاد فرمائی۔

اگر کوئی تارک الدنیا اپنی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو غار حرا کی عبادت' وہاں کی ریاضت' دنیا کی بے رغبتی کو دیکھے اور کتاب الرقاق کی احادیث کا مطالعہ کرے۔ غرض کہ ساری قومیں اپنے لئے نمونہ بنا کر بے دھڑک دنیا میں آرام اور ہدایت سے رہ سکتی ہیں۔

قوت و طاقت کا یہ حال ہے کہ جنگ حنین میں حضور علیہ السلام خچر پر تنہا رہ گئے' مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے' کفار نے خچر کو گھیر لیا' حضرت عباس اور ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما باگ کھڑے ہوئے تھے جب ملاحظہ فرمایا کہ کفار نے یلغار کی ہے تو خچر سے اترے اور فرمایا کہ ہم جھوٹے نبی نہیں۔ ہم عبدالمطلب کے پوتے ہیں' کسی کی ہمت اور جرات نہ ہوئی کہ سامنے ٹھہر جاتا۔

ابور کلنہ عرب کا مشہور پہلوان تھا جو کبھی کسی سے مغلوب نہ ہوتا تھا۔ حضور علیہ السلام نے تین بار اس کو زمین پر دے مارا' وہ اسی پر حضور علیہ السلام کا مداح بن گیا مگر اس کے ساتھ رحم و کرم کا یہ حال نہ تو کبھی کسی کو برا فرمایا نہ کسی خادم یا اہل خانہ کو اپنے ہاتھ سے مارا۔

غرض کہ زندگی کیا ہے؟ قدرت الیہ کا ایک نمونہ ہے۔ اسی لئے آیت کریمہ میں سب کو عام اعلان ہے کہ سب لوگ اپنے لئے اس مبارک زندگی کو نمونہ بنالیں۔

اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی ذات تمہارے لئے قدرت رب کا نمونہ یا سمپل ہے جیسے کہ کاریگر نمونہ پر اپنا سارا زور ہنر لگا دیتا ہے۔ اسی طرح دست قدرت نے اس ذات پر اپنے سارے کمالات کا اظہار فرمایا اور جیسے کہ دکان کا نمونہ ایک ہی ہوتا ہے اور بازار میں نمائش گاہ خلائق ہوتا ہے ایسے ہی یہ ذات کریم بھی کارخانہ قدرت کا ایک ہی نمونہ ہے۔ جو اس کے کمالات کا انکار کرے وہ در پردہ رب کے کمال کا منکر ہے۔

صاحب روح البیان نے اس جگہ ایک نئی بات کہی کہ یہ تو تفصیل جب تھی جبکہ اس آیت کے معنی کئے جائیں کہ تمہارے لئے حضور علیہ السلام کی پیروی بہتر ہے۔ یعنی اپنی آئندہ زندگی میں۔ مگر دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تمہارے لئے حضور علیہ السلام کی پیروی بہتر تھی۔ یعنی عالم ارواح میں ہر جگہ حضور علیہ السلام مقتداء رہے ہیں اور تم سب ان کے مقتدی ہو' وہ اس طرح کہ سب سے پہلے نور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوا' پھر تم سب میں سب سے اول ربانی فیض روح مصطفےٰ علیہ السلام نے حاصل کیا بعد میں تم نے "اَلَستُ بِرَبِّکُم" کے جواب میں سب سے پہلے روح رسول علیہ السلام نے "بَلٰی" کہا۔ بعد میں اوروں نے صلب حضرت آدم علیہ السلام سے سب سے پہلے حضور علیہ السلام کی روح عہد وپیمان کے لئے باہر تشریف لائی' بعد میں تم سب کی ارواح وغیرہ وغیرہ۔ تو اب لازم ہے کہ آئندہ زندگی میں بھی تم ان

کے پیروکار ہو کر رہو صلی اللہ علیہ وسلم۔

آیت نمبر ۶۰۔ "یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ الآیہ" (پارہ ۲۲' سورہ احزاب رکوع ۵) (اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

اس آیت میں پہلے اور بعد والی آیات کے ساتھ بظاہر تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج پاک کو ہدایات فرمائی جا رہی ہیں اور ان کے فضائل کا ذکر ہے مگر درحقیقت یہ حضور علیہ السلام کی نعت پاک ہے۔ اس میں فرمایا کہ اے ہمارے پیغمبر کی بیویو! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں' تمہارے درجات اور تمہارے احکام بہت سے جداگانہ ہیں مگر یہ درجات و فضائل کس لئے ہوئے اس لئے کہ تم نبی کی بیوی ہو۔ جس ذات کریم کی نسبت میں یہ عظمت ہو' تو وہ ذات پاک کیسی عزت و عظمت والی ہے۔ اس آیت میں چند فائدے حاصل ہوئے۔

ایک تو یہ کہ حضور علیہ السلام کی بیویاں تمام جہان کی عورتوں سے افضل ہیں کیوں کہ یہاں "نساء" میں کوئی قید نہیں۔ حضرت مریم علیہ السلام اور حضرت آسیہ زوجہ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے اپنے وقت کی عورتوں سے افضل تھیں لیکن حضور علیہ السلام کی ازواج پاک ہر زمانہ کی بیویوں سے افضل اور بہتر ہیں جیسے کہ نبی اسرائیل کے لئے فرمایا گیا "اِنّی فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ" (ہم نے تم کو تمام عالم والوں پر بزرگی دی) تو اس زمانہ کے لوگوں پر واقعی وہ افضل تھے اور اب غلامان مصطفےٰ علیہ السلام سب امتوں سے افضل۔

دوسرے یہ کہ اس میں گفتگو ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا افضل ہیں یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عائشہ صدیقہ افضل ہیں۔ اس آیت کی وجہ سے' بلکہ تمام صاحبزادیوں سے تمام ازواج پاک افضل ہیں کیونکہ اس آیت نے کسی کی قید نہ لگائی۔ دوسرے یہ کہ یہ صاحبزادیاں اولاد ہیں اور ازواج پاک والدات اور

والدہ مخدومہ ہوتی ہیں۔

تیسرے یہ کہ جنت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و دیگر ازواج مطہرات پاک حضور علیہ السلام کے ساتھ قیام فرمائیں گی اور حضرت زہرا سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ۔ ان وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبزادیوں سے ازواج پاک افضل ہیں اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازواج پاک سے افضل ہیں چند وجہوں سے۔

ایک تو یہ کہ ان کا خمیر خون خیرالرسل سے ہے' یعنی ان کی طہارت ذاتی ہے' کیوں کہ جزء مصطفےٰ ہیں علیہ السلام اور ازواج کی خارجی۔

دوسرے یہ کہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام جنتی بیویوں کی سردار ہیں۔ اسی لئے ان کا لقب سیدۃ النساء اور جنتی بیویوں میں حضرات امہات المومنین بھی داخل ہیں۔

تیسرے یہ کہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہم شکل محبوب ہیں علیہ السلام چوتھے یہ کہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حیض و نفاس سے پاک ہیں (دیکھو مدارج النبوت) اسی لئے ان کو زہرا یا کہ بتول یا کہ فاطمہ کہتے ہیں۔ زہرا کے معنی جنت کی کلی' فاطمہ اور بتول کے معنی ہیں دنیا میں ہوتے ہوئے دنیا سے بے تعلق۔ ہم نے عرض کیا ہے

بتول و فاطمہ زہرا لقب اس واسطے پایا
کہ دنیا میں رہیں اور دیں پتہ جنت کی نکہت کا

مبسوط سرخسی کتاب الکراہیتہ باب اللمس میں ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت خاتون جنت کے جسم کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے ان سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔ (دیکھو ہمارا دیوان' دیوان سالک) اس میں بہت سے مناقب ازواج و اولاد جمع ہیں مع شرح کے۔

مگر فیصلہ یہ ہے کہ لولا تو ان امور میں بحث نہ کی جائے جیسا کہ شامی باب الکفو میں نقل فرمایا بلکہ دونوں حضرات ہمارے آقا ہیں۔ ایک تو محبوب کی محبوبہ ہیں' دوسری محبوب کی لختِ جگر رضی اللہ تعالیٰ عنہا' اگر قیامت میں کسی کے نعلین پاک ہاتھ آ جائیں' ہم فقیروں کا بیڑا پار ہے۔ اگر فیصلہ ہی منظور ہے تو یوں کہہ لو کہ بعض لحاظ سے حضرت خاتون افضل اور بعض سے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' تیسرا فائدہ اس سے یہ حاصل ہوا کہ احکام شرعیہ میں بھی حضور علیہ السلام کی ازواج پاک دیگر بیویوں کی طرح نہیں مثلاً دیگر عورتیں بعد طلاق یا شوہر کی وفات کے بعد دوسرا نکاح کر سکیں مگر یہ حضرات سب مسلمانوں کی والدہ' دوسری بیویاں شوہر کی میراث پائیں مگر یہ حضرات نہیں دیگر عورتیں کو احتلام ہو مگر امہات المومنین اس سے محفوظ' کیوں کہ احتلام شیطان کے اثر سے ہوتا ہے اور محبوب کی ازواج تک شیطان کس طرح پہنچ سکتا ہے دیکھو مشکوٰۃ باب الغسل کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عورت کے احتلام کو سن کر تعجب فرمایا' امہات المومنین نے حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد اپنے سروں کے بال کتروا دیئے تھے (دیکھو مسلم مقدار پانی کی غسل کی بحث) کیوں کہ اب ان کو زینت کی ضرورت ہی نہ رہی' دوسری عورتوں کو بال کتروانے نے حرام ہیں ان کے دولت خانہ میں حضور علیہ السلام دفن ہوئے۔ دوسری عورتوں کے گھروں میں ان کے شوہر دفن نہ ہوں' غرضیکہ بہت سے احکام میں فرق ہے۔

فائدہ:- تمام ازواج مطہرات جہان بھر کی عورتوں سے افضل ہیں مگر پھر ان میں آپس میں درجات ہیں۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باقی ازواج سے افضل ہیں' عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو حضور علیہ السلام کو کنواری ملیں اور حضور علیہ السلام خدیجہ الکبریٰ کو بے شادی شدہ اور نسل رسول علیہ السلام حضرت خدیجہ الکبریٰ سے پھیلی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں اور نکاح نہ فرمایا' ہمیشہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے قربانی

فرمائی وغیرہ وغیرہ' اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا علم و فضل میں تمام عورتوں میں بے مثل کہ صحابہ کرام کے علمی اختلافات آپ طے فرماتی تھیں۔ محبوبہ محبوب رب العالمین آپ کا لقب ہوا' آپ کے بستر میں حضور علیہ السلام کو وحی آئی' حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سلام عرض کیا' حضور علیہ السلام کا وصل شریف آپ کے سینہ پاک اور گود شریف میں ہوا' آپ کا حجرہ قیامت تک فرشتوں اور انسانوں اور جنات کی زیارت گاہ بنا' کیوں کہ حضور علیہ السلام کا یہ حجرہ آخری آرام گاہ بنا' خود صدیقہ صدیق کی بیٹی سید الانبیاء کی دنیا و آخرت میں زوجہ۔

جن کا پہلو ہو نبی کی آخری آرام گاہ
جن کے حجرے میں قیامت تک نبی ہوں جاگزیں

جب آپ پر بعض لوگوں نے تہمت لگائی' تو سورہ نور نے ان کی نورانیت اور بریت کو بیان فرمایا اب بھی جو مسلمان قیامت تک قرآن پڑھے گا وہ ان کی عصمت کی گواہی دے گا۔

وہ جو ہے سورہ نور جن کی گواہ
ان کی نورانی صورت پہ لاکھوں سلام

**آیت نمبر ۶۰۔ "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُه اَمْرًا اَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ"** (پارہ ۲۲' سورہ احزاب رکوع ۵) (اور کسی مرد نہ کسی مسلمان عورت کا حق ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرما دیں اور انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح نعت ہے اور اس میں حضور علیہ السلام کے خداداد اختیارات کا بیان ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت زید ابن حارثہ جن کو حضور علیہ السلام نے آزاد فرمایا تھا اور وہ حضور ہی کی خدمت میں رہتے تھے۔' حضور علیہ السلام نے ان کے نکاح کا پیام حضرت زینت بنت

جحش کے لئے دیا۔ حضرت زینب حضور علیہ السلام کی پھوپھی کی دختر تھیں یعنی میمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں' اس پیغام کو حضرت زینب بنت جحش اور ان کے بھائی عبداللہ ابن جحش نے منظور نہ کیا' کیوں کہ حضرت زینب قریش میں عالی خاندان کی لڑکی تھیں اور حضرت زید اس درجہ کے خاندانی نہ تھے' اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس میں فرمایا گیا کہ اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کسی چیز کا حکم دیں تمہاری جانوں یا مال یا کسی کے متعلق تو تم کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں رہتا اس پر سر جھکا دینا تمہارا فرض ہے۔

اس آیت کو سن کر حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ بھی اس نکاح پر تیار ہو گئے اور بخیروخوبی نکاح ہو گیا۔ اور اس نکاح کا مہر دس دینار' ساٹھ درم' ایک جوڑا' پچاس مد کھانا' تین صاع کھجوریں حضور علیہ السلام نے حضرت زینب کو دیا' اس سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

اولاً یہ کہ اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کا حکم یکساں طور پر واجب العمل ہے۔ قرآن کے احکام اور احادیث کے احکام ایک ہی حکم میں ہیں کیوں کہ فرمایا گیا "اذاقضی اللّٰہ ورسولہ" (جب اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام فیصلہ فرمادیں) اور ہونا بھی یہ ہی چاہئے کیوں کہ فرمان خدا حضور علیہ السلام نبی ہی کے ذریعہ سے پہنچتے ہیں۔ حدیث و قرآن میں فرق اس قدر ہے کہ قرآن کا مضمون اور عبارت یعنی کلمات وحی سے آئے اور حدیث کا مضمون تو وحی سے آیا مگر کلمات حضور علیہ السلام کے ہیں۔ اسی لئے حدیث کی تلاوت نماز میں نہیں ہوتی۔ ہاں اب اگر یقینی طور پر ثابت ہو جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اس پر سارے احکام قرآن کے جاری ہوں گے اور اس کا انکار کفر' اس سے قرآن کا نسخ جائز ہو گا اور اگر اس کے حدیث ہونے میں شک ہے تو اس شک کی وجہ سے انکار کفر نہ ہو گا۔ اور نہ اس سے نسخ قرآن ہو' نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج وغیرہ قرآن سے ثابت ہیں' اگر نماز کے اوقات ان کی تعداد کہ پانچ ہیں' ان کی رکعتیں' اسی

طرح زکوٰۃ کا نصاب' ادا کا طریقہ' روزے کے فرائض' طریقہ حج' اس کے ارکان غرضیکہ سب چیزیں احادیث سے ہی ثابت ہیں بلکہ یہ امر کہ قرآن کے تیس پارے ہیں' اتنی سورتیں ہیں' یہ مکی ہے یہ مدنی ہے' اس میں فلاں جگہ آیت وغیرہ ہے یہ سب احادیث ہی سے ثابت ہیں۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ احادیث دین میں ضروری ہیں۔

دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام مسلمانوں کی جانوں اور مالوں اور اولاد سب کے مالک ہیں جس طرح کہ مولیٰ کے حکم کے ہوتے ہوئے غلام کو کوئی حق نہیں ہوتا کہ انکار کرے اسی طرح حضور علیہ السلام کے حکم پر کسی کو انکار کا حق نہیں' لڑکیوں کے پیغام و سلام تو جگہ جگہ سے آیا ہی کرتے ہیں کسی کو منع اور کسی سے اقرار لڑکی والے کیا ہی کرتے ہیں مگر یہ حضرت زید کا کیا پیغام تھا کہ اس کے انکار کا نہ حضرت عبداللہ کو حق رہا نہ حضرت زینب کو۔ یہ پیغام نہ تھا بلکہ حکم مصطفیٰ تھا علیہ السلام۔ اسی طرح پیغام کے بعد خاص نکاح کے وقت لڑکی سے اذن لیتے ہیں کہ تیرا نکاح فلاں سے کر دیں۔ لڑکی کو ہاں یا ناں کا اختیار رہتا ہے مگر حضرت زینب کو اس کا بھی اختیار نہ رہا۔ یہ ہے کہ سلطنت مصطفےٰ صلی اللہ وعلی واصحابہ وبارک وسلم

فائدہ:۔ حضور علیہ السلام کا جو فرمان بطور شاہی حکم کا ہو گا' اس کے نہ ماننے کا حق کسی کو نہ ہو گا اور جو فرمان کہ بطور مشورہ ہو گا' اس کا قبول کرنا بہتر ہو گا' مگر قبول نہ کرنے کا بھی حق ہو گا اسی لئے آیت میں فرمایا گیا "قضی" یعنی فیصلہ فرما دیں۔

حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آزاد ہوئیں' ان کا نکاح حضرت مغیث سے ہو چکا تھا۔ آزادی سے پہلے جس وقت ان کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ملا' انہوں نے چاہا نکاح فسخ کر دوں' حضور علیہ السلام نے مغیث کی سفارش فرمائی کہ تم نکاح فسخ نہ کرو' عرض کرنے لگیں کہ یا حبیب اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ حکم ہے یا مشورہ؟ فرمایا مشورہ ہے تو عرض کیا اگر مشورہ ہے تو میں مغیث سے راضی نہیں ہوں اور نکاح فسخ کر دیا۔

تیسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اگر کوئی بھی سرکاری حکم اپنی طبیعت کے مطابق ہو تو

اس پر حمد الٰہی ادا کرے اور اگر بانی طبیعت یا اپنی رائے یا اپنی عقل کے خلاف ہو تو قصور اپنی طبیعت اور عقل کا جانے اور اپنے کو اطاعت کرنے پر مجبور کرے۔ انشاء اللہ اسی میں بہتری دیکھے گا' اس حکم پر اعتراض کرنا بدبختی کی نشانی ہے۔ دیکھو نکاح میں کفو کا لحاظ ہوتا ہے۔ بظاہر حضرت زید حضرت زینب کے کفو کے نہ تھے مگر جب حکم رسالت مل گیا' پھر یہ امور کیسے؟ حکم سب پر مقدم ہے۔

صاحب روح البیان نے اس آیت کے ماتحت فرمایا کہ مرید کو چاہئے کہ اپنے مرشد کامل کے حکم کو بے چون و چرا تسلیم کرے اور بے دھڑک اس پر اعتراض نہ کرے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

پیر را بگزیں کہ بے پیرا ایں سفر ہست بس پر آفت و خوف و خطر

چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو ہمچو موسےٰ زیر حکم خضر رو

(یعنی سفر راہ طریقت کے لئے پیرا کو اختیار کرو ورنہ خطرہ ہے اور جب پیر پکڑ لیا تو سراپا تسلیم و رضا سے کام لو' حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خضر علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تم میری کسی بات پر اعتراض نہ کرنا) پھر فرماتے ہیں

گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن

گرچہ طفلے راکشد تو مومکن

(یعنی اگر وہ کشتی توڑے تو دم نہ مارو' اگر وہ بچے کو قتل کرے تو سوال نہ کرو) مگر یہ احکام مرشد کامل کے ہیں۔ ناقص مرشد تو تباہی کا باعث ہے' گمراہ پیر یا فاسق پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دینا سخت ظلم ہے۔ مولانا فرماتے ہیں

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

پس بہت دستے نباید داد دست

مرشد کامل کون ہوتا ہے اس کی بحث کریں گے انشا اللہ زیر آیت "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ"

آیت نمبر ۴۲۔ "مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" (پارہ ۲۲' سورہ احزاب رکوع ۵) (محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں سے پچھلے۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح نعت ہے' اس کے متعلق چند امور قابل غور ہیں۔ اولا تو شان نزول' دوم اس کے فائدے' تیسرے خاتم النبیین کے معنی' اس آیت کا گزری ہوئی آیات سے تعلق۔ وہ اس طرح کہ جب حضرت زینب کا نکاح حضرت زید سے کر دیا گیا تو قضائے الٰہی کہ شوہر و بیوی میں نا اتفاقی رہی اور حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد حضرت زینب کا نکاح حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا جس کا ذکر اس آیت سے پہلے کی آیت میں ہے۔

"فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا" (پھر جب زید کی غرض ان سے نکل گئی تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دے دی) حضرت زینب فخر فرمایا کرتی تھیں کہ سب بیویوں کا نکاح تو ان کے اہل قرابت کرتے ہیں اور میرا نکاح میرے رب نے عرش پر کیا' چونکہ حضرت زید ابن حارثہ کو حضور علیہ السلام نے اپنا فرزند فرمایا تھا اور منہ بولا بیٹا بنایا تھا' اس لئے بعض کفار نے اعتراض کیا کہ حضور علیہ السلام نے اپنے فرزند کی بیوی سے نکاح کر لیا' اس اعتراض کا رب نے جواب دیا کہ یہ حرمت کے احکام تو نسبی فرزند کے لئے ہوتے ہیں ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں پھر ان کا کوئی فرزند کیوں کر ہو گا؟ اور جب فرزند ہی نہیں تو اس کی بیوی حضور علیہ السلام کو کیونکر حرام ہو گی؟

اس آیت میں چند طرح سے نعت ثابت ہو رہی ہے۔ اولا تو یہ کہ اعتراض ہو محبوب علیہ السلام پر اور جواب دے پروردگار' پھر یہ بھی نہیں کہ ان سے فرمایا جاتا کہ

محبوب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دو نہیں بلکہ خود جواب دیا جس کے معنی ہوئے کہ حبیب پر اعتراض کرنا یقیناً پروردگار پر اعتراض کرنا ہے۔ اسی لئے پہلے فرمایا گیا تھا" زوجنا کھا" ہم نے آپ کا نکاح کر دیا' کہو اب کون اعتراض کرتا ہے؟

دوسرے یہ کہ سارے قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو نام پاک سے کہیں یاد نہ فرمایا گیا بلکہ صرف چار جگہ ایک تو یہاں دوسرے سورہ فتح میں "مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰه" تیسرے سورہ محمد میں "بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ" چوتھے "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ" اس نام پاک کے آنے میں بہت سی مصلحتیں ہیں چار جگہ نام پاک آیا کہ لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حرف بھی چار ہی ہیں' اللہ جانے چار میں کیا خصوصیت رکھی ہے؟ میں نے ایک نعت میں دو شعر اسی مطلب کے عرض کئے ہیں اپنے دیوان سالک میں۔

چار رسل' فرشتے چار' چار کتب' دین چار
سلسلے دونوں چار چار' لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب و خاک و باد سب کا انہی سے ہے اثبات
چار کا سارا ماجرا' ختم ہے چار یار میں

کلمہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) محمد حضور علیہ السلام کا اسم ذاتی ہے اور باقی اسمائے طیبہ اسمائے صفاتیہ جیسے کہ کلمہ "اللہ" خدا کا اسم ذاتی' باقی اسماء صفاتیہ ہیں' مگر اس کلمہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اللہ کے ساتھ بہت ہی مناسبت ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حرف چار ہیں۔ اللہ میں بھی چار' محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تشدید ایک' اللہ میں بھی ایک مگر لفظ اللہ کی تشدید پر الف ہے اور یہاں نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ رب سلطان اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وزیر اعظم' پھر اللہ بولو تو دونوں لب علیحدہ علیحدہ ہو جائیں' اور محمد بولو تو نیچے کا ہونٹ اوپر سے مل جائے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات بلند و بالا کہ ہم بندوں کی وہاں تک

رسائی، ناممکن مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان نیچوں کو اس بلندوبالا تک پہنچانے والے ہیں۔

ایک نکتہ ہے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام میں جس کو ہم نے اپنے دیوان میں اس شعر میں ادا کیا۔

تری ذات میں جو فنا ہوا، وہ فنا سے نو کا عدد بنا
جو اسے مٹائے وہ خود مٹے، وہ ہے باقی اس کو فنا نہیں

لفظ "محمد" کے عدد بانوے اور بانوے میں دہائی نو کی ہے اور نو کے عدد میں عجب تماشہ ہے کہ نو کو سارے پہاڑے میں گن جاؤ مگر نو ہی رہتا ہے۔
۹، ۱۸، ۲۷، ۳۶، ۴۵، ۵۴، ۶۳، ۷۲، ۸۱، ۹۰۔ ان کے مکتوبی عددوں کو ملاؤ، تو نو ہی بن رہے ہیں، اسی طرح ایک سے لے کر نو تک کی اکائیاں لو، جن کناروں کی اکائیاں ملاؤ گے تو نو ہی بنے گا جیسے کہ ۱اور ۸، ۲ اور ۷، ۳ اور ۶، اور ۵۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه میں بارہ حرف ہیں، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه میں بھی بارہ حرف ہیں، اسی طرح ابوبکر صدیق اور عمر ابن الخطاب ابن عفان اور علی بن ابوطالب کہ ان سب میں بارہ بارہ حرف ہیں۔ اس لفظ "محمد" میں بہت سی تاثیرات ہیں اگر کسی کے ہاں فقط لڑکیاں ہوتی ہوں تو اپنی حاملہ بیوی کے شکم پر انگلی سے لکھ دیا کرے "من کان فی هذه البطن فاسمه محمد" چالیس روز تک یہ عمل کیا جائے مگر شروع حمل ہو تو انشاء لڑکا ہی پیدا ہو گا اور جس بچہ کا نام محمد ہو اس کا ادب و احترام کیا جائے، مگر شروع بگاڑ کو نہ لیا جائے، غرضیکہ اس کے بہت سے آداب ہیں۔(روح البیان)

لفظ "محمد" کی کچھ خصوصیات ہم "قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ محمد کے معنی ہیں ہر طرح تعریف کے لائق کہ اس میں نقص اور عیب کی گنجائش نہ ہو جو ان کو (محمد) کہہ کر ان میں عیب نکالے اور وہ اپنے منہ سے خود جھوٹا ہے۔ اسی لئے کفار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مذمم کہہ کر

بکواس کیا کرتے تھے۔ سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا کہ رب نے مجھے ان کی گالیوں سے بچالیا کہ وہ مذمم برا کہتے ہیں اور ہم محمد ہیں صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم۔ یا اس کے معنی ہیں سراہا ہوا' یعنی خالق بھی آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی تعریف فرماتا ہے اور ساری مخلوق بھی اور ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم تعریف کئے ہوئے کہ دنیا کی آفرینش سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی تعریف شروع ہوئی اور قیامت بلکہ ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی تعریف ہوتی رہے گی۔ اور ہر جگہ تعریف کیا ہوا عرش و فرش' بحرو بردشت و جبل ہر جگہ حضور علیہ السلام کی تعریف ہے' محمد میں دو میم' ایک ح اور ایک دال ہے' دو میم سے مراد ملک دنیا و آخرت ہے' ح سے مراد رحمت اور دال سے مراد دائمی یعنی نبی علیہ السلام دونوں جہان کی دائمی رحمت (دیکھو دلائل الخیرات شریف) "اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ" میں فرمایا گیا کہ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں یعنی حضرت فاطمہ الزہرا' رقیہ و کلثوم و زینب رضی اللہ عنہن کے والد ہیں' مرد کے باپ نہیں۔ رہے حضرت ابراہیم اور طیب و طاہر و قاسم رضی اللہ عنہم وہ بچپن شریف ہی میں وفات پا گئے ان کو مرد نہ کہا جائے گا۔ ایک فائدہ یہ بھی حاصل ہوا کہ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ حضور علیہ السلام کو باپ کہہ کر پکارے تو بھائی کہہ کر پکارنا بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔

"خاتم النبیین" میں فرمایا گیا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں میں سب سے پچھلے نبی۔ خاتم ختم سے مشتق اور ختم کے معنی مہر کے بھی ہیں اور آخری کے بھی' بلکہ مہر کو بھی خاتم اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہ مضمون کے آخر میں لگائی جاتی ہے یا یہ کہ جب کسی تھیلے پر مہر لگ گئی تو اب کوئی چیز باہر کی اندر اور اندر کی باہر نہیں جا سکتی' اسی طرح یہ آخری مہر لگ چکی' باغ نبوت کا آخری پھول کھل چکا۔ خود حضور علیہ السلام نے "خاتم النبیین" کے معنی فرمائے ہیں کہ "لانبی بعدی" (میرے بعد کوئی نبی نہیں) اب جو شخص کسی طرح کا ظلی' بروزی' اصلی'

عارضی، مراقی، مذاقی، شرابی، افیونی، نبی علیہ السلام کے بعد مانے وہ بے دین اور مرتد ہے۔

اسی طرح جو "خاتم النبیین" کے معنی کرے بالذات نبی اور کسی نبی کا آنا ممکن جانے وہ مرتد ہے۔ حضرت عیسی علیہ السلام بے شک تشریف لائیں گے مگر وہ پہلے کے نبی ہوں گے نہ کہ بعد کے، اور اب امتی کی حیثیت سے تشریف فرما ہوں گے آخری فرزند کے معنی ہوتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی فرزند پیدا نہ ہوا نہ کہ پہلے والے بھی وفات پا گئے تو اگرچہ حضرت عیسی علیہ السلام، حضرت خضر، حضرت ادریس، حضرت الیاس علیہم السلام کے زمانہ میں زندہ رہے اور اب بھی زندہ ہیں اور حضور علیہ السلام کی آمد پر سب کے احکام منسوخ ہو گئے۔ اب بعد میں نبوت نہ ملی، جیسے کہ آفتاب کے نکلنے پر جو تارا جس جگہ پر ہوتا ہے، وہاں ہی چھپ جاتا ہے، تو خضر و الیاس زمین پر زندہ ہیں اور حضرت عیسی و ادریس علیہما السلام آسمانوں پر۔ مگر جہاں بھی جو تھے ان کے احکام وہاں ہی ختم ہو گئے۔

سب جگمگائے رات بھر چمکے جو تم کوئی نہیں

اگر ایک مجسٹریٹ دوسرے مجسٹریٹ کی کچہری میں گواہی دینے جائے تو اگرچہ وہ اپنے حلقہ کا جج ہے مگر یہاں گواہ کی حیثیت سے حاضر ہوا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسی علیہ السلام اپنے زمانہ کے نبی ہیں مگر اب جو آئیں گے سلطنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آئیں گے، نبوت کا ظہور نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ نبوت کا تعلق ایک رب سے ہے، رفع درجات تقرب وغیرہ کا، اور ایک مخلوق سے تبلیغ احکام کا، تو جو قرب الٰہی ان کو حاصل ہو چکا ہے وہ تو کبھی بھی زائل نہیں ہو سکتا، ہاں مخلوق کو تبلیغ فرمانا وہ ختم ہو گیا اپنے احکام کی تبلیغ نہیں فرما سکتے آخر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کرنے گئے تو فرمایا کہ اے موسیٰ! آپ بنی اسرائیل کے نبی ہیں، میرے کسی فعل پر اعتراض نہ کرنا یعنی میں آپ کے حلقے میں نہیں ہوں، فرمایا بہت اچھا۔ اب کچھ کام خضر علیہ السلام سے واقع

ہوئے' وہ دین موسیٰ کے سراسر خلاف تھے کہ بچہ کو گناہ سے پہلے ہی ختم کر دیا وغیرہ وغیرہ مگر موسیٰ علیہ السلام ان پر اپنے احکام جاری نہ فرما سکے' آخر یہ کیوں؟ کیا نبی نہ رہے تھے' نبی تو تھے مگر یہاں تبلیغ نہ فرما سکتے تھے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور زمانہ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حال ہے' یہ مختصر سی تقریر انشاء اللہ بہت ہی نفع دے گی۔ اگر غور کیا جائے۔

آیت نمبر ۴۲۔ "یَاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرسَلنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیرًا" (پارہ ۲۲' سورہ احزاب رکوع ۲) (اے غیب کی خبریں بتانے والے بے شک ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چمکا دینے والا چراغ۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعتوں کا مجموعہ ہے اور اس میں حضور علیہ السلام کی بہت سی خاص صفتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

اس آیت میں آٹھ امور قابل غور ہیں۔ "یا" سے بحث "اَلنَّبِیُّ' اَرسَلنٰکَ' شٰهِدًا' مُبَشِّرًا' نَذِیرًا' دَاعِیًا' سِرَاجًا مُّنِیرًا" اگر ان آٹھ کی پوری تفصیل کی جائے تو آٹھ دفتر درکار ہیں' کچھ خاص چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) یا پکارنے کا کلمہ ہے اور پکارنا چند مصلحتوں سے ہوتا ہے۔ غافل کو متوجہ کرنا' عتاب کا اظہار جیسے او خبیث' بزرگی کا اظہار جیسے "یَاَیُّهَا المُزَّمِّلُ" تکوین' تاثیر (شی کو بنانا) اظہار محبت' جیسے کہ اے پیارے! وغیرہ' یہاں یا اظہار محبت کے لئے ہے کیونکہ حضور علیہ السلام ایک آن کے لئے بھی رب سے غافل نہیں' اسی لئے اچھے القاب سے خطاب کیا جاتا ہے۔

(۲) نبی کے معنی دو ہیں' خبریں دینے والا' یا بڑے درجہ والا' یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں مگر پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں کیوں کہ آگے آرہا ہے "شَاهِدًا" گواہ وغیرہ اور یہ خبریں ہی ہیں' حضور علیہ السلام نبی بھی ہیں رسول بھی' مزمل بھی' مدثر بھی' مگر یہاں

نبی سے اس لئے خطاب فرمایا کہ آگے "لرسلنا" میں رسالت کا ذکر آتا ہے تو اب نبوت اور رسالت دونوں ذکر ہو گئیں۔

نیز نبی سے مراد تو لی جائے ہماری خبریں بندوں کو پہنچانے والے اور شاہد یعنی گواہ سے مراد ہو کہ بندوں کی خبریں ہم کو دینے والے بروز قیامت' یا نبی ہماری خبریں دینے والے اور شاہد جنت و دوزخ کی گواہی دینے والے تو بہت پر لطف بات ہو گی۔" ارسلنک" سے ادھر اشارہ ہے کہ چونکہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توہین ہماری تعظیم و توہین ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض ہے اسی لئے رب نے حضور علیہ السلام کی طرف سے جوابات دیئے۔

(۳) "شاہد" کے تین معنی ہیں' گواہ' موجود' حاضر' محبوب اور حقیقتاً شاہد تو حاضر ہی کو کہتے ہیں۔ "عالم الغیب والشھادۃ" گواہ اور محبوب کو بھی اسی لئے شاہد کہتے ہیں کہ گواہ تو واقعہ واردات پر موجود تھا اور محبوب عاشق کے دل میں حاضر رہتا ہے اور یہاں سب معنی بن سکتے ہیں گواہ کے معنی تو اس لئے کہ حضور علیہ السلام قیامت کے بعد سب کی گواہی دیں گے "وجئنابک علی ھولاء شھیدا" نیز تمام انبیاء نے جنت و دوزخ کی گواہی سن کر دی' اور حضور علیہ السلام نے گواہی معراج میں دیکھ کر دی اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاہد حقیقی ہیں' لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کے ایمان یا کفر کی گواہی دے دیں' تو ممکن نہیں کہ اس کے خلاف ہو جائے اب جو کوئی حضرت صدیق و فاروق وغیر ہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان میں شک کرے وہ خود بے دین ہے کہ وہ حضور کی شہادت کی صداقت میں شک کرتا ہے کیونکہ ان کے ایمان کی حضور علیہ السلام نے گواہی دی۔

پھر حضور علیہ السلام سلطنت الہیہ کے سرکاری گواہ ہیں اور سرکاری گواہ کی گواہی بغیر جرح کے قبول ہوتی ہے' بلکہ جو اس گواہ پر جرح کرے وہ مجرم ہوتا ہے۔ سول

سرجن جسے بیمار کہہ دے یا انجنیئر جس مکان کو کمزور بتا دے یا یونیورسٹی جسے پاس کر کے اس کے علم و فضل کی گواہی دے دے اسے حکومت بغیر جرح قبول کر لیتی ہے۔اسی طرح حضور علیہ السلام جس کے ایمان کی گواہی دے دیں' وہ رب تعالیٰ کے ہاں بلا جرح قبول ہو تی ہے۔ نیز مقدمہ کا دارومدار اور فریقین کی ہار وجیت صرف گواہی پر ہوتی ہے۔ اگر گواہ قوی ہے تو وکیل بھی قوی۔ اور حاکم کا فیصلہ بھی چست ہو گا ورنہ نہیں۔

دنیا میں ثبوت توحید کا دارومدار حضور علیہ السلام پر ہے اور آخرت میں تمام خلق کے جنتی و دوزخی ہونے کا دارومدار حضور علیہ السلام پر ہے' وہاں سارے حضور علیہ السلام ہی کا منہ تکیں گے کیونکہ حضور علیہ السلام دنیا میں خالق کے گواہ ہیں اور آخرت میں مخلوق کے گواہ۔ گواہ میں بہت صفات ہوتی ہیں' مگر تین صفات لازم ہیں۔

(۱) گواہ گواہی حاصل کرتے وقت واردات کے موقع پر حاضر ہو کر مشاہدہ کرے اور گواہی دیتے وقت حاکم کے روبرو حاضر ہو' اسی لئے اسے شاہد یا شہید کہتے ہیں یعنی حاضر۔

(۲) مدعی کی انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ گواہ کامیاب ہو' تاکہ مدعہ کامیاب ہو' مدعا علیہ گواہ کے ناکام کرنے کی کوشش کرتا ہے' وہ ہی گواہ پر جرح کرتا ہے۔ وہ ہی گواہ کے علم پر اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ گواہ بے خبر ہے۔

(۳) گواہ پر اعتراض در پردہ مدعی پر اعتراض ہے' اسی لئے گواہ کا دشمن ہوتا ہے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دنیا میں خلق کے سامنے خالق کے' جنت و دوزخ کے اور تمام غیبی چیزوں کے گواہ ہیں۔ لہٰذا دنیا میں تشریف آوری سے پہلے خالق کے قرب خاص میں رہ کر تمام چیزوں کا مشاہدہ فرما کر یہاں تشریف لائے اور آخرت میں خالق کے سامنے مخلوق کے گواہ ہوں گے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہر مخلوق کے ہر حال سے باخبر ہوں ورنہ گواہی کیسی؟ نیز آج جو حضور علیہ السلام کے علم پر اعتراض کر رہے ہیں سمجھ لو کہ

حضور علیہ السلام کی گواہی ان کے خلاف ہونے والی ہے اور یہ لوگ مدعا علیہ ہیں۔ کیونکہ گواہ کے علم کی تنقیص وہ کرے گا جس کے خلاف گواہی ہو۔

نیز حضور علیہ السلام کے علم اور کمالات کی مخالفت درپردہ رب تعالیٰ کی مخالفت ہے کیوں کہ حضور علیہ السلام رب تعالیٰ کے گواہ ہیں۔

خیال رہے کہ حضور علیہ وسلم کی گواہی چار طرح کی ہے خالق کے گواہ مخلوق کے سامنے مخلوق' کے گواہ خالق کے سامنے' خالق کے گواہ خالق کے پاس' مخلوق کے گواہ مخلوق کے سامنے' جس کے جنتی ہونے کی حضور علیہ السلام گواہی دیں' وہ یقیناً" جنتی ہے' جسے اچھا کہہ دیں' وہ اچھا ہے جسے برا کہہ دیں وہ برا ہے۔ جس چیز کو حلال فرما دیں وہ حلال ہے جسے حرام کہہ دیں وہ حرام۔ کیونکہ گواہ مطلق ہیں اس شاہد رب العالمین کے منہ سے جو نکلے وہ حق' جیسے سونے کی کان سے لوہا نہیں نکل سکتا ایسے ہی اس شہ پروردگار کی زبان سے باطل نہیں نکلتا اور حاضر کے معنی بھی ہو سکتے ہیں' یعنی آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عالم کے ذرہ ذرہ میں حاضر و ناظر ہیں۔

اس مسئلہ کی تحقیق ہم تفسیر نعیمی پارہ دوم میں کر چکے ہیں اور اگر پوری تحقیق اس مسئلہ کی دیکھنا ہے تو کتاب "جَاءَ الحَقُّ وَزَهَقَ البَاطِلُ" میں ملاحظہ کرو' جس میں حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا قرآنی آیات و احادیث اور اقوال محدثین و مفسرین سے ثابت کیا گیا ہے جس کا انشاء اللہ مخالف سے جواب نہ بنے گا۔

یہاں اتنا سمجھ لو کہ آج حکیم یہ کہتے ہیں کہ دوا کی طاقت مرض سے زیادہ ہونا چاہئے تاکہ مرض کو دبا سکے ورنہ وہ خود مرض سے دب جائے گی' شیطان بیماری ہے اور نبی علیہ السلام علاج۔ جب شیطان کو یہ قوت دی گئی کہ "اِنَّهٗ یَرٰکُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ" (قرآن) (کہ وہ اس کی ذریت تم سب کو ہر وقت دیکھتے ہیں) اور شیطان سارے عالم پر نگاہ رکھتا ہے کہ جہاں کسی نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس نے آکر بہکایا۔ اب حضور علیہ السلام کو بالکل بے خبر رکھا جائے تو رب تعالیٰ پر اعتراض

ہو گا کہ اس نے بیماری قوی پیدا کی دوا کمزور۔ لٰہذا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کو ہدایت دینے کے لئے ہر وقت ہر ایک کی خبر ہو۔

نکتہ:- عربی قاعدہ سے "شاھدا" حال ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھیجا اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حاضر و ناظر ہیں یعنی بھیجنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حاضر و ناظر ہو چکے تھے جیسے کوئی کہے زید آیا سوار یعنی آنے سے پہلے سوار ہو چکا تھا' تو معنی یہ ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دنیا میں تشریف لانے سے پہلے بھی عالم میں حاضر تھے' اور پردہ فرمانے کے بعد بھی حاضر ہیں۔

چنانچہ صاحب روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت "انا ارسلنک شاھدا ومبشرا ونذیرا" فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام تمام عالم کے پیدا ہونے سے پہلے رب کی وحدانیت اور ربوبیت کو مشاہدہ فرماتے تھے اور جو ارواح' نفوس' اجسام' حیوانات' نباتات' جن' شیاطین' فرشتے اور انسان پیدا کئے گئے ان کے پیدا ہونے کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔ اسی طرح تمام مخلوقات کے ہر ہر کام اور سزا وجزا شیطان کا اول عابد ہونا' بعد میں گمراہ ہونا' حضرت آدم علیہ السلام کا خطا فرمانا' بعد میں توبہ قبول ہونا' جنت میں رہنا' بعد میں زمین پر آنا' انبیاء کا دنیا میں آنا' ان کا تبلیغ فرمانا' قوموں کا ان کے ساتھ اچھا یا برا سلوک کرنا' غرضیکہ ایک ایک واقعہ حضور علیہ السلام کے پیش نظر تھا' اسی لئے فرمایا گیا" "علمت ماکان وماسیکون" (جان لیا ہم نے جو کچھ ہو چکا اور ہو گا) اور کیوں نہ ہو کہ دنیا کا وجود آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وجود سے ہے' اور ہر نبی کے علوم حضرت آدم علیہ السلام کے صحیفے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تمام پیغمبروں کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم کا حصہ ہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کا قول ہے کہ دنیا میں ہر نیک بخت پر کرم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رہتا ہے اور حضور ہی رقیب اور عتید ہیں' جب کبھی حضور علیہ

السلام کسی سے بے توجہی فرما لیتے ہیں تو وہ بد بخت بنتا ہے اور گناہ کرتا ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سے خطا کا ہونا اس سبب سے ہوا کہ توجہ محبوب علیہ السلام کچھ ہٹ گئی تھی اور اسی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ جو زانی زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان اکال لیا جاتا ہے اور جب اس سے ہٹتا ہے ایمان واپس ہوتا ہے ایمان توجہ مصطفیٰ علیہ السلام ہے اس توجیہہ پر شاھدا کے معنی حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا' علم غیب اور امداد بخوبی ثابت ہوئیں۔

اور شاہد کے معنی محبوب بھی ہو سکتے ہیں اور واقعی آپ عالم کے محبوب ہیں علیہ السلام انسان جن' ملائکہ اور لکڑی' پتھر' درخت وغیرہ سب ہی آپ سے محبت کرتے ہیں' احد پہاڑ محبت کرتا ہے' لکڑیاں فراق میں روتی ہیں' جانور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر دامن پاک سے لپٹ کر روتے ہیں' ہرن فریادیں کرتے ہیں' غرضکہ

در ہر دلے سودائے تو' عالم ہمسر شیدائے تو

انبیاء کرام کی محبوبیت بھی ان کا معجزہ ہے' رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا "وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّةً مِّنِّی" (انہیں جو دیکھتا ہے عاشق ہو جاتا ہے۔) آسیہ نے دیکھ کر فرمایا "قُرَّةُ عَیْنٍ لِّی وَلَکَ" (اے فرعون! یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔) حسن یوسفی اور آواز داؤدی اسی محبوبیت کے لئے عطا ہوئے' جیسے حضور علیہ السلام کے تمام معجزات اعلیٰ ہیں ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوبیت زمانہ اور مکان کی پابند نہیں آج نہ کوئی حسن یوسفی کا عاشق ہے نہ لحن داؤدی پر فدا' کسی محبوب کا غائبانہ عاشق کوئی نہیں ہوا لیکن حضور علیہ السلام کی محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ آج بھی بغیر دیکھے کروڑوں ان کے نام پر جانیں فدا کر رہے ہیں۔ حسن یوسف کے چاہنے والوں نے دیدار یوسفی کے لئے روپے خرچ کئے مگر حضور علیہ السلام کے نام پر سر فدا ہو رہے ہیں یہ جلسے' جلوس' وعظ' مدرسے سب حضور ہی کی خاطر ہیں۔

پھر دوسروں کے عاشق انسان ہوئے مگر حضور علیہ السلام کے عاشق انسان ہی نہیں بلکہ خشک لکڑیاں ان کے فراق میں روتی ہیں' کنکر' پتھر ان پر قربان ہیں' ان کی جدائی میں آنسو بہاتے ہیں غرضیکہ خدا کی محبوب ہیں اور خدائی کے محبوب۔

(۴) "مُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ" میں تین صفتوں کا ذکر ہے' خوش خبریاں دینا' ڈرانا' اللہ کی طرف بلانا اگرچہ پہلے انبیائے کرام نے بھی یہ فرائض انجام دیئے مگر ان کی تبلیغ میں اور حضور علیہ السلام کی تبلیغ میں تین طرح فرق ہے اولاً تو وہ حضرات سن کر یہ کام انجام دیتے تھے اور حضور علیہ السلام دیکھ کر دوسرے وہ خاص جماعتوں کے نبی اور مبشر و نذیر تھے۔

اور حضور علیہ السلام تمام عالم کے بشیر اور نذیر۔ اور دوسرے پیغمبر خاص وقت تک کے لئے مبلغ اور بشیر و نذیر مگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام قیامت تک کے لئے آج جو تبلیغ بذریعہ علماء و مشائخ و قرآن ہو رہی ہے وہ حضور علیہ السلام ہی کی تبلیغ ہے ان خصوصیتوں کی وجہ سے اس جگہ ان تین صفتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موصوف کیا' صاحب روح البیان سورہ فتح زیر آیت "اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا" فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہ السلام کی امتوں کی بروز قیامت ۴۰ صفیں ہوں گی مگر حضور علیہ السلام کی امت کی ۸۰ صفوف۔

(۵) حضور علیہ السلام کو اس آیت میں فرمایا گیا چمکانے والا' سراج قرآن میں آفتاب کو بھی فرمایا گیا ہے۔ "سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِيرًا" اگر مراد سورج ہے' تو آپ بھی آسمان ہدایت کے سورج ہیں کہ سورج سے سب روشن ہوتے ہیں' وہ کسی روشن سے نہیں۔ اسی طرح حضور علیہ السلام سے سب منور مگر حضور علیہ السلام کسی سے مستنیر نہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر اس کے معنی چراغ کئے جائیں تو بھی بالکل درست ہے چراغ' سے تاریکی دور ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام سے تاریکی جہل و کفر دور ہوئی' چراغ سے گمی ہوئی چیز تلاش کی جاتی ہے حضور علیہ السلام سے گمی ہوئی راہ ہدایت ملی۔ چراغ گھر والے کے لئے رحمت اور چور کے لئے زحمت' اسی طرح حضور علیہ السلام مومن کے

محافظ اور شیطان چور کو دفع فرمانے والے ایک چراغ سے ہزاروں چراغ جلاؤ مگر اس چراغ کے نور میں کمی نہیں۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے نور سے سب منور مگر نور مصطفیٰ علیہ السلام میں کمی نہیں۔ چراغ ہر طرف اپنا نور دیتا ہے' حضور علیہ السلام نے بھی ہر طرف' منور فرمایا' فرش کو بھی' عرش کو بھی۔ چراغ ہر طرف اپنا نور دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام بھی معراج میں اوپر تشریف لے گئے ایسے اوپر کہ جہاں کوئی فرشتہ بھی نہ پہنچ سکے۔ چراغ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام مکہ مکرمہ کو چمکا کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

(٦) منیر اس لئے فرمایا کہ اور چراغ کے نیچے اندھیرا رہتا ہے مگر یہ چراغ نیچے' اوپر ہر طرف سے روشنی دیتا ہے۔ اور چراغ صرف ظاہر کو چمکاتے ہیں مگر یہ چراغ ظاہر و باطن دونوں کو۔ اور چراغ ہوا سے گل ہو جاتے ہیں مگر اس چراغ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جو بجھانا چاہے وہ خود بجھ جاتا ہے۔ اور چراغ دن میں بے کار ہوتے ہیں مگر یہ چراغ ہمیشہ منور کرنے والا ہے۔

رات میں ہر گلی کوچہ میں مختلف چراغوں' بجلیوں سے روشنی لی جاتی ہے مگر آفتاب نکلتے ہی سب بجھا دیئے جاتے ہیں۔ پہلے ہر شہر' ہر قبیلے میں انبیاء علیہ السلام تھے۔ اب صرف حضور ہی کی نبوت سارے جہان میں ہے۔ رات میں چوری ہوتی ہے دن میں نہیں' حضور علیہ السلام سے پہلے کتب الہیہ میں چوری ہوئی' تحریفیں کی گئیں' شیاطین بھی ملائکہ کی باتوں کی چوری کیا کرتے تھے' اس آفتاب ہدایت کے چمکتے ہی ساری چوریاں بند ہو گئیں' قرآن میں چوری و تحریف ناممکن ہو گئی اور شیطان چور کا آسمان پر جانا بند ہوا' اسے رجم کیا جانے لگا' کیوں کہ آفتاب ہدایت طلوع ہو گیا' دن نکل آیا۔

لطیفہ:۔ بعض مشائخ نے کہا کہ قرآن میں حضور علیہ السلام کو سراج کہا گیا اور آفتاب کو بھی اس لئے کہ آفتاب کو چند طرح سے حضور علیہ السلام سے نسبت ہے وہ چراغ آسمان' حضور علیہ السلام سراج زمین و آسمان۔ وہ چراغ دنیا' حضور علیہ السلام

چراغ دین۔ وہ چراغ بروج ' آپ علیہ السلام چراغ محافل وہ چراغ اجسام ' آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چراغ ایمان۔ اس چراغ کے نکلنے سے لوگ بیدار ہوتے ہیں نیند سے ' اس چراغ سے لوگ عدم سے وجود میں آئے صلی اللہ علیہ وعلی وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

آیت نمبر ۶۴۔ "یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّا اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ" (پارہ ۲۲ 'سورہ احزاب رکوع ۷) (اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب کہ اجازت نہ پاؤ۔ مثلاً کھانے کے لئے بلائے جاؤ' نہ کہ یہ کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو۔)

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی نعت پاک ہے' اس میں مسلمانوں کو اس دولت خانہ کا ادب و احترام سکھایا گیا ہے کہ جس میں وہ آفتاب نبوت جلوہ گر تھا۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا اور دعوت ولیمہ کی لوگ جماعت جماعت سے آتے تھے اور کھاتے جاتے تھے' لوگ کھا کر گئے مگر تین شخص کھانا کھا کر اسی جگہ باتوں میں مشغول ہو گئے اور باتوں کا سلسلہ اس قدر دراز ہو گیا کہ ان کا بیٹھنا حضور علیہ السلام پر بھاری معلوم ہوا۔ حضور علیہ السلام اس جگہ سے اس لئے اٹھے کہ یہ لوگ بھی ہم کو قیام فرما دیکھ کر اٹھ جائیں' مگر وہ حضرات نہ سمجھے مکان تنگ تھا' گھر والوں کو بھی ان کی وجہ سے تکلیف ہوئی' حضور علیہ السلام وہاں سے اٹھ کر حجروں میں تشریف لے گئے۔ دورہ فرما کر جو تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضور علیہ السلام یہ دیکھ کر پھر واپس ہو گئے۔ تب ان لوگوں کو خیال ہوا اور اٹھ گئے۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری' اس میں چند باتوں کی مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے۔

اولاً تو یہ کہ بلا اجازت اس دولت خانہ میں نہ آؤ' دوسرے یہ کہ اگر تمہاری دعوت کی جائے تو کھانا پکنے سے پہلے ہی نہ آ جاؤ کہ وہاں بیٹھ کر انتظار کرو' ۔ تیسرے یہ کہ کھانا کھا کر اب بلاوجہ نہ بیٹھو بلکہ اپنے اپنے گھر چلے جاؤ' اس گھر کے بھی قربان اور گھر

والے شہنشاہ کے بھی قربان جس کا ادب رب العالمین سکھا رہا ہے۔ اور "الذین امنوا" میں اگر ملائکہ بھی داخل ہوں تو کیا تعجب ہے' ملائکہ بھی یہ ہی ادب کرتے ہیں کہ بغیر اجازت اس گھر میں نہیں جاتے۔

وفات کے وقت ملک الموت نے اہل بیت سے داخلہ کے لئے اذن طلب کیا' فاطمہ زہرا کے منع کرنے پر واپس نہ ہوئے کہ رب کے بھیجے ہوئے تھے مگر اجازت سے گھر میں آئے۔

بے اجازت ان کے گھر میں جبرائیل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شان اہل بیت

اس آیت سے حضور علیہ السلام کا خلق اور کمال حیا اور شان معلوم ہوئی کہ اگرچہ کسی سے تکلیف پہنچے مگر خود نہیں فرماتے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ بغیر دعوت کسی جگہ نہ جاؤ اور بلا ضرورت کسی کے مہمان نہ بنو کہ اس پر بوجھ پڑ جائے' واللہ اعلم بالصواب

آیت نمبر ۶۵۔ "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" (پارہ ۲۲' سورہ الاحزاب رکوع ۷) (تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی پر۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح نعت ہے۔ اس میں مسلمانوں کو اس ذات پاک پر درود شریف پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے مگر لطف یہ ہے کہ قرآن کریم نے بہت سے حکم سنائے۔ نماز کا' روزہ کا' حج وغیرہ کا' ایمان کا حکم دیا مگر کسی جگہ یہ نہ فرمایا کہ یہ کام ہم بھی کرتے ہیں ہمارے فرشتے بھی کرتے ہیں۔ اور مسلمانو تم بھی کرو' صرف درود پاک کے لئے اس طرح فرمایا۔ وجہ بالکل ظاہر ہے کیوں کہ کوئی بھی ایسا نہیں جو کہ رب کا بھی ہو اور بندے بھی اس کو کریں۔ رب تعالیٰ کے کام ہم نہیں کر سکتے اور ہمارے کاموں سے رب تعالیٰ بلند و بالا ہے۔ رب کا کام ہے پیدا فرمانا'

رزق دینا' مارنا' جلانا' یہ بندے ہرگز نہیں کر سکتے۔ ہمارا کام ہے عبادت کرنا' اطاعت کرنا وغیرہ رب تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ اگر کوئی ایسا کام ہے جو رب کریم کا بھی ہو' ملائکہ بھی کرتے ہوں اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا گیا ہو وہ صرف آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا ہے' جیسے کہ ہلال پر سب کی نظریں جمع ہوتی ہیں اسی طرح مدینہ کے چاند پر ساری مخلوق کی اور خالق کی بھی نظر ہے۔ حضور علیہ السلام کی ذات جامع ہے ہندی شاعر نے کہا ہے۔

آج چندر دیوج ہے سب دیکھی ہاکی اور
میری اور بجن کی ینناں پڑیں گے ایک ٹھور

اگرچہ رب تعالیٰ کا درود ہے رحمت نازل فرمانا۔ فرشتوں کا درود ہے دعائے رحمت کرنا' مگر تعظیم مصطفےٰ علیہ السلام میں مشترک ہے۔

نکتہ:۔ اس آیت میں لولا تو خبر دے دی کہ ہم ہر آن اور ہر وقت رحمتوں کی بارش برساتے ہیں اپنے محبوب علیہ السلام پر اور پھر ہم کو حکم دیا کہ تم بھی ان پر درود پڑھو یعنی ہم سے ان کے لئے رحمت مانگو اور مانگی وہ چیز جاتی ہے جو پہلے سے حاصل نہ ہو جب ہمارے بغیر رحمتیں اتر رہی ہیں' پھر مانگنے کا حکم کیوں دیا؟

وجہ یہ ہے کہ فقیر جب کسی دروازے پر مانگنے جاتا ہے تو گھر والے کی اولاد اور مال کی دعائیں مانگتا ہوا جاتا ہے' مالک کا گھر آباد' بچے زندہ' مال سلامت رہے' مالک سمجھ جاتا ہے کہ یہ تہذیب والا بھکاری ہے مانگنا چاہتا ہے مگر ہمارے بچوں کی خیر مانگ رہا ہے۔ یہاں حکم دیا گیا ہے کہ اے مسلمانو! جب تم ہمارے یہاں کچھ مانگنے کے لئے آؤ تو ہم اولاد سے پاک ہیں مگر ہمارا ایک حبیب ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' ان کی' اس کے اہل بیت و اصحاب کی خیر مانگتے ہوئے ان کو دعائیں دیتے ہوئے آؤ تو ان رحمتوں کی ان پر بارش ہو رہی ہے ان کا تم پر بھی ایک چھینٹا مار دو گا درود پڑھنا حقیقت میں رب سے مانگنے کی ایک ترکیب ہے۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا

ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا

نیز اس آیت میں مسلمانوں کو متنبہ فرمایا گیا کہ اے درود پڑھنے والو! یہ خیال نہ کرنا کہ ہمارے محبوب پر ہماری رحمتیں تمہارے مانگنے پر موقوف ہیں۔ ہمارے محبوب تمہارے درود کے حاجت مند ہیں جیسے ممبر ووٹ کے ہیں۔ تم درود پڑھو یا نہ پڑھو' ان پر ہماری رحمتیں برابر برستی رہتی ہیں۔ تمہاری پیدائش اور تمہارا درود شریف پڑھنا تو کل سے ہوا' ان پر رحمتوں کی بارش تو جب سے ہو رہی ہے جبکہ جب اور کب بھی نہ بنا تھا' جہاں وہاں کہاں سے پہلے ان پر رحمتیں ہیں۔ تم سے دعا منگوانا تمہارے بھلے کے لئے ہے۔ جب رب تعالیٰ حمد و ثنا کا حاجت مند نہیں کہ وہ محمود ہے خواہ کوئی حمد کرے یا نہ کرے۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام کسی کی نعت خوانی کے حاجت مند نہیں وہ محمد ہیں خواہ کوئی ان کی نعت پڑھے یا نہ پڑھے۔ حمد الٰہی کے لئے حضور کافی اور نعت مصطفائی کے لئے رب بس ہے۔

اسی وجہ سے ہر دعا کے اول و آخر میں درود شریف پڑھنا ضروری ہے۔ اور اگر کوئی شخص تمام دعائیں چھوڑ دے اور صرف درود پاک ہی پڑھا کرے تو خدا چاہے کسی دعا کی ضرورت ہی نہ پڑے گی' تمام حاجتیں خود بخود پوری ہوں گی۔

مشکوۃ شریف باب الصلوۃ علی النبی علیہ السلام میں ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) میں کس قدر درود شریف آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر پڑھا کروں؟ فرمایا جس قدر چاہو' عرض کیا چوتھائی پڑھوں یعنی تین حصہ دیگر وظیفے اور دعائیں اور چوتھائی حصہ درود شریف۔ فرمایا جتنا چاہو مگر درود اور زیادہ کرو تو بہتر ہے۔ عرض کیا کہ آدھا' فرمایا جتنا چاہو مگر درود اگر اور زیادہ کرو تو بہتر ہے۔ عرض کیا کہ اچھا دو تہائی درود شریف فرمایا جس قدر چاہو مگر درود اگر اور زیادہ کرو تو بہتر ہے۔ عرض کیا کہ کل وقت درود شریف ہی پڑھا کروں گا' یعنی بجائے دعاؤں اور وظیفوں کے صرف درود پڑھا کروں گا' فرمایا "اِذاً یَکفِی ھَمَّکَ وَیُکَفِّرُ لَکَ ذَنبَکَ" تو یہ درود تمہارے سارے رنج و غم

کو کافی ہے اور تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا۔

درود شریف کے متعلق تین باتیں عرض کرتا ہوں اولا تو یہ کہ اس کے فضائل کیا ہیں؟ دوسرے یہ کہ کون سا درود شریف پڑھنا بہتر یا ضروری ہے اور درود شریف پڑھنا واجب ہے یا فرض یا سنت؟ تیسرے یہ کہ نبی علیہ السلام کے سوا کسی اور پر درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

(۱) درود پاک کے فضائل بے شمار ہیں جن کے لکھنے کو دفتر چاہئے۔ اگر کچھ ان کی تفصیل دیکھنا ہو تو تفسیر روح البیان یہ ہی آیت اور مدارج النبوت اور نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض اور مواہب لدنیہ کا مطالعہ کرو مگر بطور اختصار کچھ یہاں عرض کئے جاتے ہیں۔

مشکوۃ باب الصلوۃ علی النبی علیہ السلام میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا خدائے پاک اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور دس گناہ معاف فرماتا ہے اور دس درجات بلند کرتا ہے۔ یعنی اگر کوئی روزانہ ایک ہزار بار درود شریف پڑھے تو روزانہ دس ہزار گناہ معاف' دس ہزار درجات بلند اور دس ہزار رحمتوں کا نزول اگر ساری عمر یہ عمل کیا جائے تو اب حساب لگالو کس قدر فائدہ ہوا۔

اسی مشکوۃ میں اسی باب میں ہے کہ قیامت میں مجھ سے زیادہ قریب وہ ہو گا جو مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھے گا۔ اسی مشکوۃ میں اسی باب میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہاری دعائیں آسمانوں اور زمین کے درمیان معلق رہتی ہیں' جب تک تم درود پاک نہ پڑھ لو۔ اور چاہئے یہ کہ ہماری دعائیں درمیان میں ہوں اور آس پاس درود پاک رہے۔ کیونکہ قبول تو درود ہوتا ہے اور رحمت الٰہی سے بعید ہے کہ درود تو قبول فرما لے اور درمیان کی دعا کو رد فرما دے درود شریف کے طفیل دعا بھی قبول ہو جائے گی۔ اسی مشکوۃ کے اسی باب میں ہے کہ اللہ کے فرشتے پھرتے رہتے ہیں اور درود پاک پڑھنے والوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں' جب کوئی بھی درود شریف پڑھتا ہے تو اس کا درود ہماری بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! درود پاک کے قربان کہ اس کی برکت سے ہم گنہگاروں کے نام اس بارگاہ بے کس پناہ میں لئے جائیں، بھلا ایسی کہاں تقدیر۔ اس سے یہ لازم نہیں کہ درود سے دور حضور نہ سنیں ملائکہ تو رب کی بارگاہ میں اعمال بھی لے جاتے ہیں۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ درود پڑھنا بہت ضروری ہے دو وجہ سے۔ اولا تو یہ کہ اگر کوئی شخص کسی پر احسان کرے تو چاہیے کہ محسن کا بدلہ دیا جائے اگر بدلہ نہ ہو سکے تو کم سے کم اس کے لئے دعا کر دی جائے۔ اگر کسی کے گھر دعوت کھاؤ تو صاحب خانہ کے لئے دعا کر دو۔ حضور علیہ السلام کے احسانات شمار سے باہر ہیں، ہماری کیا مجال کہ ان کا شکریہ ادا کریں، تو کم از کم یہ ہی کریں کہ ان کو دعائیں دیا کریں جیسے فقراء سخی داتا کو دعائیں دیتے ہیں۔

نیز ایک بار سلطان محمود نے درباریوں کو حکم دیا کہ تم لوگ میرے گھر میں جو کچھ ہے وہ لوٹ لو، سب لوگ لوٹنے میں مشغول ہو گئے مگر ایاز رحمتہ اللہ علیہ سلطان کے پاس آکر کھڑے ہو گئے، سلطان نے کہا کہ ایاز تم کیوں نہیں کچھ لوٹتے؟ عرض کیا کہ سب نے تو مال کو لیا میں تو حضور کو لیتا ہوں جو مالک ہیں۔ سلطان نے کہا تم نے مجھ کو لیا میں نے بھی تم کو لیا، تم میرے اور میں تمہارا۔

اسی طرح تمام دعاؤں سے تو دنیا ملتی مگر درود پاک کی تلاوت سے دنیا والے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ملتے ہیں، جب وہ ملے تو پھر کمی کس چیز کی ہے۔

دنیا کو مبارک ہو دنیا اللہ کرے وہ مجھ کو ملیں
ہر سر میں جن کا سودا ہے ہر دل جن کا شیدائی ہے

درود پاک دعاؤں و عبادات کی رجسٹری ہے جیسے بیمہ لیبل لگ جانے سے مال ضائع نہیں ہوتا مقام مقصود تک پہنچ جاتا ہے، ایسے ہی درود شریف کی برکت سے نیکیاں قبول ہوتی ہیں، اسی لئے ہر دعا میں درود شریف پڑھا جاتا ہے۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو
کہ رستے میں ہیں جا بجا تھانے والے

مثنوی شریف میں ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہد کی مکھی سے پوچھا کہ تم شہد کیسے بناتی ہیں؟ اس نے عرض کیا یاحبیب اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم چمن میں جا کر ہر قسم کے پھولوں کا رس چوستے ہیں پھر وہ رس اپنے منہ میں لئے ہوئے اپنے چھتوں میں آ جاتے ہیں اور وہاں اگل دیتے ہیں۔ وہی شہد ہے کہ پھولوں کے رس کے بکبکے ہوتے ہیں' اور شہد میٹھا' بتاؤ شہد میں مٹھاس کہاں سے آتا ہے؟ مکھی نے عرض کیا

گفت چوں خوانیم بر احمد درود
مے شود شیریں و تلخی را ربود

ہمیں قدرت نے سکھا دیا ہے کہ چمن سے اپنے گھر تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھتے ہوئے آتے ہیں' شہد کی یہ لذت اور مٹھاس درود شریف کی برکت سے ہے۔ امید ہے کہ ہماری روکھی پھیکی عبادت میں بھی درود شریف کی برکت سے مقبولیت کا مٹھاس پیدا ہو جائے۔ نیز جیسے کہ درود کی برکت سے تمام پھولوں کے رس گھل مل کر ایک ہو گئے اور سب کا نام شہد ہو گیا' ایسے ہی حضور علیہ السلام کی برکت سے سارے ہندی' سندھی' عربی عجمی انسان ایک ہو گئے جن کا نام مسلمان ہو گیا اور جیسے درود شریف کی برکت سے شہد شفاء بن گیا ایسے ہی ہر دعا حضور علیہ السلام کے نام کی برکت سے مرض گناہ کی دوا ہے۔

درود پاک پڑھنا فرض بھی' واجب بھی' سنت بھی ہے' مستحب بھی' مکروہ بھی ہے اور حرام بھی اس کی تفصیل یہ ہے کہ درمختار جلد اول کتاب الصلوۃ میں ہے کہ عمر میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے اور جس مجلس میں بیٹھے اور حضور علیہ السلام کا اسم شریف وہاں بار بار آئے تو صاحب درمختار کے نزدیک جب بھی نام پاک سنیں درود شریف پڑھنا واجب ہے اور ہر بار پڑھنا مستحب۔ اور چند موقعوں میں درود پڑھنا مستحب ہے جس کو شامی نے بیان فرمایا۔ جمعہ کی شب میں جمعہ کے دن میں' ہفتہ' اتوار' اور سوموار' کے دن اور روزانہ صبح و شام اور مسجد میں آتے جاتے وقت اور حضور علیہ

السلام کے روضہ کی زیارت کے وقت اور صفا و مروہ کے پاس اور جمعہ کے خطبہ میں مگر خطبہ سننے والے درود شریف دل میں پڑھیں اور اذان کے بعد اور ہر دعا کے اول و آخر اور وضو کے وقت اور جبکہ کان میں غیبی آواز آنے لگے جب کوئی چیز بھول جائے' اور وعظ کے وقت اور سبق پڑھتے اور پڑھاتے وقت اور فتوی لکھتے وقت اور نکاح کے وقت اور ہر کسی مشکل پڑنے پر وغیرہ وغیرہ۔

سات جگہ درود پاک پڑھنا مکروہ ہے۔ (۱) جماع کے وقت (۲) پیشاب یا پاخانہ کرتے وقت (۳) تجارت کے سامان کو شہرت دینے کے لئے (۴) پھسلنے کے وقت (۵) تعجب (۶) ذبح (۷) چھینک کے وقت۔

تین جگہ درود پاک پڑھنا حرام ہے' ایک جب تاجر اپنی کوئی چیز خریدار کو دکھائے اور اس کی عمدگی بتانے کے لئے درود پڑھنے دوسرے جبکہ کسی مجلس میں کوئی بڑا آدمی آئے تو اس کی آمد کی خبر دینے کے لئے درود پڑھا جائے (شامی) اسی طرح فرض نماز کی التحیات میں جب حضور علیہ السلام کا نام آئے تو درود ناجائز ہے۔

فائدہ۔ قرآن کریم کی تلاوت میں جب حضور علیہ السلام کا نام قرآن میں آ جائے تو درود نہ پڑھنا افضل ہے تاکہ قرآن کی روانی میں فرق نہ آئے۔ (شامی)

نماز میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھنا سنت ہے۔ فرض واجب نماز میں تو دوسری التحیات میں سنت ہے اور پہلی میں منع۔ نوافل میں دونوں بار کی التحیات کے بعد درود پڑھنا سنت ہے۔ یعنی پہلے قعدہ میں بھی درود شریف پڑھ کر کھڑا ہو؟

درود پاک کون سا پڑھنا چاہئے؟ مشکوۃ کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ علی النبی علیہ السلام میں حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود پاک کس طرح پڑھیں تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے وہ درود بتایا جو نماز میں بعد التحیات پڑھا جاتا ہے۔ یعنی درود ابراہیمی۔

اس حدیث کی وجہ سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ سوائے درود ابراہیمی کے اور درود

پڑھنا منع ہے۔ گویا محض غلط ہے ورنہ پھر لازم آئے گا کہ محدثین جب کبھی حضور علیہ السلام کا اسم پاک لیتے ہیں تو صرف یہ ہی کہتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ بھی ناجائز ہو۔ اگر منقول کے سوا دوسرے درود پڑھنا منع ہیں تو وہ ہی غذائیں اور دوائیں استعمال کرنی چاہیں جو منقول ہیں۔ جس طرح کہ ہر غذا جو شریعت میں حرام نہیں کھانا جائز ہے۔ اسی طرح درود جو کہ شریعت میں منع نہیں پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ "کلوِاواشربوا" میں تو کھانا اور پینا مطلق ہے اور "صَلُّوْ عَلَیہِ" میں صلوہ مطلق کوئی درود پڑھ لیا جائے، ثواب پائے گا، ہاں منقول درود دیگر سے زیادہ بہتر ہے۔

دلائل الخیرات شریف میں بہت سے دورد نقل کئے گئے ہیں۔ صاحب روح البیان نے اس درود شریف کی بہت فضیلت اور نفع بیان کیا "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیکَ یَارَسُولَ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیکَ یَاحَبِیبَ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیکَ یَاخَلِیلَ اللّٰہ" یہ بہت ہی طویل درود شریف ہے۔

فقیر کا تجربہ یہ ہے کہ یہ درود بہت نافع ہے کہ بعد نماز جمعہ مدینہ پاک کی طرف منہ کر کے سو بار یہ پڑھے "صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِی الاُمِّیِ وَآلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم صَلٰوۃً وَسَلٰمًا عَلَیکَ یَارَسُولَ اللّٰہ" گر ہاتھ باندھ کر مدینہ پاک کی طرف کھڑا ہو، مدینہ پاک کا رخ مغرب اور شمال کے درمیان ہے ہمارے ہندوستان میں۔

تنبیہہ:۔ ہمارے یہاں پنجاب میں قاعدہ ہے کہ نماز عشاء اور فجر کے بعد نماز سے فارغ ہو کر بلند آواز سے یہ درود شریف پڑھتے ہیں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیکَ وَسَلَّم یَارَسُولَ اللّٰہ وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصحٰبِکَ یَاحَبِیبَ اللّٰہ۔

بعض لوگ اس کو شرک و کفر کہتے ہے لیکن یہ محض غلط ہے۔ ہر دورد جس طرح چاہو پڑھو "صلوا علیہ" میں صلوۃ میں کوئی پابندی نہیں، بلند آواز سے پڑھو، آہستہ پڑھو اور کوئی سا درود پڑھو بغیر شرعی ممانعت کے کسی چیز کو ناجائز تو کیا مکروہ بھی نہیں کہہ سکتے، مشکوۃ شریف میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام بعد نماز کے اس قدر

بلند آواز سے ذکر اللہ کرتے تھے کہ محلہ والوں کو گھروں میں خبر ہو جاتی تھی کہ اب نماز ختم ہو گئی۔ بلند آواز سے ذکر کرنے کی پوری بحث ہم نے اپنی کتاب "جاء الحق وزھق الباطل" میں بہت نفیس کر دی ہے وہاں مطالعہ کرنا چاہئے۔

(۳) کس پر درود پڑھا جائے؟ شامی عالمگیری کتاب الکراہیت میں ہے کہ نبی کے سوا کسی پر مستقل طور پر درود و سلام پڑھنا منع ہے۔ مثلاً امام حسن علیہ السلام یا امام حسین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نبی علیہ السلام کے نام کے تابع کر کے غیر نبی پر درود شریف پڑھ سکتے ہیں۔ مقصود تو حضور علیہ السلام پر درود ہو ان کے صدقے میں اور کا بھی نام آجائے مثلاً "اللھم صلی علی محمد وعلی ال سیدنا محمد وعلی اصحبه وازواجه واولیاء امته وعلماء ملته اجمعین خصوصا علی غوث الصمدانی" وغیرہ کہ اس درود میں آل پاک، صحابہ کرام، اولیاء، علماء و تمام امت کا ذکر آگیا مگر حضور علیہ السلام کے طفیل۔

آیت نمبر ۲۶۔ "وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا وَّلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ" (پارہ ۲۲، سورہ سباء رکوع ۳) (اور اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو کہ آدمیوں کو گھیرنے والی ہے خوش خبری دیتا ہوا اور ڈر سناتا، لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، اس میں حضور علیہ السلام کی تین صفات کا ذکر ہے، تمام لوگوں کے لئے نبی ہونا، سب کے لئے بشیر و نذیر ہونا، ان تینوں چیزوں کی کافی بحث ہم نے سورہ فرقان کی پہلی آیت میں اور سورہ احزاب میں بیان کر دی۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ حضور علیہ السلام کی رسالت عامہ ہے جس سے کوئی علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ انبیاء علیہ السلام اور اولیاء اور انسان و غیر انسان۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم کو پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئیں جو ہم سے پہلے کسی انسان کو نہ ملیں، ایک مہینہ کی راہ تک میرا رعب دیا گیا، تمام زمین ہمارے لئے مسجد بنا دی گئی اور پاک کر دی گئی، کہ جہاں نماز کا وقت آجائے وہاں ہی نماز پڑھ لی جائے، اور

پانی نہ ملے تو تیمم کر لیا جائے' غنیمتیں حلال کی گئیں کہ اس سے پہلے کسی کے لئے غنیمت کا مال حلال نہ تھا' ہم کو شفاعت (کبریٰ) دی گئی اور نبی خاص خاص قوموں کی طرف بھیجے جاتے تھے مگر ہم تمام انسانوں کی طرف بھیجے گئے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ آپ کی رسالت سب کو عام ہے صلی اللہ علیہ وسلم

آیت نمبر ۶۷۔ "اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ" (پارہ ۲۲' سورہ فاطر' رکوع ۲) (اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بے شک ہم نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا' خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا اور جو کوئی گروہ تھا سب میں ایک ڈر سنانے والا گزرا۔)

اس آیت کریمہ میں تین صفات تو حضور علیہ السلام کے ارشاد ہوئے' رسالت عامہ' بشیر ہونا' نذیر ہونا اور آخر میں گزشتہ امتوں کے متعلق راہنماؤں کے آنے کا ذکر فرمایا گیا اور بتایا گیا کہ جس قدر بھی امتیں ہیں ان میں سب ڈرانے والے گزرے ہیں مگر اس کو حضور علیہ السلام کی رسالت سے کیا تعلق ہے؟ یہ بات بھی قابل غور ہے' مطلب یہ ہے کہ اے محبوب! علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ساری امتوں کی طرف بھیجے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت سب کو عام ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہر جماعت کے لئے علیحدہ علیحدہ ڈرانے والے ہوتے تھے تو اب اس سے حضور علیہ السلام کی نعت بخوبی واضح ہوئی۔

اس آیت سے بعض لوگوں نے تو یہ دھوکا کھایا ہے کہ کسی مذہب کے پیشوا کو برا نہ جانو' کرشن' رامچندر' گوتم وغیرہ کی تعظیم کرو' کیونکہ یہ سب پیغمبر تھے کہ ان کی تعلیم لوگوں نے بگاڑ دی اور بت پرستی شروع کر دی' جس طرح کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے حضرت مسیح اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کی تعلیم بگاڑ کر صلیب پرستی وغیرہ دین میں داخل کر لی اور بعض لوگوں نے یہ دھوکا کھایا کہ انبیائے کرام انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوقات میں بھی آئے' یعنی جنات میں جن نبی' اور معاذ اللہ چوہڑوں میں چوہڑے اور دیگر قوموں میں اسی قوم سے نبی۔ مگر یہ دونوں خیال فاسد ہیں۔ کرشن' رامچندر' گوتم

وغیرہ کا دنیا میں نام ہی ثابت نہیں۔ ہمارے پاس کون سی دلیل ہے اس کی کہ یہ لوگ انسان تھے بھی یا نہیں یا کہ کچھ شئی تھی بھی یا نہیں' محض ان افسانوں سے ان کا ثبوت ہے کہ جو مشرکین کے گھڑے ہوئے ہیں۔ رامچندر کے چار پاؤں اور چھ ہاتھ' ہنومان کی پشت پر دم اور گنیش کے منہ پر سونڈ کا ہونا بالکل خلاف عادت الٰہی ہے' عقل کے بھی خلاف اور قرآن کے بھی خلاف ہے۔ رب تعالیٰ تو فرماتا ہے "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" (ہم نے انسان کو اچھی صورت میں پیدا فرمایا) اور یہ لوگ انسان بھی نہ ہوں اور معاذ اللہ پیغمبر بھی ہوں' اور ان کی شکلیں بندروں اور دیگر جانوروں کی سی ہوں' اچھی شکل سے محروم۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا' غرضیکہ یہ بناوٹی شکلیں ہیں ان کی اصل کچھ بھی نہیں یا یہ کہ کوئی جانور ہوئے ہوں گے جن کی مشرکین نے پوجا شروع کر دی جیسے آج بھی بندروں اور گائے کی پرستش ہوتی ہے' یہ کہنا کہ یہ انسان تھے' پاک باز تھے مگر مشرکین نے ان کی شکلیں مسخ کر کے اس طرح کی بنالی ہیں یہ تو ایسی بے جا مشرکین کی وکالت اور حمایت ہے کہ جو خلاف عقل ہے' جب خود ان کے ماننے والے ان کو انسان نہیں کہتے بلکہ بندروں کو ہنومان اور دیگر جانوروں کو ان کی طرف نسبت کرتے ہیں تو آپ کے پاس کیا وحی آگئی ہے کہ وہ انسان تھے اور ایسے ویسے تھے ورنہ پھر تو جن بتوں کی مشرکین عرب پوجا کرتے تھے ان کی بھی برائی نہ کرنی چاہئے حالاں کہ قرآن اور صاحب قرآن نے لات عزے اور منات کی برائیاں کیں' جیسے وہاں لات و عزے تھے ایسے ہی یہاں مہادیو اور بھوانی ہیں۔

یہ بھی غلط ہے کہ ہر قوم میں اس میں سے نبی آئے۔ انبیاء کرام ہمیشہ عالی نسب' شریف خاندان' نجیب الطرفین ہوتے ہیں کہ ان کے اخلاق پاکیزہ اور صورت نورانی ہوتی ہے' ویسے ہی ان حضرات کے نسب بھی۔

بخاری کے شروع میں ہرقل شاہ روم کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ اس نے ابوسفیان اور دیگر اہل مکہ کو بلا کر نبی کریم علیہ السلام کے احوال ان سے پوچھے تو تمام سوالات میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ وہ نسب و خاندان میں کیسے ہیں؟ سب اہل مکہ نے کہا کہ وہ

سارے عرب میں عالی نسب ہیں' تو ہرقل نے کہا کہ انبیاء عالی نسب ہی ہوتے ہیں کیسے ممکن ہے کہ بھنگیوں میں بھنگی اور چماروں میں چمار پیغمبر ہوں' خدا کی پناہ۔

اس آیت میں یہ کب فرمایا گیا ہے کہ ہر قوم میں اس قوم میں سے نبی بھیجے گئے' ہر قوم میں ہدایت کرنے والے پہنچے مگر وہ تھے عالی خاندان جیسے کہ آج تمام دنیا کی قوموں کے حضور علیہ السلام نبی ہیں' عربی' قریشی' ہاشمی مطلبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یہ دو باتیں ضرور خیال میں رہیں' یہ کہنا کہ غیر انسان میں بھی نبی اس جنس سے آئے محض غلط خیال ہے کیوں کہ قرآن کریم نے فرمایا "وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ" (ہم نے بھیجا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلے ان مردوں کو جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی انسان ہی میں سے ہوتے ہیں اور مرد ہی ہوتے ہیں' اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق وزہق" الباطل میں دیکھو۔

اس آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ہر قوم میں ڈرانے والے گزرے خواہ وہ پیغمبر ہوں یا علماء اور بزرگان دین۔

صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہاں امتوں سے وہ امتیں مراد ہیں جن پر دنیا میں عذاب آیا تو مطلب یہ ہوا کہ جس جس گروہ پر عذاب آیا' پہلے ان میں انبیاء علماء و صلحاء بھیجے کہ ان کو عذاب سے ڈرائیں' جب وہ نہ مانے تب عذاب آیا' اس تفسیر کی وہ آیت تائید کرتی ہے۔ "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا" ورنہ بعض امتیں ایسی بھی گزریں ہیں جن میں پیغمبر نہیں پہنچے' رب تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ نَّذِيۡر" (یعنی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ان میں ڈرانے والا نہیں بھیجا۔)

ہر شخص جانتا ہے کہ حضور علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں ۶۰۰ سال کا فاصلہ ہے (بخاری آخر جلد اول) اس زمانہ میں کوئی پیغمبر دنیا میں نہ آئے۔ لہٰذا یہ ہی دو صورتیں بہتر معلوم ہوتی ہیں جو بیان ہوئیں۔

آیت نمبر ۶۸۔ "یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ" (پارہ ۲۲، سورہ یاسین رکوع ۱) (حکمت والے قرآن کی قسم، بے شک تم مرسلین میں سے ہو۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، کفار مکہ کہا کرتے تھے آپ رسول اللہ نہیں ہیں۔ اس کا جواب رب نے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قرآن کی قسم آپ ہمارے رسول ہیں۔ اس آیت میں تین کلمے ہیں ایک "یسین" دوسرے "والقرآن الحکیم" تیسرے "انک لمن المرسلین" اور تینوں میں علیحدہ علیحدہ لطف ہے، کلمہ یس متشابہات میں سے ہے، اس کے صحیح معنی تو رب تعالیٰ جانے یا محبوب علیہ السلام مگر مفسرین نے کچھ تاویلیں فرمائی ہیں۔ اولاً تو یہ کہ یاسین حضور علیہ السلام کا اسم شریف ہے اور پوشیدہ ہے یعنی اے یس! دوم یہ کہ یا نداء کا حرف ہے اس سے مراد سید العالمین یعنی اے جہان والوں کے سردار۔ تیسرے یہ کہ یہ سورہ کا نام ہے۔ قرآن کریم میں قسم ارشاد فرمائی جس میں قرآن پاک کی عظمت کا اظہار ہے کیونکہ رب تعالیٰ جس چیز کی قسم ارشاد فرماتا ہے اس قسم سے اس چیز کا ظہور ہوتا ہے، ہم جو قسمیں کھایا کرتے ہیں اس سے کلام کی مضبوطی مقصود ہوتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت عامہ کو قرآن کریم نے قرآن ہی کی قسم سے بیان فرمایا اور کسی بھی نبی کی نبوت پر قسم نہ فرمائی گئی، غرضیکہ چند طرح اس طرح سے حضور علیہ السلام کی نعت ثابت ہے۔

آیت نمبر ۶۹۔ "قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا" (پارہ ۲۴، سورہ زمر رکوع ۶) (تم فرماؤ کہ اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت شریف ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک جماعت نے عرض کیا کہ یاحبیب اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم

ایمان تو لے آئیں، مگر ہم بڑے گنہگار ہیں۔ کیا ہمارے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس میں فرمایا گیا کہ اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم فرما دو کہ اے میرے وہ بندو، جنہوں نے قصور کئے رب کی رحمت سے ناامید نہ ہو، اسلام میں آ جاؤ اور اس سمندر رحمت میں غوطہ تو لگا لو، تو ہر میل سے پاک و صاف ہو جاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں "یا عبادی" فرمایا گیا ہے یا تو مراد اس سے اللہ کے بندے ہیں، تو یہاں قیدیں لگانی ہوں گی، ایک تو یہ کہ "یَقُولُ اللّٰہ یَاعِبَادِی" اللہ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! کیوں کہ پھر "قل" سے تعلق نہ ہو گا، دوسرے یہ کہ "اَسرَفُوا عَلٰی اَنفُسِہِم" میں قید لگانی پڑے گی کہ مشرکین و کفار اس سے خارج ہیں صرف اہل ایمان ہی اس میں داخل ہیں۔ کیوں کہ اللہ کے بندے تو سب ہی ہیں اور مشرک کے شرک کی بخشش نہیں ہو سکتی۔ "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغفِرُ اَن یُّشرِکَ بِہٖ" شرک کو نہیں بخشتا یا "یَاعِبَادِی" سے مراد رسول اللہ علیہ السلام کے بندے ہیں یعنی غلام عبد بمعنی عابد بھی آتا ہے اور بمعنی خادم بھی تو اب آیت کے معنی ہوئے کہ اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرما دو کہ اے میرے غلامو! اب کفار خود بخود ہی نکل گئے کیونکہ حضور علیہ السلام کے خدام تو مسلمان ہی ہیں اور کوئی عبارت آیت میں علیحدہ نہ نکالنی پڑی۔

اس توجیہہ کو مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اختیار کیا ہے کہ "عِبَادِی" سے مراد حضور علیہ السلام کے بندے ہیں اور مثنوی شریف میں بھی اختیار کیا ہے۔

بندہ خود خواند احمد در رشاد جملہ عالم رانجواں قل یا عباد
یاعبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے اپنا بندہ کر لیا پھر تجھ کو کیا

مسئلہ:۔ عبدالنبی اور عبدالرسول وغیرہ نام رکھنا بالکل جائز ہے اور قرآن سے ثابت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے "مِن عِبَادِکُم وَاِمَآئِکُم" (تمہارے غلام اور تمہاری لونڈیاں) عرب میں عام طور کہتے ہیں "عبدی" یعنی میرا غلام۔ صاحب درمختار

کے استاد کے استاد کا نام ہے عبدالنبی خلیلی (دیکھو در مختار کا مقدمہ جہاں انہوں نے اپنا شجرہ علمی بیان کیا۔

حدیث پاک میں جو اس سے منع فرمایا گیا کہ "عبدی" اور امتی نہ کہو یہ حکم استحبابی ہے جیسے فرمایا کہ انگور کو کرم نہ کہو کہ کرم مسلم ہے۔(بخاری وغیرہ) صحابہ کرام نے بھی بار ہا فرمایا ہے کہ "کنت عبدہ وخادمہ" (میں حضور علیہ السلام کا عبد اور غلام تھا) اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق وزھق الباطل" میں دیکھو جس میں اس کے ایسے دلائل بیان کر دیئے گئے ہیں کہ جن کا جواب انشاء اللہ مخالف سے ناممکن ہے۔

"لاتقنطوا" سے معلوم ہوا کہ خدا کی رحمت سے ناامیدی بندے کی شان نہیں بلکہ اپنے گناہوں کو دیکھ کر رب سے ڈرے اور رحمت الٰہی پر غور کر کے امیدوار رہے۔

گنہ رضا کا حساب کیا' وہ اگرچہ لاکھوں سے ہوں سوا
مگر اے عفو ترے عفو کا تو حساب ہے نہ شمار ہے

خدائے قدوس تمام گناہ معاف فرما دے گا مگر حقوق العباد میں حق والے سے معاف کروائے گا۔ جیسا کہ کتب عقائد وغیرہ میں مذکور ہے۔

آیت نمبر ۷۰۔ "اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ" (پارہ ۲۶ 'سورہ فتح رکوع' ۱) (بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرما دی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نعتوں کا مجموعہ ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ مع اپنے اصحاب کے مکہ مکرمہ میں امن سے داخل ہوئے' کعبہ کی کنجی لی اور طواف فرمایا اور عمرہ کیا۔ اصحاب کو اس خواب کی خبر دی' سب خوش ہوئے پھر حضور علیہ السلام نے عمرہ کا

قصد فرمایا' اور ایک ہزار چار سو صحابہ کرام کے ساتھ یکم ذیقعد سنہ ٦ ہجری کو روانہ ہو گئے۔ مکہ مکرمہ کی راہ میں ذوالحلیفہ میں احرام باندھا' جب مقام عسفان میں پہنچے تو خبر آئی کہ کفار مکہ جنگ کے لئے بڑے سازوسامان سے تیار ہیں۔

جب مسلمان مقام حدیبیہ میں پہنچے تو مسلمانوں کی طرف سے کئی آدمی کفار مکہ کی طرف بھیجے گئے جنہوں نے کفار مکہ سے کہا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کی غرض سے تشریف لائے ہیں جنگ کا ارادہ نہیں لیکن کفار مکہ کو یقین نہ آیا آخر انہوں نے عروہ ابن مسعود ثقفی کو تحقیق حال کے لئے حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا' عروہ نے آکر صحابہ کرام کا ادب اور مجلس پاک مصطفیٰ علیہ السلام کا نظارہ دیکھا تو حیران رہ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ جب حضور علیہ السلام ہاتھ مبارک دھوتے ہیں تو صحابہ کرام اس گرے ہوئے پانی کو حاصل کرنے کے لئے ٹوٹے پڑتے ہیں۔ اگر کبھی حضور علیہ السلام تھوکتے ہیں تو صحابہ کرام اس کو لینے کی کوشش کرتے ہیں اور جس کو وہ مل جاتا ہے تو وہ برکت کے لئے چہرے اور بدن پر مل لیتے ہیں۔ جسم پاک کا کوئی بال شریف نہیں گرتا اگر کوئی بال مبارک جسم پاک سے جدا ہو جائے تو صحابہ کرام اس کو ادب سے لے کر اس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ جب حضور علیہ السلام کلام فرماتے ہیں تو سب خاموش ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی اس مجلس پاک میں آنکھ اونچی نہیں کرتا' گویا مجلس کیا ہے' ایک علم و حکمت' ادب و وقار کی مجلس ہے' یا یوں کہو کہ فرش پر قدسی اتر آئے ہیں' عروہ نے یہ حال سارا کا سارا کفار مکہ سے کہا کہ میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں مگر' جیسا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دربار گہربار دیکھا وہ آج تک سنا بھی نہیں اور تم ان پر کامیاب نہ ہو سکو گے۔

قریش نے کہا کہ یہ مت کہو' ہم اس سال ان کو واپس کر دیں گے' اگلے سال وہ آئیں' جو لوگ حضور علیہ السلام کی طرف سے اہل مکہ سے گفتگو کرنے کے لئے گئے تھے ان میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے دس صحابہ کرام کے ہمراہ اہل مکہ کی طرف گئے اور اہل مکہ کو سمجھایا کہ تم حضور علیہ السلام کو عمرہ کرنے سے نہ روکو' مگر

وہ باز نہ آئے' مکہ مکرمہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین روز تک رکھا گیا' اور ان سے کفار مکہ نے عرض کیا کہ آپ اگر چاہیں تو خانہ کعبہ کا طواف کر لیں۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ حضور علیہ السلام سے پہلے طواف کر لوں۔

ادھر مسلمانوں میں خبر آئی' کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار مکہ نے شہید کر دیا' اس خبر پر حضور علیہ السلام نے تمام مسلمانوں سے بیعت لی کہ اگر جنگ کرنا پڑ جائے تو کوئی بھی اس سے منہ نہ موڑے اس بیعت کا نام بیعت الرضوان ہے' جو درخت خاردار کے نیچے لی گئی تھی' اس کا قصہ سورہ کے آخر میں آتا ہے۔

آخر کار اس پر صلح ہوئی کہ اس سال حضور علیہ السلام واپس تشریف لے جایئے اور سال آئندہ عمرہ کریں جب صلح نامہ لکھا جا چکا تو یہ آیت مبارک نازل ہوئی اور فرمایا گیا اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے آپ کو فتح دے دی' اس لئے کہ یہ صلح فتح مکہ کا ذریعہ بنی اور بہت سی فتوحات پھر حاصل ہوئیں' یہ تھا اس آیت کا شان نزول اب اس میں دو چیزیں بہت قابل غور ہیں' اولاً" یہ کہ فتح سے کیا مراد ہے' دوسرے یہ کہ "لِیَغفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ مِن ذَنبِکَ وَمَاتَاَخَّرَ" سے کیا مراد؟

صاحب روح البیان نے فتح کی چند توجیہیں کی ہیں' ایک یہ کہ یہاں فتح سے مراد فتح مکہ ہے مگر یہ بظاہر واقعہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے' کیوں کہ ابھی تو اہل مکہ نے عمرہ بھی ادا نہ کرنے دیا اور مسلمانوں کو واپس لوٹنا پڑا۔ اور "فتحنا" ماضی ہے جس کے معنی ہیں فتح دے دی' تو کہا جائے کہ صلح حدیبیہ ہو جانا یہ ہی فتح ہے۔ کہ کفار مکہ تو کوشش میں تھے کہ صلح نہ ہو' اور حضور علیہ السلام کی منشاء مبارک تھی کہ صلح ہو جائے جو کفار نے چاہا وہ نہ ہوا جو اللہ کے حبیب علیہ السلام نے چاہا وہ ہو گیا یہ فتح ہوئی یا کہا جائے یہ صلح فتح کا ذریعہ بنی اس لئے اس کو مجازاً فتح فرمایا گیا یا چونکہ اب فتح مکہ یقینی ہونی تھی' اور یقینی چیزوں کو عرب والے ماضی سے بول دیتے ہیں اس لئے ماضی فرمایا

گیا' یا یہ کہ اس صلح کی وجہ سے کفار مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے اور ان کے خلط سے بہت لوگ اس سال اسلام میں داخل ہوئے۔

یا یہ کہ فتح کے معنی ہیں کھول دینا' یہاں مراد کہ اے محبوب! علیہ السلام ہم نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے دروازے کھول دیئے' کس چیز کے؟ علوم کے' حکمتوں کے' ہدایتوں کے' جو دروازے اب تک اوروں پر بند رہے پیارے وہ تمہارے لئے کھولے' دروازہ شفاعت کبریٰ' دروازہ دیدار الٰہی' دروازہ جنت' دروازہ مقام محمود' دروازہ حوض کوثر یعنی تمام رحمت الٰہیہ کے دروازے تمہارے لئے کھول دیئے۔

یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ پہلے فرمایا گیا ہے۔"عِندَہ مَفَاتِحِ الغَیبِ لاَ یَعلَمُھَا اِلاَّ ھو"(یعنی غیب کی کنجیاں رب ہی کے پاس ہیں' ان کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا) اب سوال تھا ان کنجیوں سے کسی کے لئے غیب کے خزانے کھولے بھی یا نہیں؟ اس جگہ فرمایا "اِنَّا فَتَحنَا لَکَ"(ہم نے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے کھول دیئے۔)

رہی دوسری بحث کہ "ذَنبکَ" آپ کے گناہ' سے کیا مراد ہے؟ تمام اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے کہ انبیائے کرام گناہوں سے معصوم ہیں' اور تفسیر احمدیہ نے زیر آیت "لاَیَنَالُ عَھدِی الظّٰلِمِینَ" لکھا ہے کہ ہمارے حضور علیہ السلام نے قبل نبوت اور نہ بعد نبوت ایک ساعت کے لئے بھی ارادہ گناہ بھی نہ فرمایا' پھر آیت کے کیا معنی؟اس لئے محدثین اور مفسرین نے اس آیت کی بہت سی توجہیں فرمائی ہیں۔

مدارج النبوت میں فرمایا کہ آیت میں "ماتقدم" سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی خطاء ہے اور "ماتاخر" سے مراد امت کے گناہ معاف فرما دیئے' چنانچہ صاحب روح البیان نے اسی آیت کے ماتحت فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کے طفیل دعا کی اور قبول ہوئی بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ اس جگہ خطائے اجتہادی مراد ہے۔

بعض نے فرمایا کہ "یغفر" سے مراد "یعصم" ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گزشتہ زمانہ میں بھی گناہوں سے محفوظ رکھا' اور آئندہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محفوظ رکھے گا۔ یعنی آپ گناہوں سے محفوظ ہیں بعض نے فرمایا کہ امت کے گناہ حضور علیہ السلام کے دامن شفاعت کی طرف منسوب فرما دیئے گئے اور ہمیشہ امتوں کے گناہ انبیائے کرام کے کرم کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

یعنی گناہ و جرم کبھی گنہگار کی طرف منسوب ہوتا ہے کبھی بخشش کے ذمہ دار کی طرف جیسے مقدمہ کو مجرم کہتا ہے میرا مقدمہ اور وکیل و جج بھی کہتا ہے میرا مقدمہ' لیکن معنی جداگانہ ہوتے ہیں۔ مجرم کا مقدمہ اس معنی سے ہے کہ مجرم اس میں گرفتار ہے' وکیل اور جج کا مقدمہ اس معنی سے ہے کہ وہ اس کا ذمہ دار ہے لہٰذا گنہگاروں کے گناہ جس میں وہ گرفتار ہیں' حضور علیہ السلام کے دامن کرم کی طرفِ منسوب ہیں' اس معنی سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ ان کی شفاعت ہے' "یاذنبک" سے مراد وہ گناہ ہیں جنہیں حضور علیہ السلام نے گناہ بنا دیا کیوں کہ اگر حضور علیہ السلام کی جلوہ گری نہ ہوتی تو کوئی کام گناہ نہ بنتا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بنائے ہوئے گناہ (روح البیان) جیسے کہا جاتا ہے کہ چوری و زنا وغیرہ خدا کا گناہ ہے یعنی خدا کا حرام فرمایا ہو گناہ۔

کرکے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ
تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود

اسی لئے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے خطا نہ کی بلکہ اس خطاء کا سبب وہ خبیث انسان ہوئے جو پشت حضرت آدم علیہ السلام میں تھے' منظور الٰہی نہ تھا کہ یہ خبثاء جنت میں پیدا ہوں فرمایا گیا' اے آدم آپ زمین پر جا کر ان کو پھینک آؤ' پھر جنت میں تشریف لے آنا (روح البیان یہ ہی مقام اور مرقات شرح مشکوٰۃ)

عصمت انبیاء کی پوری تحقیق ہمارے رسالہ قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں دیکھیں اس قسم کی تمام وہ آیات جن سے بے دین دلیل پکڑتے ہیں۔ سب کی توجیہیں

اور جوابات مع دلائل عصمت بہت پر لطف طریقہ سے بیان کئے گئے ہیں۔

نکتہ:۔ صاحب روح البیان نے اس آیت کے ذیل میں لکھا کہ حضور علیہ السلام کو تین فتح عنایت ہوئیں فتح قریب وہ تو دروازہ دل کا کھولنا' اور اس کو اسرار پر خبردار فرمانا' دوسری فتح مبین وہ روح مصطفیٰ علیہ السلام کے دروازے کھولنا ہیں' تیسری فتح مطلق' وہ اپنی نصرت کے دروازے حضور علیہ السلام پر کھولنا ہے جس کی طرف اشارہ ہے۔ "اِذَا جَآءَ نَصرُ اللّٰہِ وَالفَتحُ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَعَلٰی وَاَصحَابِہٖ وَبَارِک وَسَلَّم"

آیت نمبر ۱۷۔ "اِنَّا اَرسَلنٰکَ شَاہِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیرًا لِّتُؤمِنُوا بِاللّٰہِ وَرَسُولِہٖ وَتُعَزِّرُوہُ وَتُوَقِّرُوہُ وَتُسَبِّحُوہُ بُکرَۃً وَّاَصِیلًا" (پارہ ۲۶' سورہ الفتح رکوع ۱) (بے شک ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر او خوشی و ڈر سناتا' کہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔)

یہ آیت بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت ہے اور حضور علیہ السلام کے بہت سے اوصاف اس میں بیان ہوئے۔ اور مسلمانوں کو اس بارگاہ کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا گیا۔ "شاھدا" کے معنی ہم پہلے سورہ احزاب میں بیان کر چکے ہیں۔ کہ "شاھدا" کے معنی حاضر اور مشاہدہ کرنے والے بھی ہو سکتے ہیں۔ یا تو تمام عالم کو دیکھنے والے یا معراج میں جنت و دوزخ اور لوح و قلم کو ملاحظہ فرمانے والے تمام مخلوقات پر نظر رکھنے والے ہیں یا' بمعنی گواہ یا بمعنی محبوب ہیں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ "اشھدان لا الہ الا اللّٰہ" اس میں غیر اللہ سے الوہیت کی نفی کی گواہی ہے' اور آپ علیہ السلام کی گواہی کامل اور دیکھی ہوئی ہے' سنی ہوئی نہیں' اور ثبوت کی گواہی دینا آسان ہے' مگر نفی کی بہت مشکل کوئی کہے کہ فلاں شعر گلستاں میں ہے' وہ شعر دکھا کر ثابت کر سکتا ہے' مگر یہ کہنا کہ فلاں شعر گلستاں میں نہیں بہت مشکل ہے' یہ وہی کہہ سکتا ہے جس کی نظر ساری گلستاں پر ہو ایسے ہی "لا

الٰہ الا اللّٰہ" کی دیکھی ہوئی گواہی وہ ہی دے سکتا ہے۔ جو اول سے آخر تک کا عالم ہو اور ذرے ذرے کو جانچ لے' پھر کہے کہ میں نے سب کو جانچ لیا' رب کے سوا کوئی خدا نہیں۔

شاہد کی پوری تفسیر اسی کتاب میں سورہ احزاب کی آیت "اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا" کی شرح میں ہو چکی ہے۔

اس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم ہمارے محبوب کی تعظیم اور توقیر کرو اس میں کسی قسم کی تعظیم کی قید نہیں لگائی گئی بلکہ جو تعظیمیں شریعت نے حرام فرمائی ہیں' جیسے تعظیمی سجدہ کرنا اور تعظیمی رکوع کرنا وغیرہ ان کے سوا جو تعظیم بھی تم سے ممکن ہو وہ کرو' کلام میں تعظیم کرو' ان کا نام شریف عظمت سے لو' ان کو اللہ اور اللہ کا بیٹا نہ کہو' باقی جو کلمے تعظیم کے ملیں کہو ان کی ہر چیز کی تعظیم کرو' بال مبارک کو چومنا لباس کی نعلین پاک کی' ان کے لکھے ہوئے نام کی اور ان کے شہر پاک کی غرضیکہ جس چیز سے ان کو نسبت ہو اس کی تعظیم کرو' اسی طرح اپنے ہاتھ اور پاؤں وغیرہ سے اپنی ہر ہر حرکت سے ان کی عظمت کا اظہار کرو۔

حتی کہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جب روضہ پاک پر سلامی کے لئے حاضر ہو تو ہاتھ باندھ کر ایسے کھڑے ہو' جیسے نماز میں کھڑے ہوتے ہیں۔(دیکھو عالمگیری' باب زیارت قبرالنبی کتاب الحج) اسی طرح ان کے لئے تعظیما کھڑا ہو جانا' ان کے ہاتھ و پاؤں مبارک کو بوسہ دینا جیسا کہ صحابہ کرام کا دستور تھا مستحب ہے(دیکھو مشکوہ کتاب الادب باب القیام اور باب المصافہ والمعانقہ)

جن احادیث میں تعظیما کھڑے ہونا منع فرمایا گیا ہے' وہ وہ کھڑا ہونا ہے کہ بڑا آدمی بیٹھا ہو اور دوسرے لوگ اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوں' اسی لئے فرمایا گیا ہے۔ "لَاتَقُوْمُوْا كَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ" (اس طرح نہ کھڑے ہو جیسے عجمی لوگ کھڑے ہوتے ہیں) اس کی بہت نفیس تحقیق دیکھو ہماری کتاب "جاء الحق وزھق الباطل" میں۔

وضو کا پانی کھڑے ہو کر پیو' آب زمزم کھڑے ہو کر پیو۔

حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضور علیہ السلام کی مجلس پاک میں آئے تو فرمایا انصار سے کہ اپنے سردار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ' غرضیکہ قیام تعظیمی جائز اور سنت سے ثابت ہے۔ اسی طرح محفل میلاد کرنا اور اس میں حضور علیہ السلام کی ولادت کے ذکر پاک پر کھڑا ہونا بھی حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے جو اور جس طرح تعظیم کی جائے جائز ہے' اس میں ثبوت کی کوئی حاجت نہیں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ پاک میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے اور حدود مدینہ منورہ میں بعض حضرات پاخانہ کے لئے نہ بیٹھتے تھے' اس تعظیم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا' نہ صحابہ سے نہ تابعین سے مگر امام مالک رحمتہ اللہ کا جذبہ دل ہے' اور کوئی بھی اس کو منع نہیں فرماتا۔ اس آیت میں چونکہ عزت و توقیر مطلق ہے اس لئے کسی طرح کی اس میں قید کا لگانا غلط ہے۔

صاحب روح البیان نے زیرِ آیت "مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ" لکھا کہ ایاز کے لڑکے کا نام محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھا۔ سلطان اس کا نام ادب سے لے کر پکارتے تھے ایک بار کہا کہ ایاز کے لڑکے یہاں آؤ۔ ایاز نے عرض کیا کہ حضور آج کیا قصور ہوا کہ آپ نے اس کا نام نہ لیا۔ فرمایا کہ میں اس وقت بے وضو تھا اور یہ نام پاک میں بغیر وضو نہیں لیتا۔

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

بتاؤ اس تعظیم کا ثبوت کہاں ہے؟

اسی طرح محفل میلاد شریف کرنا بھی تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے میلاد کی بہت نفیس بحث اور اس کا ثبوت قرآنی آیات' احادیث اور اجماع اور فعل انبیاء سے ہماری کتاب "جاء الحق وزھق الباطل" میں ہے۔

**مسئلہ:۔** حضور علیہ السلام کی تعظیم و توقیر ایمان میں داخل ہے اور آپ صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلم کی نعلین پاک کی بھی توہین کفر ہے۔

**آیت نمبر ۲۷۔** "اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُاللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡھِمۡ" (پارہ ۲۶ سورہ الفتح رکوع ۱) (وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی انتہائی نعت ہے' اس میں بیعت الرضوان کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے' جس کا ذکر ہم ابھی دو آیتوں سے پہلے کر چکے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید کئے جانے کی افواہ مسلمانوں میں پھیلی تو حضور علیہ السلام نے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی اور سب نے اپنے اپنے ہاتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے کر بیعت جہاد کی' پھر حضور علیہ السلام نے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ ہاتھ عثمان کا ہے اور اپنے داہنے ہاتھ کو فرمایا کہ یہ ہاتھ رسول اللہ کا ہے اور میں خود عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے بیعت کرتا ہوں خود اپنے ہاتھ پر۔

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ

سبحان اللہ! کیا شان حضرت عثمان ہے۔

دست حبیب خدا جو کہ ید اللہ تھا
ہاتھ بنا آپ کا آپ وہ ذی شان ہیں

**نکتہ:** رسول علیہ السلام کا ہاتھ' عثمان کا ہاتھ اور حضور علیہ السلام کا ہاتھ خدا کا ہاتھ' تو نتیجہ نکلا کہ عثمان غنی کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ اور قرآن اللہ کا کلام تو اللہ کے کلام کو اللہ کے ہاتھ یعنی عثمان غنی نے شائع کیا' اسی لئے فرمایا گیا عثمان جامع القرآن۔ اس آیت میں اسی بیعت کا ذکر ہے اور اس بیعت کے کرنے والوں کی عظمت کا اظہار ہے۔ نہ کہ جو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اس آیت سے تین مسئلے ثابت ہوئے۔ اولاً یہ کہ حضور علیہ السلام کو بارگاہ الٰہی میں وہ قرب حاصل ہے کہ حضور علیہ السلام کی اطاعت' حضور علیہ السلام کی

بیعت اللہ کی بیعت، حضور علیہ السلام کا ہاتھ۔ اللہ کا ہاتھ اس کی پوری تحقیق ہم کر چکے ہیں۔ "وَمَارَمَیتَ اِذ رَمَیتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی" کی بحث سورہ انفل پارہ ۹ میں۔

صاحب روح البیان نے اس جگہ لکھا کہ حضور علیہ السلام کو پروردگار عالم نے وہ مرتبہ عطا فرمایا جو کسی کو نہ ملا، رب کے لئے حضور علیہ السلام نے سب کو چھوڑا اب رب تعالیٰ حضور علیہ السلام کا ہے اور حضور علیہ السلام رب العالمین کے اسی لئے قیامت میں اور انبیاء فرمائیں گے نفسی نفسی مگر حضور علیہ السلام فرمائیں گے امتی امتی۔ کیونکہ نفس تو علیحدہ باقی ہی نہ رکھا اور حضور علیہ السلام سراپا مظہر قدرت الٰہی ہیں۔ وجود آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہے اور اس میں ظہور رب کی قدرت کا ہے اگر پروردگار عالم کی ساری صفات کو دیکھنا ہو تو حضور علیہ السلام کو دیکھو۔ اسی لئے فرماتے ہیں۔ "من رانی فقدری الحق" (جس نے مجھ کو دیکھا اس نے حق کو دیکھا) مگر ضبط کا یہ عالم ہے کہ ہر ہر ادا سے اپنی بندگی کا اظہار فرماتے ہیں۔ اور بعض اولیاء اس نور کی تھوڑی جھلک بھی پا جاتے ہیں تو منصور تو کہتے ہیں۔ "اناالحق" اور بایزید فرماتے ہیں۔ "سبحانی مااعظم شانی" اور ابوسعید خزار فرماتے ہیں۔ " مالی جبتی الا اللّٰہ"

موسیٰ پر زہوش رفت بیک پر تو صفات
تو عین ذات مے نگری در تسمے
رفعت طور میں لامکانی کہاں
لن ترانی کہاں من رانی کہاں
جس کا سایہ نہ ہو اس کا ثانی کہاں
اس کا اظہار ہی آج کی رات ہے۔

جب حضور علیہ السلام کا ہاتھ ہوا تو حضور علیہ السلام کی زبان شریف اور سارے اعضاء میں خدائی طاقت ہوئی۔ یہ درجہ فنا فی اللہ کا ہے، اس درجہ پر پہنچ کر انسان میں

خارق عادت صفتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ بندے سے خدائی کام صادر ہونے لگتے ہیں' جیسے حضرت آصف آنا فانا تخت بلقیس لے آئے' حضرت یعقوب علیہ السلام نے مصر سے قمیص یوسفی کی خوشبو پالی' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر فرما کر دنیا بھر کے لوگوں کو حج کی دعوت دی تو قیامت تک کے پیدا ہونے والوں نے وہ آواز سن لی' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارے سے سورج لوٹا' چاند پھٹا' بادل برسلیے۔ سب خدائی کام ہیں جو اللہ کے پیاروں سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بندہ اس درجہ میں پہنچ کر خدائی کاموں کے بارے میں کہہ دیتا ہے کہ یہ میں کر سکتا ہوں یا یہ کہہ دیتا ہے کہ سارا عالم میری ملک ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم سے فرمایا کہ میں تم کو بیٹا دوں گا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں مردے کو زندہ کر سکتا ہوں' اندھے' کوڑھی اچھے کر سکتا ہوں' ان کی یہ بات رب تعالیٰ کے کرم پر ناز کرتے ہوئے ہوتی ہے۔ جیسے بیٹا باپ کے مال کو کہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے۔ نمرود نے خدا کے مقابل ہو کر کہا "اَنَا اُحیِی وَاُمِیتُ" وہ مردود ہو گیا" عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "احی الموتی" وہ پیارے رہے' کیوں کہ ان دونوں ہی کے اندر بڑا فرق ہے' جیسے ڈاکو کہے کہ میں تمہیں مار سکتا ہوں وہ مجرم۔ وزیراعظم کہے کہ میں پھانسی دے سکتا ہوں وہ سچا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ بیعت کرنا ضروری ہے بلکہ سنت ہے اولا تو بیعت لوگوں نے میثاق کے دن کی تھی۔ رب نے فرمایا "اَلَستُ بِرَبِّکُم قَالُوا بَلٰی" پھر صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاک پر کی جو بھی اسلام لانے حاضر ہوتے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے مگر وہ بیعت اسلام ہوئی اور جو بیعت حدیبیہ میں لی گئی وہ بیعت جہاد ہے۔ کبھی حضور علیہ السلام نے کسی خاص عہد پر بھی بعض حضرات سے بیعت لی جیسے کہ بعض سے اس پر بیعت لی کہ کسی سے کچھ نہ مانگنا۔

حقیقت بیعت کی یہ ہے کہ اللہ کے نائب کے ہاتھ پر اللہ سے اقرار کرنا کہ ہم

وفادار بندے رہیں گے اور اس اللہ کے بندے یعنی اپنے شیخ کو اس پر ضامن بنانا' پھر خلفائے راشدین کے ہاتھوں پر بیعتیں ہوئیں۔ مگر یہ بیعت حکومت بھی تھی اور بیعت ارادت بھی یعنی مریدی کی بیعت۔ اسی لئے اس زمانہ میں مشائخ کی بیعت کا رواج نہ تھا۔ کیونکہ صدیق و فاروق و دیگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم خود شیخ تھے اور چونکہ یہ بیعت خلافت بھی تھی' اس لئے ہر خلیفہ کے ہاتھ پر علیحدہ بیعت کرنا پڑتی تھی۔

پھر جب خلافت راشدہ کا زمانہ گزر گیا' سلاطین میں سلطنت رہ گئی' تو بیعت حکومت تو اسلامی بادشاہوں سے کی گئی اور بیعت طریقت مشائخ سے مرید کے معنی ہیں ارادہ کرنے والا۔ چونکہ یہ بھی اللہ کی رضا کا طالب ہے اس لئے اسے مرید کہا جاتا ہے' یہ لفظ قرآن کی اس آیت سے لیا گیا "يُرِيدُونَ وَجْهَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"

مسئلہ:۔ بیعت کرنا کسی نہ کسی مرشد کی ضروری ہے' مثنوی شریف میں ہے۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر
ہست بس پر آفت و خوف و خطر

خرپوتی شریف نے لکھا کہ جس کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے قرآن فرماتا ہے "يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ" (ہم قیامت میں ہر آدمی کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے) یعنی اے چشتیو! اے قادریو! اے سہروردیو! اے نقشبندیو! یا کہ اے حنفیو! اے شافعیو! اے مالکیو! اے حنبلیو! چلو۔ اور جس کا کوئی امام اور شیخ نہیں ان کو بلایا جائے گا اے شیطانو! کیوں کہ ابھی ہم عرض کر چکے ہیں کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے (روح البیان زیر آیت "یوم ندعوا") مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ جس کے گلے میں کسی کی رسی نہ ہو اور وہ مرجائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔

نفس کہتا ہے اس کے گلے میں کسی کا پٹہ ڈالو تاکہ مارے نہ جاؤ' مشائخ کا شجرہ گویا اس پٹہ کی زنجیر ہے۔ جس کی پہلی کڑی مرید کے گلے میں اور آخری حضور علیہ السلام

کے ہاتھ میں ہے۔ نیز جب تم شمع نبوت سے دور ہو تو ان شیشوں سے تعلق رکھو جن سے یہ نور چھن چھن کر آیا ہے' حضور رحمت کی بارش ہیں اور علماء و مشائخ تالاب' جو بارش نہ پائے وہ ان تالابوں سے اپنے ایمان کی کھیتوں کو پانی دے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیعت کرتے وقت مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دینا سنت ہے۔ کیونکہ ہاتھ ملانا عہد کی پختگی کے لئے ہوتا ہے' اس لئے دعا کے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں' گویا رب سے لے رہے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لپ بھر علم عطا فرمایا مگر عورتوں سے ہاتھ ملانا جائز نہیں کہ یہ خلاف حجاب ہے۔ ہاں اگر اپنی محرم کو مرید کرتا ہے تو ہاتھ ملا سکتا ہے۔ نیز عورت کو پیر نہیں بنا سکتے کیوں کہ پیری ایک قسم کی امامت ہے' عورت مرد کی امام نہیں بن سکتی ہے نہ عورت کی امامت صحیح ہے۔

**مسئلہ:۔** بیعت چار قسم کی ہے' آج کل جو رائج ہے وہ بیعت ارادت ہے' دیکھو اس کی تحقیق کے لئے فتاویٰ افریقہ۔

**نوٹ ضروری:۔** مرشد میں چار باتیں دیکھنا چاہیں۔ اولاً تو صحیح العقیدہ ہو۔ دوسرے بالکل جاہل نہ ہو۔ تیسرے فاسق و فاجر نہ ہو۔ نیک پرہیزگار ہو۔ چوتھے اس کا شجرہ صحیح حضور علیہ السلام تک پہنچتا ہو۔ اگر اس میں سے کسی بات کی بھی کمی ہو۔ تو اس کے ہاتھ میں ہرگز ہاتھ نہ دو۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نہ باید داد دست

تیسرے یہ بھی اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیعت کا طریقہ یہ ہے کہ مرید بیعت ہوتے وقت مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دے کیونکہ فرمایا گیا "یَدُاللّٰہِ فَوقَ اَیدِیھِم" (اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت کی مگر عورتوں سے جب بیعت لی جائے تو محض بات سے اور کلام سے کی جائے ہرگز ان کا ہاتھ نہ چھوا جائے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے کبھی کسی عورت کا ہاتھ پکڑ کر بیعت نہ کیا۔ بلکہ پیر سے عورتوں کو پردہ کرنا چاہئے جبکہ وہ اجنبی ہو۔

مرید کا ہاتھ پکڑنا ایسا ہے جیسے بجلی کی کرنٹ کہ اگر ہزاروں آدمی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوں اور ایک آدمی میں کرنٹ آ جائے تو سب میں پہنچ جاتی ہے۔ ایسے ہی نور نبوت کی کرنٹ صحابی نے حاصل کی' اب قیامت تک یہ کرنٹ مشائخ میں رہے گی۔ اور ان کے مریدین اپنے اپنے مشائخ کے ہاتھ سے ہاتھ مس کر کے وہ برقی رو اپنے میں لیتے رہیں گے۔ اگر عورت کا ہاتھ پکڑ کر بیعت نہ کر سکیں تو رومال یا چادر کا ایک گوشہ مرشد پکڑے دوسرا گوشہ وہ عورت تاکہ یہ نوری کرنٹ اس ذریعہ سے اس عورت مرید تک پہنچے ایسے ہی ریل کے ڈبوں کا حال ہے۔

فائدہ جلیلہ:۔ مرشد یا شیخ کے بعد اس ذریعہ سے اس عورت مرید تک پہنچے ایسے ہی حکم شرعی یہ ہے کہ سجادہ نشین میں وہ چار صفتیں ہوں جو کہ مرشد کے لئے ذکر کی گئیں اب سجادہ نشینی کی تین صورتیں ہیں۔ یا تو شیخ خود اپنی زندگی میں کسی کو اپنا جانشین مقرر کر دے جیسے کہ صدیق اکبر نے فاروق اعظم کو اپنی زندگی میں خلیفہ فرما دیا۔ یا شیخ کے عام مریدین شیخ کی وفات کے بعد اس کو سجادہ نشین بنائیں جیسے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کہ عام مسلمین کے مشورہ سے ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے کسی کو خلیفہ نہ بنایا کہ مریدین میں سے خاص معتمد لوگ کسی کو سجادہ نشین بنا لیں۔ جیسے کہ حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کہ خاص اصحاب حل و عقد کے مشورہ سے ہوئی' یہ خلافتیں آج کل کی خلافتوں کے لئے دلیل ہیں۔

اب جو مشہور ہو گیا ہے کہ پیر کا بیٹا پیر بننا چاہئے' اس کو مرشد نے خلافت دی ہو یا نہ اور وہ اس کا اہل ہو یا نہ ہو' مریدین اس سے راضی ہوں یا نہ ہوں' یہ محض غلط ہے' اس کی بہت پرزور تردید شارح قصیدہ بردہ نے کی ہے۔

وہ لکھتے کہ آج کل سجادہ نشینی بچوں کا کھیل ہو کر رہ گئی کہ پیر کے نابالغ نااہل بیٹے

شرائط کے پیر بنائے جاتے ہیں' اللہ توفیق دے راہ راست پر چلنے کی۔ آمین۔ اور پیر زادے بھی سمجھتے ہیں کہ پیری ہمارے گھر کی میرات ہے' اگر خلافت میراث ہوتی تو خلفائے راشدین کی اولا ہی ان کی خلیفہ ہوتی۔

آیت نمبر ۴۷۔ "لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِي قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا" (پارہ ۲۶' سورہ فتح' رکوع ۳) (بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عزت و عظمت کے خطبے ارشاد فرما رہی ہے اور جن خوش نصیب حضرات نے ان کے دست مبارک پر بیعت کی' ان کے مراتب کا ذکر فرماتی ہے۔ بیعت الرضوان جس کا واقعہ ہم دو آیتوں میں پیشترذکر کر چکے ہیں اس بیعت میں شرکت کرنے والے اصحاب کو جو انعام الٰہی ملا' اس کا اس میں ذکر ہے۔ ان کو تین چار نعمتیں ملیں' رضا الٰہی سے اطمینان کا اتارنا' عنقریب فتح و نصرت کی خوش خبری اور بہت سی غنیمتیں جبکہ بیعت کرنے والوں کو یہ انعامات ملے تو جن کے صدقے میں یہ سب کچھ ملا ان کی عزت و عظمت تو قیاس و گمان سے بھی باہر ہے۔

اس جگہ چند باتیں قابل غور ہیں' بیعت الرضوان میں 14 سو حضرات نے بیعت کی اور چوں کہ ان حضرات کو خبر دے دی گئی کہ اللہ تم سے راضی ہے اس لئے اس کو بیعت الرضوان کہتے ہیں۔

نوٹ ضروری:۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدائے پاک ان صحابہ کرام کے سوائے اوروں سے راضی نہیں ہے' رب تعالیٰ سب صحابہ سے راضی اور سب کے لئے جنت کا وعدہ فرما چکا ہے۔ فرماتا ہے "كُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" (سب سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرما لیا) ایک جگہ ارشاد ہوا "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ

خَشِیَ رَبَّہٗ" (اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور یہ انعام ہر اس شخص کے لئے ہے جو رب سے ڈرے) اسی لئے صحابہ کرام' تمام اہل بیت' سارے علماء اور اولیاء اللہ کو رضی اللہ عنہ اور رحمتہ اللہ علیہ کہنا جائز ہے۔ (شامی کتاب الکراہیہ) نہ کہ خصوصی رضاء اس جگہ مراد ہے۔

**ہدایت:۔** جو شخص حضرات صحابہ اور خاص کر بیعت الرضوان میں شرکت کرنے والوں کو معاذ اللہ برا کہے یا ان کو منافق کہے یا کہے کہ بعد میں ابوبکرصدیق یا فاروق اعظم یا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسلام سے پھر گئے' وہ کافر اور مرتد ہے۔ کیوں کہ پھر اس کے معنی یہ ہوئے کہ رب العالمین کو علم نہ تھا کہ ان حضرات کا انجام کیا ہو گا اور ان کو اپنی خوشنودی کا تمغہ دے دیا' رب علیم و خبیر ہے۔ جن سے راضی ہو وہ واقعی جنتی اور جنتیوں کے سردار ہیں۔

جس درخت کے نیچے یہ بیعت لی گئی وہ درخت ببول کا تھا جس کو عربی میں کہتے ہیں سمرہ۔ یا کہ بیری کا درخت تھا غرضیکہ خار دار درخت تھا مگر روح البیان میں روایات ببول کے درخت کی ملتی ہیں۔ قدرت الٰہی سے یہ درخت غائب ہو گیا اور لوگ دوسرے درخت کو یہ درخت سمجھ کر اس کی زیارت کرتے تھے اور اس کے نیچے جا کر نمازیں ادا کرتے تھے برکت کے لئے۔ حضرت فاروق اعظم نے اولا تو ان کو اس سے روکا کہ یہ وہ درخت نہیں ہے مگر جب معلوم فرمایا کہ لوگوں کو دھوکا لگا ہوا ہے تو اس غلطی سے بچانے کے لئے یہ درخت کٹوا دیا۔ (دیکھو مسلم جلد دوم کتاب الامارت' باب بیعت الرضوان اور بخاری کتاب المغازی اور روح البیان یہ ہی آیت)

بعض لوگ اس واقعہ فاروقی کو سند بناتے ہیں اولیاء اللہ کی قبور گرانے اور ان کی توہین کرنے کے لئے کہ فاروق اعظم نے وہ مبارک درخت کٹوایا۔ ہم یہ چیزیں گراتے ہیں۔

صاحب روح البیان اسی آیت کے ماتحت فرماتے ہیں کہ یہ لوگ نہایت ہی بے دین ہیں اور ان کا یہ فعل کفر ہے' یہ ہی فرعون نے کہا تھا "ذرونی اقتل موسی

ولید ربہ"اگر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ' تبرکات کے مخالف تھے تو حضور علیہ السلام کے وہ تبرکات' بال شریف' لباس شریف کیوں باقی چھوڑتے جن کی صحابہ کرام زیارتیں کرتے تھے۔ اور حضور علیہ السلام کا روضہ خود فاروق اعظم نے کیوں تعمیر کرایا؟ تمام علمائے ملت مدینہ پاک جاتے رہے مگر کسی نے بھی اس روضہ پاک کی عمارت کی مخالفت نہ کی۔ اولیاء اللہ کے مزارات پر عمارات بنانے کی پوری بحث قرآن شریف اور حدیث شریف اور فقہاء کی عبارتوں سے اس کا ثبوت مخالفین کے دلائل اور ان کے جوابات ہماری کتاب "جاء الحق وزھق الباطل" میں دیکھو۔

روح البیان میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور علیہ السلام نے ان صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم لوگ تمام روئے زمین والوں سے افضل ہو۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس بیعت میں حضرت خضر علیہ السلام بھی شریک تھے' کیونکہ وہ اپنے وقت کے نبی ہیں اور صحابہ کرام نبی سے افضل نہیں ہو سکتے' اس لئے ماننا پڑے گا کہ وہ بھی اس بیعت میں شریک تھے کیوں کہ وہ زمین پر ہیں اور زندہ ہیں۔

آیت نمبر ۴۷۔"ھوالذی ارسل رسوله بالھدی ودین الحق الایه محمد رسول الله والذین' معه اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من الله ورضوانا"(پارہ ۲۶' سورہ فتح رکوع ۴)(وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل' تو ان کو دیکھے گا رکوع کرتے سجدہ کرتے اور اللہ کا فضل اور رضا چاہتے ہیں۔)

یہ آیت بھی حضور علیہ السلام کی اعلیٰ نعت اور صحابہ کرام کی منقبت ہے۔

اس آیت میں چند مقام غور کے قابل ہیں۔ ایک تو "ھوالذی" دوسرے "محمد رسول الله" تیسرے "والذین معه" "ھوالذی" میں رب تعالیٰ نے پہچان کرائی محمد رسول اللہ میں اپنے حبیب کی اور "والذین معه" میں صحابہ کرام کی' یا

یوں کہو کہ رب العالمین نے اپنی پہچان کرائی محبوب علیہ السلام کے ذریعے سے اور محبوب علیہ السلام کی پہچان کرائی بذریعہ صحابہ کرام۔ فرمایا گیا "ھوالذی ارسل رسوله" اے مسلمانو! اگر رب تعالیٰ کو جاننا چاہتے ہو تو اس طرح پہچانو کہ رب وہ ہے جس نے ایسے رسول علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ بلا تشبیہہ یوں سمجھو کہ ایک اعلیٰ درجہ کا کاریگر کہتا ہے کہ میں وہ ہوں جس نے فلاں عمارت بنائی ہے یا قابل استاذ کہتا ہے کہ میں وہ ہوں جس نے فلاں شاگرد کو قابل بنایا' اگر میری علمی قابلیت دیکھنا ہے تو میرے فلاں شاگرد کو دیکھو کہ میرے علم و ہنر کا نمونہ ہے دست قدرت بھی آج اس انوکھے اور نرالے بندہ خاص پر ناز فرماتا ہے کہ اگر میری قدرت' میرا علم' میری سخاوت' میرا کرم غرضیکہ میری تمام صفات کا نظارہ کرنا ہے تو میرے محبوب علیہ السلام کو دیکھ لو. کہ یہ مظہر ذات ہیں۔ اس کی تفصیل میں بہت طول ہے۔

یا یوں سمجھو کہ آفتاب کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی لیکن اگر رنگین شیشہ میں سورج کا عکس لیا جائے اور اس شیشہ میں نظر کی جائے تو جمال آفتاب نظر آتا ہے یہ ذات پاک بھی قدرت الٰہی دیکھنے کا گہرے رنگ والا شیشہ ہے' اس کو دیکھا تو رب کی صفات کو دیکھا۔

بالھدی الایہ میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ رب تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت یافتہ بنا کر بھیجا یعنی اور بچے تو ماں باپ' استاذ' مشائخ اور ساتھیوں سے مختلف قسم کی ہدایتیں لیتے ہیں مگر حضور علیہ السلام نے کسی سے ہدایت نہ لی' رب تعالیٰ نے ہر طرح کی ہدایت دے کر بھیجا۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرمایا (روح البیان یہ ہی مقام) ہمیشہ حلیمہ دائی کا ایک پستان چوسا' دوسرا اپنے بھائیوں کے لئے چھوڑا' ظہور نبوت سے پہلے نمازیں پڑھیں۔ دوسرے یہ کہ تمہاری ہدایتیں حضور علیہ السلام کو عطا فرمائیں یعنی جسے جو ہدایت ملے گی وہ حضور علیہ السلام سے ملے گی۔ حضور علیہ السلام کو سرچشمہ ہدایت بنا کر بھیجا۔ دین حق سے مراد سچا دین ہے یا مضبوط دین یعنی پچھلے نبیوں کے دین اگرچہ سچے تھے مگر مضبوط نہ تھے' لہذا منسوخ

ہو گئے۔ حضور انور علیہ السلام کا دین سچا بھی ہے مضبوط بھی کہ کبھی منسوخ نہ ہو گا۔
پھر فرمایا "محمد رسول اللّٰہ" رسول تو اور انبیاء بھی تھے، مگر یہاں حضور علیہ السلام کو خاص کر کے فرمایا، روح البیان میں ہے کہ چند وجہ سے اولا تو اس لئے کہ اور انبیاء کرام تو دنیا میں تشریف لا کر رسول ہوئے حضور علیہ السلام عالم ارواح میں بھی رسول اللہ تھے، جب سے رب کی ربوبیت کا ظہور تب سے رسول اللہ کی رسالت کا اعلان۔

دوسرے اس لئے کہ اور انبیاء کی نبوت تو دنیا میں چند روزہ رہی، مگر حضور علیہ السلام کی رسالت تا قیامت بلکہ جنت میں بھی کہ وہاں کہ ہر پتہ پر لکھا ہے۔ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰه"

چوتھے اس لئے کہ سب انبیاء کرام خاص خاص معجزات لے کر آئے، حضور علیہ السلام تمام معجزات لے کر آئے، کلمہ محمد کی باریک باتیں ہم "مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ" کی آیت میں عرض کر چکے ہیں۔

چند باتیں اور سنو، تمام عالم حضور علیہ السلام کے نور سے بنا ہے، کیوں کہ ساری چیزوں کے عدد ۹۲ بنتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عدد بھی ۹۲ ہیں، گورونانک اس طرح اس کو ثابت کرتے ہیں۔

نام لیو جس انچھر کو تو کرو چوگنا تا
دو ملاؤ پچگن کرو کاٹو بیس بنا
نانک بچے تو نو گنے دو اس میں اور ملا
اس بدہر کے نام سے نام محمد ﷺ بنا

یعنی کسی چیز کے عدد نکال لو، ان عددوں کو چار گنا کر لو، کیونکہ یار چار ہیں، اس وگنے میں دو ملا کر پانچ سے ضرب دے دو، کیوں کہ یہ پنجتن پاک عدد ہے، اور جو حاصل وا، اس میں سے بیس بیس 3 دفعہ نکال دو، باقی کو نو سے ضرب دے کر دو ملا دو ۹۲ حاصل اوں گے۔

مثلا کسی چیز کے عدد ہیں، تین، اس کو چوگنا کیا تو ہوئے بارہ، دو ملائے ہوئے چودہ

پانچ گنا کئے تو ہوئے ستر' اس ستر میں سے بیس بیس تین دفعہ نکال دو تو بچے دس' دس کو نو گنا کیا' تو ہوئے نوے دو ملائے ہوئے بانوے' ہر جگہ یہ ہی قاعدہ جاری ہے۔

حضور علیہ السلام کے دو نام ذاتی ہیں۔ احمد یعنی رب کی کما حقہ حمد کرنے والے محمد' رب نے ان کی حمد کی اور تمام مخلوق سے ان کی حمد کرائی۔

اس آیت کے ماتحت روح البیان میں ہے کہ محفل میلاد کی مجلس میں حضور علیہ الصلوہ والسلام کی انتہائی تعظیم ہے اور ساری امت کا عمل۔

اگرچہ حضور علیہ الصلوہ والسلام کی صفات بہت ہیں لیکن رب تعالیٰ نے انہیں یہاں رسالت کی صفت سے یاد فرمایا' اور کلمہ میں بھی یہ ہی وصف رکھا دو وجہ سے' ایک یہ کہ حضور علیہ السلام کا تعلق رب سے بھی ہے اور مخلوق سے بھی' رسول میں ان دونوں تعلقات کا ذکر ہے۔ یعنی خدا کے بھیجے ہوئے اور مخلوق کی طرف بھیجے ہوئے اگرچہ نبی میں بھی یہ بات حاصل ہے۔ لیکن نبی میں صرف خبر لانا ہے اور رسول میں خبر ہدایات اور انعامات سب لانے کی طرف اشارہ ہے' دوسرے اس لئے کہ دو بچھڑوں کو ملانے والے رسول ہی ہوتے ہیں۔ جیسے ڈاک کا محکمہ کہ اگر یہ نہ ہو تو دو ملک اور دو شہر کٹ جائیں' اسی طرح خالق و مخلوق میں کوئی تعلق پیدا کرنے والے رسول ہی ہیں کہ اگر ان کا واسطہ درمیان میں نہ ہو تو خالق و مخلوق میں کوئی تعلق نہ رہے' حضور علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں' کہ اس کی نعمتیں ہم تک پہنچاتے ہیں' اور ہمارے رسول ہیں کہ ہماری درخواستیں بارگاہ رب میں پیش فرماتے ہیں' اور ہمارے گناہ وہاں پیش کر کے معاف کراتے ہیں' جو کہے کہ ہم خود رب تک پہنچ جائیں گے۔ وہ در پردہ حضور علیہ السلام کی رسالت کا منکر ہے' اگر ہم وہاں پہنچ جاتے تو رسول کی کیا ضرورت تھی۔ رب غنی ہو کر بغیر واسطہ ہم سے تعلق نہیں رکھتا' تو ہم محتاج اور ضعیف ہو کر رب تعالیٰ سے براہ راست تعلق کیسے رکھ سکتے ہیں؟ اس لئے ارشاد فرمایا "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ" میں چار صفات بیان ہوئی ہیں' حضور علیہ السلام کے ساتھ رہنا' کفار پر سخت ہونا آپس میں رحیم و کریم ہونا' رکوع و سجود زیادہ کرنا' یعنی عابد ہونا' یہ چاروں صفات اللہ کے

فضل سے تمام صحابہ کے اندر موجود ہیں۔ مگر چار خلفاء میں ایک ایک وصف کمل درجہ کا تھا۔ صدیق میں ساتھ رہنا عمر فاروق میں کافروں پر سخت ہونا' عثمان غنی میں رحیم ہونا' مولی علی میں عبادت و زہد رضی اللہ تعالیٰ عنہم گویا کہ شمع نبوت کی لالٹین کے چار شیشے ہیں علیحدہ علیحدہ رنگ والے' اگر نور نبوت دیکھنا ہے تو ان رنگ برنگے شیشوں کے ذریعہ سے دیکھو' جو شخص ان شیشوں سے علیحدہ ہے وہ نور مصطفیٰ علیہ السلام سے دور ہے کیوں کہ ممکن نہ تھا کہ رب العالمین اپنے نبی کے ساتھ کے لئے ایسے لوگوں کو خاص جو معاذ اللہ ایمان دار بھی نہ ہوں' اور پھول کے پاس رہ کر مٹی بھی مہک جاتی ہے' آسمان کا سورج جس گندی زمین پر روشنی ڈال دے وہ پاک ہو جائے تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس رہنے والے خوشبودار نہ ہو جائیں اور حضور علیہ السلام جو کہ دونوں جہان کے حقیقی سورج ہیں۔ اس سورج کے پاس بیٹھنے والے کیوں کر گندے رہ سکتے ہیں اگر معاذ اللہ یہ دیندار نہ تھے' تو قرآن کے پہنچانے والے مخلوق تک اور احادیث کے سنانے والے' دین کی تبلیغ کرنے والے غرض کے چمن مصطفیٰ علیہ السلام کی نگہبانی کرنے والے تو یہ ہی حضرات ہیں تو کیا قرآن اور اسلام معاذ اللہ برے لوگوں کے ہاتھوں میں پھلا پھولا؟

جس آنکھ نے ایمان سے ایک بار بھی جلوہ مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام دیکھ لیا' اس کا درجہ دنیا بھر کے غوث و قطب سے بڑھ گیا' تو جو حضرات سایہ کی طرح ہمیشہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ رہے وہ کیا شان رکھتے ہوں گے۔

خوشا وہ وقت کہ دیدار عام تھا اس کا
خوشا وہ وقت کہ طیبہ مقام تھا اس کا

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ایسے رہے کہ ولادت سے پہلے عالم ارواح میں ساتھ' دنیا' میں بچپن میں' جوانی میں' سفر میں' وطن میں' ہر جگہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ہجرت اوروں نے تو آگے پیچھے کی' مگر صدیق ہجرت میں بھی ساتھ' غار میں ساتھ' جس کو قرآن سنا رہا ہے۔ کہ "ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْھُمَا فِی

الغَارِ اِذ یَقُولُ لِصَاحِبِہٖ لَاتَحزَن" قرآن نے صدیق اکبر کی صحابیت کا یار غار ہونا بیان کیا ہے' آج ہماری اردو میں بھی کہتے ہیں۔ کہ فلاں تو میرا یار غار ہے' یار غار اسی جگہ سے لیا گیا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غار میں حق رفاقت لوا کیا۔

وفات میں ساتھ اس طرح کہ جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوئی' تو آپ کی عمر شریف ۶۳ سال کو پہنچی تو وفات پائی۔ دو سال اور چند ماہ عمر میں چھوٹے تھے' وہی زمانہ پورا فرما کر جب ۶۳ سال کو پہنچے تو وفات پائی۔

طریقہ وفات میں ساتھ' کہ حضور علیہ الصلو والسلام کی وفات زہر سے ہوئی' جو خیبر میں ایک یہودی عورت نے کھلایا تھا' صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات بھی زہر سے ہوئی کہ سانپ نے غار میں کاٹا تھا آج وہ زہر لوٹ آیا۔

نیز صحیح روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوہ والسلام میں کے دولت خانہ میں وفات کی رات چراغ کے لئے تیل نہ تھا اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت نہ گھر میں کفن' نہ کفن کے لئے دام' چنانچہ ان ہی استعمالی کپڑوں میں دفن دیا گیا دھو کر (دیکھو اسماء الرجال) پھر بعد وفات شریف قیامت تک کے لئے قبر میں محبوب کے دامن میں جا کر سو گئے۔

اللھم صلی علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد واصحابہ وبارک وسلم

آن آمن الناس بر مولائے ما
آن کلیم اول سینائے ما

حضرت فاروق کفار پر کیسے سخت۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ عمر جس راہ سے شیطان تم کو جاتا ہوا دیکھ لیتا ہے' تو وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے غزوہ بدر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے ہوئی کہ سارے قیدی کفار قتل کر دیئے جائیں۔ ان کی رائے کی تائید قرآن کریم نے فرمائی۔ عبداللہ ابن ابی منافق کے جنازہ کے لئے حضرت عمر کی رائے ہوئی کہ اس کی قبر پر نہ جایا جائے' اور نماز جنازہ نہ پڑھی جائے آیت نے اس ہی کی تائید کی۔

آج بھی جو شخص "یا عمر" اپنے سینے پر انگلی سے لکھ کر سوئے، تو رات کو شیطانی خوابوں اور بذریعہ خواب احتلام سے محفوظ رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن جمع فرما کر سارے مسلمانوں پر احسان کر گئے۔ مدینہ شریف میں پانی کی بہت کمی تھی میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا اس کا مالک بہت مہنگا پانی فروخت کرتا تھا۔ وہ خرید کر وقف فرما دیا، تاقیامت حاجی اس کا پانی پیتے رہیں گے، گویا آپ ساقی حجاج ہیں۔ اس کنوئیں کا نام بیر رومہ ہے۔ اور وہ آپس میں ایسے رحیم و کریم کہ مدینہ پاک میں شہید ہوئے تو ایسے کہ کسی کو اپنے ہاتھ سے نہ مارا اور نہ اپنے کسی غلام کو جنگ کی اجازت دی۔ اپنے زمانہ میں مسلمانوں کو مال و دولت سے مالا مال کر دیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے عابد و زاہد کہ پیدائش بھی ہوئی تو خانہ کعبہ میں ہی ہوئی، ہم نے عرض کیا ہے۔

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت
بکعبہ ولادت بہ مسجد شہادت
بنا اس واسطے اللہ کا گھر جائے پیدائش
کہ وہ اسلام کا کعبہ تھا یہ ایمان کا کعبہ

آپ شریعت و طریقت کا مجمع، اولیاء اللہ کو ولایت تقسیم فرمانے والے ہیں۔ آپ ہی نسل مصطفیٰ علیہ السلام کے نخل کی اصل ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ان کے گھر میں اور انہوں نے حضور علیہ السلام کے دولت خانہ میں پرورش پائی، سارے اولیاء اللہ حضرت علی کے دلدادہ ہیں۔ آپ پر شیدا ہوتے ہیں کہ ولایت کا ٹکڑا انہی کے ہاتھوں سے پاتے ہیں۔ ہر چیز اپنے محسن پر فدا ہوتی ہے، کتا اپنے مالک کے پیچھے دم ہلاتا ہے۔

ہو چشتی، قادری، یا نقش بندی، سہروردی ہو
ولایت کا انہی کے ہاتھ سے سب کو ملا ٹکڑا

غرضیکہ ہر پھول کا رنگ و بو علیحدہ علیحدہ ہے۔

رب تعالیٰ نے اس آیت میں صحابہ کرام کو کھیتی سے تشبیہہ دی، نہ کہ باغ

سے تین وجہ سے ایک یہ کہ کھیتی پر مخلوق کی زندگی کا دارومدار ہے۔ باغ پر نہیں کیوں کہ پھل لذت کے لئے کھائے جاتے ہیں مگر غلہ سے روزہ افطار ہوتا ہے لہٰذا سارا عالم اپنی ایمانی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا محتاج ہے۔ دوسرے اس لئے کہ باغ پر مالک کی ہر وقت نگاہ نہیں رہتی صرف پھل کے موسم میں اس کی نگرانی کرتا ہے لیکن کھیت کی نگرانی ہمیشہ رہتی ہے، صحابہ کرام کی جماعت وہ ہے، جس پر ہمیشہ رب تعالیٰ کی نظر رحمت ہے تیسرے اس لئے کہ کھیت کٹتا رہتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے، اسی طرح صحابہ کرام شہید ہوتے رہے، مگر بڑھتے رہے یزید نے یہ سارا کھیت کاٹ ہی ڈالا، صرف عابد بیمار کو چھوڑا دیکھو آج کتنے سید ہیں۔

آیت نمبر ۷۵۔ "یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ" (پارہ ۲۶، سورہ الحجرات رکوع ۱) اے ایمان والو! (اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس نبی کی آوز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو، جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف ہے اور اس میں مسلمانوں کو اس بارگاہ بے کس پناہ میں حاضری دینے کے قواعد سکھائے گئے ہیں۔ اگرچہ اب مسلمانوں کو اس بارگاہ کا یہ ادب نصیب نہیں مگر یہ آیات برابر رکھی گئیں، دو جہ سے، اولاً یہ کہ مسلمان یہ عقیدہ رکھیں کہ اس بارگاہ کا یہ ادب ہے، دوسرے یہ کہ بعد وفات شریف بھی یہ ہی آداب باقی ہیں کہ جو بھی اس آستانہ پر حاضر ہو یہ ادب ملحوظ رکھے اور دینی و دنیاوی باتوں میں اپنی رائے کو حکم عالی پر مقدم نہ کرے۔

اس آیت میں تین چیزوں سے مسلمانوں کو منع فرمایا گیا ہے۔

(۱) اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

(۲) اپنی آوازیں رسول علیہ السلام کی آواز مبارک پر اونچی نہ کرو۔

(۳) ان کی بارگاہ میں چلا کر بات نہ کرو۔

ان کے شان نزول علیحدہ علیحدہ ہیں۔ یہ پہلی آیت "لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" کے شان نزول کے بارے میں چند قول ہیں' مجاہد اور حسن تو فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے عید الاضحی کے دن قربانی حضور علیہ السلام سے پہلے کرلی تھی۔ اس سے منع فرمادیا گیا' ہمارے محبوب علیہ الصلوۃ والسلام سے آگے نہ بڑھو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے کہ بعض لوگ رمضان سے پہلے شک کے دن روزہ رکھ لیا کرتے تھے' اس سے منع فرمادیا گیا' اگر 29 شعبان کو چاند نظر نہ آئے (غبار وغیرہ کی وجہ سے) اور شک ہو کہ چاند ہوا یا نہیں تو اس کی صبح کو روزہ رکھنا عام مسلمانوں کو منع ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول کہ بعض کہا کرتے تھے کہ کاش ایسی آیت اترتی' ایسے احکام آجاتے' اس کی ممانعت کے لئے یہ آیت آئی۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بعض باہر سے آنے والے لوگ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے سوالات بہت کیا کرتے تھے' اس سے روکنے کے لئے یہ آیت آئی (روح البیان و تفسیر خزائن العرفان)

شان نزول کچھ بھی ہو' مگر یہ حکم سب کو عام ہے' یعنی کسی بات میں کسی کام میں حضور علیہ السلام سے آگے ہونا منع ہے' اگر حضور علیہ السلام کے ہمراہ راستہ میں جا رہے ہوں تو آگے آگے چلنا منع ہے' مگر خادم کی حیثیت سے یا کسی ضرورت سے اجازت لے کر' اگر ساتھ کھانا ہو تو پہلے شروع کر دینا ناجائز' اسی طرح اپنی عقل اور اپنی رائے کو حضور علیہ السلام کی رائے سے مقدم کرنا حرام ہے۔

مشکوۃ باب ماعلی الماموم میں ہے کہ مرض وفات میں حضور علیہ السلام نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کو امامت فرمانے کا حکم دیا' ایک روز عین نماز کی حالت میں

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ حضور علیہ السلام تشریف لے آئے اسی وقت سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقتدی ہو گئے اور حضور علیہ السلام امام۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی موجودگی میں کسی کو بھی امام ہونے کا اختیار نہیں اور اگر درمیان میں حضور علیہ السلام تشریف لے آئیں تو پہلے امام کی امامت منسوخ ہو جاتی ہے' کیوں کہ یہ بھی حضور علیہ السلام سے آگے بڑھنے میں داخل ہے' ہاں اگر حضور علیہ السلام ہی اجازت دیں کہ تم امام بنے رہو تو اب حضور علیہ السلام کی اجازت سے امام رہنا جائز ہوا۔ جیسا کہ عبدالرحمٰن ابن عوف پر گزرا۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ عین نماز کی حالت میں حضور علیہ السلام کا خیال کرنا اور ان کا ادب کرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا بلکہ کامل تر بناتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ و رسول کا ذکر ہے اللہ و رسول کے آگے نہ بڑھو۔ حالانکہ رب تعالیٰ سے آگے ہونا غیر ممکن ہے' کہ وہ نہ زمانہ میں ہے نہ کسی مکان میں' آگے ہونا یا زمانہ میں ہوتا ہے یا جگہ میں معلوم ہوا کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ ہو' ان کی بے ادبی رب تعالیٰ کی بے ادبی ہے۔

جو ہو مردود اس در کا وہ مردود خدا ٹھہرے

نوٹ ضروری:۔ اس سے صاحب روح البیان نے ثابت کیا کہ مشائخ اور علماء اور مرشد کے آگے چلنا' کلام میں ان سے آگے رہنا محرومی کا باعث ہے' حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے چل رہا تھا' حضور علیہ السلام نے دیکھا تو فرمایا کہ ابوالدرداء کیا تم اس کے آگے چلتے ہو جو تم سے بلکہ ساری دنیا سے افضل ہے؟(روح البیان)

دوسرا حکم ہوا "لَاتَرفَعُوٓا اَصوَاتَکُم فَوقَ صَوتِ النَّبِیِّ" (اپنی آوازوں کو نبی علیہ السلام کی آواز پر اونچا نہ کرو) اس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یاحبیب اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اقرع ابن حابس کو ان کی قوم کا عامل بنا دیا جائے۔ حضرت

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ قعقاع ابن معبد کو عامل بنایا جائے۔
اس گفتگو میں ان حضرات کی آوازیں بلند ہو گئیں' تب یہ آیت نازل ہوئی' پھر تو ان دونوں حضرات کا یہ حال تھا کہ اس قدر آہستہ کلام عرض کرتے تھے کہ حضور علیہ السلام چند بار دریافت فرماتے تھے کہ کیا کہتے ہو (روح البیان)

تفسیر خزائن العرفان میں فرمایا کہ یہ آیت حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس کے بارے میں نازل ہوئی کہ ان کو ثقل سماعت (اونچا سننا) کا مرض تھا' اس لئے ان کی آواز کچھ اونچی ہو جایا کرتی تھی۔ غرض کہ کچھ بھی ہو' قرآن نے بارگاہ مصطفیٰ علیہ السلام کا یہ ادب سکھایا کہ وہاں اونچی آواز نہ نکالو۔ اب بھی حاجیوں کو حکم ہے کہ جب روضہ پاک پر حاضری نصیب ہو تو سلام بہت آہستہ کریں' اور کچھ دور کھڑے ہوں بلکہ بعض فقہاء نے تو حکم دیا ہے کہ جب حدیث پاک کا درس ہو رہا ہو۔ تو وہاں دوسرے لوگ بلند آواز سے نہ بولیں کہ اگرچہ بولنے والا اور ہے مگر کلام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔

(روح البیان)

تیسرا حکم ہے۔ "لَا تَجْهَرُ وا لَهُ بِالْقَوْلِ الایہ" یعنی ان کے حضور میں ایسے کلام نہ کرو جس طرح ایک دوسرے سے کرتے ہو' اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو نام پاک لے کر یا بشر کہہ کر یا بھائی یا باوا چچا کہہ کر پکارنا حرام ہے۔ حضرت عباس رشتہ میں حضور علیہ السلام کے چچا ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ' صدیق و فاروق خسر مگر یہ حضرات جب بھی روایت کرتے ہیں تو یہ نہیں فرماتے کہ میرے بھتیجے یا میرے داماد یا میرے شوہر نے یہ فرمایا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس کی تحقیق ہم "اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" میں کر چکے ہیں غرضیکہ یہ آیت کریمہ نعت مصطفیٰ ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

آیت نمبر ۷۶۔ "وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَايَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰى" (پارہ ۲۷ سورہ النجم رکوع ۱)

(اس پیارے چمکتے تارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم!) جب یہ معراج سے اترے، تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کہتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو ان کو کی جاتی ہے۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی چمکتی ہوئی نعت پاک ہے، اس میں چند کلمات قابل غور ہیں اولا "والنجم" دوسرے "ماضل صاحبکم" تیسرے "وماینطق عن الھوی"

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے، کہ "النجم" سے کیا مراد ہے، اور "ھوی" سے کیا مقصود؟ نجم عربی زبان میں ستارے کو بھی کہتے ہیں، اور بیل کو بھی یعنی وہ درخت جو زمین پر بچھے ہوئے ہوتے ہیں جیسے کدو کا درخت بعض مفسرین نے تو فرمایا کہ نجم سے مراد آسمان کا تارا ثریا وغیرہ ہے۔ اور "ھوی" سے مراد ہے۔ قریب غروب ہونا، جس طرح کہ پروردگار عالم نے دنیا کی اور چیزوں کی قسم فرمائی، انجیر کی، طور سینا کی پہاڑ کی۔ اسی طرح یہ بھی ایک قسم ہے۔ بعض نے فرمایا کہ نجم سے مراد بچھے ہوئے درخت ہیں اور بعض نے فرمایا کہ نجم سے مراد ذات سرکار ابد قرار صلی اللہ علی وآلہ وسلم ہے، کیوں کہ نجم کا کام ہی ہدایت دینا مسافروں کو دریا میں بھی اور جنگل میں بھی (پہلے زمانہ میں قطب نما نہ تھا، تاروں سے ہدایت لیتے تھے) یہ ذات کریم بھی ہادی خلق ہیں، "ہوی" سے مراد ہے معراج سے واپس تشریف لانا، اور لوٹنا جانے کے بعد ہوتا ہے۔ لہٰذا معراج جسمانی آسمان تک قرآن سے ثابت ہوئی، بعض لوگوں نے فرمایا کہ نجم سے مراد صحابہ کرام ہیں یا علمائے امت یا مشائخ کرام، کیونکہ ان کے لئے فرمایا گیا "اصحابی کالنجوم" میرے صحابہ کرام ستاروں کی طرح ہیں۔ اور "ہوی" سے مراد ہے بعد وفات شریف قبروں میں دفن ہونا (روح البیان) لہٰذا صحابہ کرام اور علمائے دین کی قبروں کی قسم فرمائی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ قبریں بہت معظم ہیں۔ جیسے "فلااقسم بمواقع النجوم" سے بعض حضرات نے قبور صحابہ کرام و علماء و اولیاء مراد لی ہیں۔

"مَاضَلَّ صَاحِبُکُم وَمَا غَوٰی" سے حضور علیہ السلام کی عصمت اور گناہوں اور بد عقیدگیوں سے پاک ہونا بیان فرمایا گیا۔ ہم نے اس مسئلہ کی اپنے رسالہ "قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء" میں مکمل بحث کی ہے۔ تمام انبیاء علیہ السلام بعد نبوت گناہ سے پاک ہیں مگر ہمارے حضور علیہ السلام نے نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کبھی بھی گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا' اس آیت میں اسی کا ثبوت ہے۔ "ووجدک ضالا فھدی" میں جو "ضالا" فرمایا گیا ہے اس کے معنی گمراہی نہیں ہیں' جیسے کہ ہم نے رسالہ قہر کبریا میں تحقیق کی اور اس کتاب میں بھی "والضحی" میں اس کی بحث کریں گے۔

خیال رہے کہ "ماضل "ماضی مطلق ہے' جس میں قریب یا دور کی قید نہیں ہوتی ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد نبوت اور نبوت سے پہلے کبھی بھی یہ فعل آپ سے سرزد نہ ہوئے۔

"وماینطق عن الھوی" میں فرمایا گیا کہ ہمارے نبی اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں فرماتے جو کچھ فرماتے ہیں وہ رب کی وحی ہوتی ہے اس کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ حضور علیہ السلام نے اپنے کو بحر توحید میں اس طرح فنا کر دیا کہ جو بات آپ کے منہ سے نکلتی ہے۔ تو زبان محبوب کی ہوتی ہے۔ مگر کلام رب کا اس کی تحقیق ہم "ومارمیت اذرمیت" میں کر چکے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ منہ سے بولتے ہیں وہ یا تو قرآن ہوتا ہے یا حدیث اور دونوں وحی' قرآن تو وحی جلی جس کی تلاوت نماز میں جائز ہے اور حدیث وحی خفی جس پر سارے احکام کلام الہی کے جاری ہیں بجز تلاوت کے اس کی بحث بھی تفصیل سے اوپر ہو چکی ہے۔

ہاں دو سوال پڑیں گے ایک تو یہ کہ بعض موقعوں پر حضور علیہ السلام نے کچھ فیصلہ فرما دیا اور بعد میں حکم الہی اس کے خلاف آیا۔ جیسے کہ بدر کے قیدیوں کے متعلق ہوا' دوسرے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"کلامی لاینسخ کلام اللّٰہ" (کہ ہمارا کلام رب کے کلام کو نسخ نہیں کر

سکتا) (مشکوۃ کتاب مسلم) اس کا مطلب محدثین فرماتے ہیں کہ کلامی سے مراد وہ کلام ہے جو اپنی رائے سے ہو' تو اب سوال یہ ہوا کہ جب ہر بات حضور علیہ السلام کی وحی الٰہی ہے تو اب یہ حکم اس کے لئے کیوں ان دونوں سوالات کے جوابات ہم نے "قہر کبریا" میں تفصیل سے دیئے ہیں وہاں مطالعہ کرنا چاہئے۔

آیت نمبر ۷۷۔ "مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی اَفَتُمٰرُوْنَه عَلٰی مَایَرٰی وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَةً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَھٰی" (پارہ ۲۷' سورہ النجم رکوع ۱) (دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو' اور انہوں نے دوبارہ دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے' اس میں کچھ دیکھنے کا ذکر ہے' پہلی آیتوں میں تو فرمایا گیا تھا کہ ان کی زبان ہمارا کلام ہی بولتی ہے' اس میں فرمایا گیا کہ ان کی آنکھوں نے ہم کو دیکھا' اس آیت میں معراج کا ذکر ہو رہا ہے۔

اس آیت کے مقصد میں مفسرین کا بڑا اختلاف ہے۔ "ولقدراہ" میں ہ سے کیا مراد ہے۔ یعنی محبوب نے اس کو دیکھا' بعض نے کہا کہ حضرت جرائیل علیہ السلام کو دیکھا یعنی کسی پیغمبر نے حضرت جرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں نہ دیکھا' صرف ہمارے حضور علیہ السلام نے دوبار ان کو اصلی شکل میں دیکھا۔ اس کے سوا شکل انسانی میں آتے تھے' اس کا یہاں ذکر ہے بعض نے فرمایا کہ اپنے رب کو دیکھا' جنہوں نے رب کے دیکھنے کا قول کہا ہے' وہ دو جماعتیں ہیں بعض تو کہتے ہیں کہ دل سے دیکھا حضرت ابن عباس مانتے ہیں۔ (مسلم) اور سر کی آنکھ سے دیکھنا حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسن اور عکرمہ (تفسیر خزائن العرفان) صاحب روح البیان نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام سے اور ہم کو اپنے دیدار سے مشرف فرمایا۔

مذہب اہل سنت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے رب کو بچشم سر دیکھا' حسن بصری قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ معراج میں حضور علیہ السلام نے رب کو دیکھا' امام احمد بن

حنبل فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے رب کو دیکھا' یہاں تک فرمایا کہ آپ کی سانس بند ہو گئی (روح البیان یہ ہی آیت)

مشکوۃ باب المساجد میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا "رایت ربی فی احسن صورہ" (میں نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا۔) اس کی شرح مرقات میں اسی جگہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے بچشم سر بیداری میں شب معراج دیکھا' یہ ہی زیادہ صحیح ہے' اس کی کوئی دلیل نہیں کہ یہاں خواب میں دیکھنا مراد ہے۔

حضرت وکیع کعب احبار رضی اللہ تعال عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے رب کو دوبارہ دیکھا (روح البیان زیر آیت "عِندَ سِدرَةِ المُنتَهیٰ" غرضیکہ ترجیح اسی قول کو ہے کہ حضور علیہ السلام نے رب کو دیکھا' اس کی پوری تحقیق شفا شریف اور مواہب لدنیہ میں دیکھنا چاہئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس دیدار کا سخت انکار فرماتی ہیں اور رب تعالیٰ فرماتا ہے "لاتدرکہ الابصار" (اس کو آنکھیں نہیں پا سکتیں) تو کس طرح دیدار الہی ممکن ہے؟ لیکن حضرت ابن عباس و دیگر اکابر کی روایات بیان کی جا چکیں' حضرت صدیقہ کا یہ قول اپنے اجتہاد سے ہے کوئی روایت پیش نہیں فرماتیں اور حضرت ابن عباس کی روایت ہے' اور روایت کا مقابلہ میں اجتہاد کو نہیں اختیار کیا جاتا' اس آیت کے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ اس دنیا میں رب کو ان آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا' لیکن معراج میں تو دنیا ہی دوسری تھی۔ آخر قیامت میں جنت میں سب مسلمانوں کو دیدار ہو گا۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو معراج جسمانی کا آسمان کی طرف انکار فرماتی ہیں' مگر یہ کسی نے بھی نہ مانا' کیوں کہ ان کا یہ فرمان اپنے اجتہاد کی بنا پر ہے' وہ فرماتی ہیں کہ جس رات معراج ہوئی' اس رات حضور علیہ السلام میرے مکان میں جلوہ گر

تھے۔ جسم پاک گم نہ ہوا' معراج کیسی؟ مگر یہ معراج جسمانی جب ہوئی تب تو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور علیہ السلام کے نکاح میں نہ آئیں تھیں' وہ تو امہانی بنت ابی طالب کے گھر سے ہوئی۔

روح البیان میں زیرِ آیت "عِندَ سِدرَةِ المُنتَهیٰ" ہے کہ معراج حضور علیہ السلام کو کل 24 بار ہوئی۔ جن میں سے ایک بار بیداری میں جسمی اور باقی خواب میں روحانی' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

آیت نمبر۷۸۔ "اِقتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ القَمَرُ (پارہ ۲۷' سورہ قمر' رکوع ۱)(قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے اور اس میں حضور علیہ السلام کی دو صفتوں کا بیان ہے ایک تو قیامت قریب ہونا' دوسرے چاند کا شق ہو جانا' قیامت قریب ہونے کے معنی تو یہ ہیں کہ اور انبیاء کے زمانہ میں کسی نہ کسی نئے نبی کی آمد کا انتظار تھا مگر اب اللہ کے آخری نبی حضور علیہ السلام تشریف لے آئے اب صرف قیامت ہی کا انتظار ہے' یا یوں کہو حضور علیہ السلام کا زمانہ حکومت قیامت تک ہے کہ کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین آپ کا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن منسوخ نہ ہو گا۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "انا والساعة کهاتین" (ہم اور قیامت ان دو ملی ہوئی انگلیوں کی طرح ہیں) یعنی ہم میں اور قیامت میں کوئی نیا نبی درمیان میں نہیں (بخاری کتاب الفاق باب قول النبی بعثت) قیامت تک حضور علیہ السلام ہی کا زمانہ ہے' چاند پھٹنے کا وہ قصہ ہے جو خرپوتی نے شرح قصیدہ بردہ میں نقل فرمایا کہ ابو جہل نے والی یمن حبیب ابن مالک کو لکھا' کہ تیرا دین مٹایا جا رہا ہے جلد آ' حبیب یہ پیغام پا کر فوراً مکہ مکرمہ آیا۔ ابو جہل نے حضور علیہ السلام کے متعلق بہت سی غلط باتیں کہیں' ابو جہل کا مقصد یہ تھا کہ حبیب کا اہل مکہ پر اچھا اثر ہے یہ لوگوں کو سمجھا دے کہ یہ دین قبول نہ کریں۔ حبیب نے کہا کہ دونوں فریق کی گفتگو سن کر فیصلہ کیا جاتا ہے' میں

چاہتا ہوں کہ حضور علیہ السلام کا بھی کلام سن لوں حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں یمن سے آیا ہوں اور دیدار کرنا چاہتا ہوں۔

حضور علیہ السلام مع صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مجلس میں تشریف لے گئے، جب پہنچے تو تمام مجلس میں ہیبت چھا گئی، اور کسی کو کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی، آخر حضور علیہ السلام نے خود ہی دریافت فرمایا کہ تم کیا دریافت کرنا چاہتے ہو؟ حبیب نے ہمت کر کے عرض کیا کہ حضور نے دعوائے نبوت فرمایا اور نبوت کے لئے معجزہ ضروری ہے۔ فرمایا جو تو کہے وہ معجزہ دکھلایا جائے، عرض کیا کہ میں آسمانی معجزہ چاہتا ہوں پھر یہ پوچھنا چاہتاہوں کہ میرے قلب میں تمنا کیا ہے؟ فرمایا چل! کوہ صفا پر تشریف لے جا کر پورے چاند کو اشارہ کیا، چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس طرف اور ایک دوسری طرف۔

سورج الٹے پاؤں پلٹے، چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

پھر فرمایا، کہ اے حبیب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دوسری بات بھی سن، تیرے ایک لڑکی ہے ہمیشہ بیمار رہتی ہے، ہاتھ پاؤں سے معذور ہے تو چاہتا کہ اس کو شفا ہو جائے اس کو بھی شفا ہوئی، یہ سنتے ہی حبیب بے اختیار پکار اٹھے۔ "لا الٰہ اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" جب گھر پہنچے تو رات کا وقت تھا دروازہ پر آواز دی، وہ معذور لڑکی جو زمین سے نہ اٹھ سکتی تھی اٹھ کر آئی، اور دروازہ کھولا، باپ کو دیکھ کر پڑھنے لگی "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ حبیب نے پوچھا کہ بیٹی! تو نے کلمہ کہاں سے سنا؟ تو کہنے لگی اک ماہ بدن، گورا سا بدن نیچی نظریں، کل کی خبریں دکھلا کے پھبن، وہ سنا کے سخن، مورا پھونک گئے سب تن من دھن

وہ دکھا کے شکل جو چل دیئے تو دل ان کے ساتھ رواں ہوا
نہ وہ دل رہا، نہ وہ دل ربا، رہی زندگی سو وبال ہے

کہا میں نے خواب میں ایک چاند سی صورت والے کو دیکھا جو فرماتے ہیں، بیٹی تیرے باپ تو مکہ میں آکر مسلمان ہوئے اور تو یہاں کلمہ پڑھ لے تو تجھ کو ابھی شفا ہو جائے، میں صبح جو اٹھی تو کلمہ زبان پر جاری تھا اور ہاتھ پاؤں سلامت تھے۔

تقریباً تمام جلیل القدر صحابہ کرام اور عام مفسرین کا یہ ہی فرمان ہے کہ چاند کے چرنے کا واقعہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہو چکا اب جو شخص کہے کہ اس سے مراد ہے کہ قیامت میں چرے گا، وہ بدمذہب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریائے نیل چرا گیا اور حضور علیہ السلام کی انگلی پاک سے چاند چرا، جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو تمام انبیاء سے بڑھ کر معجزات عطا ہوئے۔

صلی اللہ علیہ وعلی وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

آیت نمبر۷۹۔ "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" (پارہ ۲۷، سورہ رحمٰن، رکوع ۱) "رحمان نے اپنے بندہ محبوب کو قرآن سکھایا، انسانیت کی جان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا اور "مَاكَانَ وَمَايَكُوْنُ" کا ان کو بیان سکھایا۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت شریف ہے، اس کے نزول میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب یہ آیت اتری "اُسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ" (یعنی رحمٰن کو سجدہ کرو) تو کفار مکہ نے کہا کہ رحمٰن کون ہے ہم ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری، کہ تم نہیں جانتے، رحمٰن کون ہے، رحمٰن وہی تو ہے جس نے اپنے محبوب کو قرآن سکھا دیا۔

دوسرا یہ قول ہے کہ کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی بشر قرآن سکھاتا ہے تب یہ آیت اتری کہ بشر نہیں سکھاتا، خالق بشر رحمٰن قرآن سکھاتا ہے۔ (خازن) یہاں تو معلوم ہوا کہ رحمٰن نے سکھایا یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن سکھایا، یہ نہ معلوم ہوا کہ کس کو سکھایا، مفسرین فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ان

ہی کو سکھایا جن پر یہ قرآن اتارا۔

فائدہ:۔ اس سے حضور علیہ السلام کے علم کا مسئلہ بھی حل ہو گیا' اگر شاگرد میں علمی نقصان رہے تو اس کی تین ہی وجہیں ہو سکتی ہے یا تو استاد ناقابل یا بخیل ہو' یا جو کتاب پڑھائی' وہ ناقص تھی یا پڑھنے والا شاگرد نااہل تھا۔ چوتھی وجہ ہو ہی نہیں سکتی' یہاں رب تعالیٰ تو پڑھانے والا اور محبوب علیہ السلام پڑھنے والے' اور کتاب قرآن کریم میں سارے علم موجود ہیں۔ پھر علم مصطفیٰ علیہ السلام کیوں کامل نہ ہوا' بتاؤ ان تین میں ناقص کو ہے؟ جب رب بھی کامل استاد' محبوب علیہ السلام کامل شاگرد' کتاب کامل قرآن' پھر علم کیوں ناقص؟

دوسرا فائدہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول علیہ السلام تمام پیغمبروں اور تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں کیوں کہ قرآن نے خبر دی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتائے' داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانا سکھایا' عیسیٰ علیہ السلام کو طب کا علم سکھایا' فرمایا "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" اور خضر علیہ السلام کو علم لدنی سکھایا "وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا" حضرت یوسف علیہ السلام کو تعبیر خواب کا علم سکھایا "وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ" مگر محبوب علیہ السلام کو قرآن سکھایا جو ان سب سے بہتر و اعلیٰ ہے اور تمام اگلے پچھلے واقعات سکھائے جس کو قرآن نے بیان فرمایا۔ "وعلمک مالم تکن تعلم"

تیسرا فائدہ:۔ اس سے یہ حاصل ہوا کہ حضور علیہ السلام بلاواسطہ رب تعالیٰ کے شاگرد ہیں نہ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے' حضرت جبرائیل علیہ السلام تو درمیان حبیب و محبوب قاصد ہیں' بلکہ خود قرآن لے کر آتے ہیں مگر اسرار سے ناواقف ہوتے ہیں۔ صاحب روح البیان کے "کھیعص" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا' میں سمجھ گیا' پھر عرض کیا "ھ" فرمایا میں سمجھ گیا' عرض کیا "یا" فرمایا میں سمجھ گیا' عرض کیا "ع" فرمایا میں سمجھ گیا' عرض کیا "ص" فرمایا سمجھ گیا' جبرائیل امین حیران رہ گئے کہ میں تو کچھ بھی نہ سمجھا آپ

نے کیا سمجھ؟!

میان عاشق و معشوق رمزے ست
کراما کاتبین را هم خبر نیست

چوتھا فائدہ:۔ یہ حاصل ہوا کہ یہ نہ معلوم ہوا کہ کب سکھایا' ظاہر یہ ہے کہ ازل میں سکھایا سکھانے کا وقت تو وہ تھا مگر اس کے ظہور کا وقت یہ ہوا۔ (روح البیان)

"خلق الانسان" میں انسان سے مراد ذات گرامی جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ مطلق سے مراد فرد کامل ہوتی ہے۔ اور "علمہ البیان" میں بیان سے مراد ہے۔ تمام "مَاکَانَ وَمَایَکُوْنُ" یعنی اگلے پچھلے واقعات کا علم۔ تو آیت کے یہ معنی ہوئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا' اور ان کو سارے علوم سکھائے (خازن و خزائن العرفان) لہٰذا آیت کا ایک ایک کلمہ نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

آیت نمبر ۸۰۔ "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ" (پارہ ۲۷' سورہ حدید رکوع ۴) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو' اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ وہ اپنی رحمت سے تم کو دو حصے عطا فرما دے گا۔)

یہ آیت کریمہ بھی نعت مصطفیٰ علیہ السلام ہے۔ اس میں ایمان والوں سے مراد اہل کتاب یعنی یہود اور عیسائی ہیں' جو گزشتہ انبیاء کرام پر ایمان لائے ان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اے اہل کتاب! تم ہمارے اس محبوب علیہ السلام پر ایمان لے آؤ' اگر تم نے ایسا کر لیا تو تم کو اوروں سے دو گنا اجر ملے گا۔ ایک تو اپنے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کا دوسرے اس نبی آخر الزماں علیہ السلام پر ایمان لانے کا۔ حدیث پاک میں ہے کہ تین آدمی وہ ہیں جن کو دو حصے ثواب ملتا ہے' ایک وہ جس کے پاس لونڈی تھی' اس نے اس لونڈی کو اچھی تعلیم دی' پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا۔ دوسرے وہ غلام جو اپنے مولا کی خدمت اور رب کی اطاعت کرتا ہے۔ تیسرے وہ اہل کتاب جو پہلے اپنے نبی پر ایمان لایا اور بعد میں حضور علیہ السلام پر ایمان لے آیا ان کو دو حصہ ثواب ملتا۔

نکتہ:۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھ جائے کہ اگر عیسائی یا یہودی اسلام قبول کرے تو وہ صحابہ کرام یا اہل بیعت سے افضل ہو جائے گا کہ ان کو ایک ثواب اور اس کو دو ثواب غیر صحابی کا ایک ثواب بھی غیر صحابی کے لاکھوں ثوابوں کے برابر نہیں ہو سکتا۔

حدیث پاک میں ہے کہ صحابی تھوڑے جو خیرات کریں اور دوسرا مسلمان پہاڑ بھر سونا خیرات کرے تو صحابی کا ثواب اس سونے والے کے ثواب سے زیادہ ہو گا' نیز ثواب میں زیادہ ہونا اور ہے اور درجہ بڑا ہونا اور' اگر بادشاہ وقت کسی سپاہی سے خوش ہو کر اس کو بڑا انعام دے دیں اور وزیراعظم کو انعام نہ دے تو اگرچہ کچھ مال تو اس سپاہی کو مل گیا' جو درجہ وزیر کو حاصل ہے وہ اس سپاہی کو حاصل نہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیہ خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین

آیت نمبر ۸۰۔ "لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ" (پارہ ۲۸' سورہ مجادلہ' رکوع ۳) (تم نہ پاؤ گے ان کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی' اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے اور مسلمانوں کی پہچان' اس میں مسلمانوں کی نشانی یہ بتائی گئی کہ مومن ہرگز نہیں کر سکتا' کہ اللہ و رسول علیہ السلام کے دشمنوں سے محبت رکھے اگرچہ وہ اس کے خاص اہل قرابت ہی ہوں' جس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ ماں باپ کا بہت بڑا حق ہے' مگر حق مصطفیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کسی کا کچھ حق نہیں۔

حضور علیہ السلام کا حکم ہے کہ ڈاڑھی رکھاؤ' ماں یا باپ یار کہیں یا دوست کہ ڈاڑھی منڈواؤ ہرگز جائز نہیں کہ منڈائے' رب کا حکم ہے کہ نماز پڑھو اور روزہ رکھو' ماں کہے یہ کام نہ کر ماں کی بات ہرگز نہ مانی جائے گی' کیوں کہ اللہ و رسول علیہ السلام کا حق سب پر مقدم ہے۔ اسی طرح اگر کسی کا بیٹا یا بھائی یا باپ یا ماں کافر ہوں' تو ان

سے محبت' دوستی تمام کی تمام حرام ہیں۔

اس آیت کی تفسیر صحابہ کرام کی زندگی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ ابن جراح نے جنگ احد میں اپنے والد جراح کو قتل کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فرزند عبدالرحمن کو جو اس وقت کافر تھے مقابلہ کے لئے بلایا کہ عبدالرحمن آؤ! آج باپ بیٹے کے دو دو ہاتھ ہو جائیں' لیکن حضور علیہ السلام نے ان کو روک دیا' حضرت مصعب ابن عمیر نے اپنے بھائی عبداللہ ابن عمیر کو قتل کیا جو کافر تھا' اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماموں عاص ابن ہشام کو قتل کیا جو کافر تھا' اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ربیعہ کے لڑکوں عتبہ اور شیبہ کو جنگ بدر میں قتل کیا جو ان کے قرابت دار تھے' خدا اور رسول پر ایمان لانے والوں کو رشتہ داری کا کیا پاس (روح البیان و تفسیر خزائن العرفان)

مسئلہ:۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنے والوں سے میل جول اور محبت رکھنا حرام ہے اور بے ایمانوں کی نشانی' سعادت مند فرزند اپنے باپ کے دشمنوں سے محبت نہیں کرتا' اگر کوئی شخص کسی کی ماں کو گالی دے دے' تو اس سے بولنا گوارا نہیں کرتا' تو جن پر دونوں جہان ماں و باپ قربان ان کی بدگوئی کرنے والوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا اور ان سے محبت کرنا کیوں کر گوارا کیا جا سکتا ہے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو ہر مذہب کے جلسوں اور صحبتوں میں بے دھڑک شرکت کرتے ہیں خدائے پاک توفیق عطا فرمائے۔

تاتوانی دور شو از یار بد
یار بد بدتر بود از مار بد
مار بد ۔ تنہا ہمیں برجاں زند
یار بد بر دین و بر ایماں زند

سانپ تو جان لیتا ہے اور برا یار ایمان لیتا ہے دولت مند ڈاکو سے محبت رکھے تو ایک دن اپنی دولت برباد کر دے گا۔ اسی طرح دولت ایمان رکھنے والا اگر بے ایمانوں

سے محبت رکھے تو ایک دن اپنا ایمان کھو دے گا۔ آج بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بروں کی صحبت میں بیٹھ کر بد مذہب بن گئے۔

آیت نمبر ۸۔ "وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا" (پارہ ۲۸' سوہ حشر رکوع ۱)(اور جو کچھ تم کو رسول دیں وہ لو اور جس سے منع فرما دیں اس سے باز رہو۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمام مسلمانوں کے مالک ہیں اور تمام مسلمان ان کے بندہ بے زر' اس سے معلوم ہوا کہ ایماندار وہ ہے جو حضور علیہ السلام کے ہر حکم کو بے تامل قبول کرے' خواہ اس کی عقل میں آئے یا نہ آئے اور خواہ دنیاوی نفع اس میں معلوم ہو یا نہ ہو۔

سود سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا' بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سود میں نفع دنیاوی ہے۔ مگر ایمان کا تقاضا ہے' کہ اس کو سنتے ہی فوراً علیحدہ ہو جاؤ' ان کی اطاعت میں ہی ہر طرح کا فائدہ ہے۔

خیال رہے کہ حضور علیہ السلام نے جو کام خود کئے یا جن کاموں کا حکم دیا جو کسی کو کچھ کرتے ہوئے دیکھا اور منع نہ فرمایا یہ سب "ما اٰتکم" میں داخل ہے۔ پہلے کو سنت فعلی' دوسرے کو سنت قولی' تیسرے کو سنت سکوتی کہتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ حضور علیہ السلام ہی کی شان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہر حکم' ہر فعل قابل اتباع ہے اور کسی کی یہ شان نہیں کیوں کہ حضور علیہ السلام کا ہر حکم و ہر فعل رب کی طرف سے ہے ہمارے نفسیاتی اور شیطانی بھی ہوتے ہیں۔ بارگاہ مصطفیٰ علیہ السلام تک نہ شیطان کی پہنچ نہ نفس امارہ کا دخل' جیسے سونے کی کان سے سونا ہی نکلتا ہے اور آم کے درخت سے آم ہی حاصل ہوتے ہیں۔ ایسے ہی زبان پاک مصطفیٰ علیہ السلام سے حق ہی جاری ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کے ہر قول و فعل پر بلا تامل عمل کرو' دوسرے لوگوں کے اعمال و اقوال شریعت کی کسوٹی پر کسو۔

آیت نمبر ۸۳۔ "ھُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ

لِيُظْهِرَه عَلَى الدِّينِ كُلِّهٖ وَلَوكَرِهَ الْمُشْرِكُون"(پارہ ۲۸' سورہ الصف' رکوع ۱) (وہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے' اگرچہ برا مانیں مشرکین۔)

یہ آیت کریمہ بھی نعت مصطفیٰ علیہ السلام ہے اور اس میں اسلام کے غلبہ کی خبر دی گئی ہے۔ "ھوالذی" کے نکات تو ہم سورہ فتح کے آخر میں بیان کر چکے ہیں۔ مگر یہاں یہ بتانا ہے کہ رب نے وعدہ فرمایا کہ پروردگار عالم اسلام کو تمام دینوں پر غالب رکھے گا' اور یہ وعدہ پورا فرما بھی دیا اور ہم لوگ آج بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

اولا جب اسلام کا آفتاب مکہ مکرمہ میں چمکا تو اس پر بہت سے گردوغبار اور بادل آئے یہاں تک کہ بانی اسلام علیہ السلام اور مسلمانوں کو مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا مگر پھر انجام یہ ہوا کہ سارے ملک عرب میں اسلام ہی غالب رہا۔ پھر عرب کے وہ لوگ جو تمام دنیا سے اونی مانے جاتے تھے۔ ایک اس آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۲۳ سالہ تعلیم کی برکت سے دنیا سے اعلیٰ ہو گئے۔ جاہل عالم کے استاد بن گئے' چوری کرنے والے اس شراب سے منہ موڑ کر محبت الٰہی کے شراب میں سرشار ہوئے اور بت پرست خدا پرست اور نہ معلوم کون کون' کیا کیا بن گئے۔

بانی اسلام علیہ السلام نے جو اصلاح قوم بلکہ دنیا کی تھوڑی سی مدت اور بے سروسامانی کی حالت میں فرمائی' اس کی آج تک کسی قوم کے پیشوا میں مثال نہیں ملتی۔ پھر انہی لوگوں کو تخت و تاج کا مالک بنایا' صدیوں تک نہایت دبدبہ سے دنیا پر راج کیا اور آج اس گری حالت میں بھی اللہ کے فضل سے غلامان مصطفیٰ علیہ السلام تاج کے مالک ہیں۔

اب اگرچہ دنیاوی اعتبار سے مسلمان دوسری قوموں سے پیچھے معلوم ہوتے ہیں' دولت' عزت' سلطنت علم میں اور قومیں ان سے آگے بڑھ گئی ہیں' مگر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ دینی غلبہ اب بھی مسلمانوں کو ہی حاصل ہے اس کی مثالیں پیش کرتا ہوں۔

مسجد اور گرجا اور مندر کا مقابلہ کرو تو مسجد روزانہ پانچ بار آباد ہوتی ہے اور گرجا ہفتہ میں ایک بار یعنی اتوار کو' اور مندر روزانہ بعد مغرب' وہ بھی آباد نہیں ہوتا ایک دو آدمی آکر گھنٹہ وغیرہ بجا دیتے ہیں۔ قرآن کی قرات 'کتابت' زیر' زبر' پیش ایک ایک کلمہ محفوظ' مگر انجیل اور توریت اور وید دنیا سے غائب ہو چکی ہیں۔ یہ جو انجیل ایک ایک پیسہ فروخت ہوتی ہے یہ اصل انجیل نہیں' بلکہ اس کی ترجمے ہیں اصل انجیل غائب ہے۔

جس قدر تفسیریں قرآن کی ہیں اور جو قراتیں اس کتاب اللہ کی ہیں وہ کسی کی نہیں' قرآن کے حافظ ہر شہر میں ملیں گے' اگر ایک جلسہ میں کوئی شخص ایک آیت کا ایک زبر بھی غلط پڑھ دے فورا لوگ اس کو پکڑتے ہیں مگر دوسری کتابوں کا کوئی حافظ نہیں۔ آج دنیا میں حکومت دوسری قوموں کی ہے۔ مگرچوں کہ قرآن عربی میں آیا تو اب بھی ہر جگہ عربی جاننے والے موجود ہیں اگرچہ حکومت کی طرف سے اس زبان کی کوئی سرپرستی نہیں۔

حضور علیہ السلام کی سوانح عمری جس شان کی اسلام میں موجود ہے کہ ساری عمر شریف کی ہر حالت گھر کی اور باہر کی زندگی اٹھنا' بیٹھنا' چلنا' پھرنا' ہنسنا' رونا' کلام فرمانا یہاں تک کہ سارے جسم پاک کا حلیہ شریف کہ داڑھی پاک میں کتنے بال سفید تھے ایسی کسی مذہب کے پیشوا کی نہیں۔ حدیث کیا ہے؟ حضور علیہ السلام کی سوانح عمری ہے' کسی بادشاہ' کسی معشوق کسی' پہلوان' غرضیکہ کسی بھی دنیا کے شاندار آدمی کی ایسی سوانح عمری نہ لکھی گئی۔

گائے بکری مسلمان کھاتے ہیں اور خنزیر ہندو' عیسائی' یہودی تمام قومیں کھاتی ہیں مگر جو برکت گائے بکری میں ہے وہ خنزیر میں نہیں' بتاؤ کہ ہندوستان میں کتنے مارکیٹ تو گائے اور بکری کے گوشت کے ہیں اور کتنے سور کے گوشت کے ہیں؟ پھر تمام قومیں آہستہ آہستہ اسلام کے قانون کو مانتی چلی جا رہی ہیں۔ اب تک دوسرے لوگ اعتراض کرتے تھے کہ ایک مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنے کی کیوں اجازت دی۔ مگر جب

عورتوں کی زیادہ پیداوار اور مردوں کی لڑائی وغیرہ میں مارا جانا دیکھا' تو اب سمجھے کہ چند نکاحوں میں یہ مصلحت تھی۔

مضمون بہت دراز ہو جائے گا ورنہ میں ایک ایک مسئلہ کے متعلق عرض کرتا کہ اسلام نے جو حکم دیا وہ نہایت ہی عمدہ ہے' غرضیکہ دینی غلبہ مسلمانوں کو اب بھی حاصل ہے' ہاں یہ اور بات ہے کہ مسلمان اپنی بدعملی کی وجہ سے دنیا میں ذلیل و خوار ہو جائیں یا دولت مند نہ رہیں' اس میں ہمارا قصور ہے نہ کہ اسلام کا۔ خدائے پاک توفیق دے کہ اس اسلام کی رسی کو مضبوط پکڑیں

آیت نمبر ۸۴۔ "وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ" (پارہ ۲۸' سورہ منافقون رکوع ۱) (اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت ہے' اس میں حضور علیہ السلام کی عزت کا خطبہ ارشاد ہوا ہے اور ان کے صدقہ میں مسلمانوں کی بھی عزت کا اظہار فرمایا ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے جب غزوہ مریسیع سے فارغ ہو کر ایک کنوئیں کے قریب قیام فرمایا تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خادم جہجاہ غفاری اور عبداللہ ابن ابی منافق کے دوست سنان ابن دبر جہنی میں لڑائی ہو گئی' اس وقت عبداللہ ابن ابی منافق نے سنان کی طرف داری کرتے ہوئے حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخ باتیں بکیں اور کہا کہ مدینہ میں پہنچ کر ہم عزت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ (ذلیلوں سے مراد لی مہاجرین) اور اپنی قوم سے کہنے لگا کہ اگر تم ان مکہ والوں کو اپنا جھوٹا کھانا نہ دو' تو یہ تمہاری گردنوں پر سوار نہ ہوں۔ اب تم ان لوگوں کو کچھ نہ دو' تاکہ یہ مدینہ سے بھاگ جائیں۔ حضرت ابن ارقم کو یہ سن کر تاب نہ رہی۔ انہوں نے اس منافق سے فرمایا کہ تو ہی ذلیل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر تو معراج کا تاج ہے' رحمٰن نے ان کو قوت اور عزت دی ہے' ابن ابی کہنے لگا' چپ رہو' میں تو یہ باتیں ہنسی سے کہہ رہا تھا' زید ابن

ارقم نے یہ بات حضور علیہ السلام تک پہنچائی۔ حضور علیہ السلام نے عبداللہ ابن ابی منافق سے پوچھا کیا تو نے یہ کہا تھا؟ وہ قسم کھا گیا کہ میں نے نہ کہا تھا' اس کی قوم کے لوگوں نے عرض کیا عبداللہ ابن ابی بوڑھا آدمی ہے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ زید ابن ارقم کو دھوکا ہو گیا ہو گا۔ تب یہ آیت کریمہ ابن ابی کو جھوٹا اور زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سچا ثابت کرنے کے لئے اتری۔

صاحب روح البیان نے اس آیت میں فرمایا کہ عبداللہ ابن ابی کے فرزند جلیل القدر صحابی تھے ان کا نام بھی عبداللہ تھا' جب ان کو خبر پہنچی کہ میرے باپ نے ایسا ملعون کلمہ منہ سے نکلا ہے تو انہوں نے مدینہ منورہ کے دروازہ پر اپنے باپ کو پکڑا اور تلوار سونت لی' اور مدینہ پاک میں جانے سے اس کو روک دیا اور کہا کہ اے میرے باپ! تو اقرار کر کہ اللہ عزت والا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عزت والے ہیں ورنہ ابھی تیری گردن ماروں گا۔ چنانچہ ڈر کے مارے اس کو یہ اقرار کرنا پڑا۔ حضور علیہ السلام نے یہ واقعہ سن کر اس فرزند کو دعائیں دیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عزت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مال' باپ' اولاد' آبرو تمام کی قربانی کرنا صحابہ کرام کا طریقہ تھا اور حضور علیہ السلام کے حق کے مقابل کسی کا کوئی حق نہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے لئے اور حضور علیہ السلام کے طفیل مسلمانوں کے لئے عزت ثابت فرمائی گئی ہے۔ عزت کے معنی ہیں غلبہ اور قوت' اور واقعہ بھی یہی ہے کہ غلبہ اللہ کو اور اس کے رسول علیہ السلام اور مسلمانوں ہی کو ہے۔ اور قیامت تک رہے گا۔ اللہ کی عزت تو یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی کام اللہ کے بغیر ارادہ نہیں ہو سکتا۔ وہی عظمت والا ہے وہی حقیقی قدرت والا۔ اسی کی قاہر حکومت ہے' وہی سب کا والی اور مددگار ہے' جس کو وہ عزت دے اسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔ جس کو وہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا' اس کی عظمت ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی۔ سب کو فنا' وہ باقی سب اس کے محتاج وہ غنی رسول

علیہ السلام کی عزت یہ کہ ان کو خرابی خاتمہ کا ڈر نہیں' ان کو پروردگار نے عزت دی' شفاعت دی' ان کے دین کو تمام دینوں پر غالب فرمایا' جس کا ذکر اس سے پہلے کی آیت میں گزرا۔ رب ان کا کافی' ان کو مخلوق میں سے کسی کی حاجت نہیں' بلکہ سب ان کے حاجت مند ہیں' ان کی تعظیم رب کی تعظیم' اور ان کی اہانت رب کی اہانت ہے' ان کی اطاعت رب کی اطاعت ہے' ان کی مخالفت رب کی مخالفت' ان کی ذات ذات الہی کی مظہر' تمام گنہاروں کو ان کے دروازہ پاک پر حاضری کا حکم' دنیا کی ہر چیز پر ان کی حکومت' جانور اور پتھر' درخت وغیرہ ان کے سلامی جن و انسان فرشتے ان کے دعاگو عالم کے سلاطین ان کے دروازے کے بھکاری' جبرائیل امین علیہ السلام ان کے دروازہ پاک کے خادم عرش اعظم ان کا جلوہ گاہ' فرش ان کا پایہ تخت' بروز قیامت سب کی نگاہ تمنا ان کے ہاتھوں کو تکیں گی۔

غرضیکہ میرا کیا منہ جو ان کی عزت کا کروڑواں حصہ بیان کروں' بس ان کو وہ عزت ملی جو ان کا دینے والا رب جانے یا لینے والا محبوب علیہ السلام ہم تو صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو جائیں کہ۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ مسلمان جو بھی نیک کام کرتے ہیں' اس کا ایک ثواب تو کرنے والے کو اور دو اس کے مرشد کو اور چار اس کے مرشد کے مرشد کو اور آٹھ اس کے مرشد کو' اسی طرح جس قدر اوپر جاؤ سلسلہ بڑھتا جائے گا۔ جب یہ ثواب بارگاہ مصطفیٰ علیہ السلام میں پہنچتا ہے تو بے شمار اور بے حساب ہو کر پہنچتا ہے۔ یہ تو ایک امتی ہے ایک نیک کام ہے' اب روزانہ کتنے امتی کتنے نیک کام کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام کو کتنا ثواب پہنچایا جاتا ہے' یہ تو حساب سے باہر ہے حدیث میں ہے۔

"من دل علی خیر فله مثل اجر فاعله" (مشکوۃ کتاب العلم) (یعنی جو شخص نیکی پر رہبری کرے اس کو کرنے والے کی طرح ثواب ملتا ہے) اور تمام جہانوں کے اعلیٰ رہبر تو حضور علیہ السلام ہیں جو کوئی بھی کسی قسم کی نیکی کرتا ہے یا قیامت تک کرے گا

وہ حضور علیہ السلام کی رہبری سے کرے گا تو حضور علیہ السلام کے اجر کا کیا پوچھنا۔

لطیفہ:۔ شطرنج کا ایجاد کرنے والا شطرنج کو لے کر اپنے بادشاہ کے پاس گیا' بادشاہ نے کہا کچھ انعام مانگو اس نے کہا میرے شطرنج کے خانوں کو چاولوں سے اس طرح بھر دیجئے کہ ہر اگلے خانہ میں پچھلے خانے سے دو گنے ہوں' یعنی پہلے خانہ میں ایک چاول' دوسرے میں دو' تیسرے میں چار' چوتھے میں آٹھ 'پانچویں میں سولہ' بادشاہ سمجھا نہیں' اس نے کہا جاؤ یہ حساب کون لگائے۔ دو بوری چاول ہمارے باورچی خانے سے لے لو' اس نے کہا سرکار! مجھے تو اسی حساب سے دو۔ جب حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ ساری روئے زمین پر اس قدر چاول نہیں پیدا ہوتا جتنا کہ حساب سے اس نے مانگا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شطرنج کے ۶۴ خانے ہوتے ہیں۔ اور آٹھ چاول کی ایک رتی' اور آٹھ رتی کا ایک ماشہ اور بارہ ماشہ کا ایک تولہ اور اسی تولہ کا ایک سیر ہے' تو حساب لگایا کہ چھبیسویں خانہ میں ایک من بنا۔ اب جو فی خانہ دوگنا کیا گیا تو آخر میں اتنا چاول ہوا کہ اگر اس چاول کی قیمت میں سونا دیا جائے تو اگر چاول فی روپیہ چار سیر ہو اور سونا پچیس روپیہ تولہ' تو سونا انیس کروڑ من ہوتا ہے۔ چاولوں کا حساب ہی نہیں لگتا۔

یہ تو چونسٹھ خانہ کا حساب تھا جو بادشاہ وقت ادا نہ کر سکا' مگر میرے آقا ایک بارگاہ میں امتی کا عمل جب پہنچتا ہے دو گنا' چار گنا' آٹھ گنا ہوتا ہوا اتنا ہو جاتا ہے جہاں عدد بھی کام نہیں کرتا' مگر حساب بڑھ جائے تو کیا ہے۔ دینے والا بھی تو رب ہے۔ اس کے خزانے میں کیا کمی ہے۔ یہ بھی عزت رسول علیہ السلام کی ایک شق ہے۔ فرمایا گیا "وان لک لاجرا غیر ممنون" تمہارے لئے غیر منقطع ثواب ہے۔

مسلمانوں کی عزت یہ ہے کہ جہنم میں ہمیشہ کے عذاب سے محفوظ ہیں' اپنے رب کے سچے بندے اور وفادار رعایا ہیں' ان کے سامنے دینی لحاظ سے تمام قومیں ذلیل ہیں جیسا کہ پہلے کی آیت میں بیان کیا گیا اور اگر یہ سچے مسلمان رہیں تو تخت و تاج ان کے لئے ہے۔ "وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ" (تم ہی بلند ہو اگر سچے مسلمان رہو۔)

قیامت تک کے لئے ان کا دین باقی' ان کی کتاب محفوظ' ان میں اولیاء' علماء' غوث و قطب ہر جگہ موجود قیامت میں ان کے ہاتھ و منہ اور پاؤں چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکدار اثر وضو سے۔ تمام امتوں سے پہلے جنت میں جائے' آدمی جنت کے یہ مالک' باقی میں ساری امتیں۔ اس سے پہلے کی آیت میں ہم چند طرح مسلمانوں کی عزت اور ان کے دین کا غلبہ بیان کر چکے ہیں۔ ایک بات اور سمجھ لو' بیت المقدس عیسائیوں' یہودیوں اور دوسرے اہل کتاب کا قبلہ ہے اور کعبہ معظمہ صرف مسلمانوں کا قبلہ مگر حج کعبہ ہی کا ہوتا ہے نہ کہ بیت المقدس کا' جس قدر دھوم دھاک کہ اس کی ہے اس کی نہیں' بیت المقدس کے بنانے والے جنات' بنوانے والے حضرت سلیمان علیہ السلام مگر کعبہ معظمہ کا بنوانے والا رب تعالیٰ اور اس کے نشان بتانے والے حضرت جرائیل علیہ السلام تعمیر فرمانے والے خلیل اللہ' تعمیر میں امداد دینے والے ذبیح اللہ علیہما السلام اس کو آباد فرمانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

بیت المقدس میں ہزار ہا انبیاء کرام آرام فرما رہے ہیں مگر مدینہ منورہ میں صرف سید الانبیاء علیہ السلام جلوہ افروز ہیں' مدینہ منورہ میں جس قدر زائرین جاتے ہیں۔ بیت المقدس میں اس کا دسواں حصہ بھی نہیں غرضیکہ ہر طرح دینی و دنیاوی عزت اللہ تعالیٰ نے مسلمان ہی کو دی ہے۔ مالدار ہونا نہ ہونا۔ بادشاہ ہونا یا نہ ہونا اس پر عزت کا دارومدار نہیں' یہ تو چلتی پھرتی چاندنی ہے۔

**ھدایت:۔** اس آیت میں تو عزت تین ذاتوں کے لئے ثابت فرمائی' اللہ کے لئے' رسول علیہ السلام کے لئے اور سارے مسلمانوں کے لئے' مگر دوسری آیت میں فرمایا" ان العزہ اللہ جمیعا" (ساری عزت اللہ کے لئے ہے) جواب اس کا یہ ہے کہ حقیقی اور ذاتی عزت اور دائمی' قدیم عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے' مگر عطائی حادث خدائے پاک کی دی ہوئی عزت انبیاء اولیاء اور تمام مسلمانوں کو بھی حاصل ہے۔ یا یہ کہ سب کی عزت اللہ ہی کی عزت ہے

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد والہ واصحابہ

اجمعین

آیت نمبر ۸۵۔ "نٓ وَالقَلَمِ وَمَایَسطرُونَ مَآاَنتَ بِنِعمَةِ رَبِّکَ بِمَجنُونٍ وَاِنَّ لَکَ لاَجرًا غَیرَ ممنُونَ" (پارہ ۲۹ 'سورہ القلم' رکوع ۱) (قلم اور ان کے لکھنے کی قسم! تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں اور ضرور تمہارے لئے بے انتہاء ثواب ہے۔)

یہ سولہ آیتیں نعت مصطفیٰ علیہ السلام کا گنجینہ اور عظمت شان محبوب علیہ السلام کا خزینہ ہیں۔ ان آیات کے ایک ایک حرف میں نعت شریف کے پھول کھلے ہوئے ہیں' ان آیات میں چند طرح گفتگو کرنی چاہئے۔

(۱) یہ آیات کیوں آئیں (۲) ن و قلم سے کیا مراد ہے (۳) ان میں کتنی طرح نعت نکلتی ہے۔

(۱) مشرکین مکہ خصوصا ولید ابن مغیرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجنون یعنی دیوانہ کہا کرتے تھے قلب پاک مصطفیٰ علیہ السلام کو اس ملعون سے ایذاء پہنچتی تھی۔ رب تعالیٰ نے قسمیں فرما کر حضور علیہ السلام کے فضائل اور بدگویوں کے عیوب بیان فرمائے' تاکہ محبوب کے قلب پاک کو تسلی ہو' فرمایا ن کی قسم' قلم کی قسم' ان کی تحریر کی قسم' اے پیارے! تم دیوانے نہیں' تمہارے بدگو' بدذات' بے ایمان' بدباطن' چغل خور' حرام کے بچے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(۲) ن لفظ نون میں چند احتمل ہیں۔(۱) یہ سورہ کا نام ہے۔(۲) اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔(۳) نور اور ناصر کا پہلا حرف ہے اور رب تعالیٰ کا نام (۴) الر: حمٓ: ن مل کر الرحمن بنتا ہے تو یہ اسمائے الہیہ کا جزو ہے' اس صورت میں رب نے اپنی قسم فرمائی۔(۵) یا نون حضور علیہ السلام کا اسم شریف ہے۔ (۶) یا یہ نور کا پہلا حرف ہے اور نور حضور علیہ السلام کا نام شریف "قد جاء کم من اللہ نور" اس صورت میں حضور علیہ السلام کی قسم ہے۔ (۷) یا نون بمعنی مچھلی' عربی میں مچھلی کو نون کہتے ہیں۔ اس سے یا وہ مچھلی مراد ہے' جس کے شکم میں یونس علیہ السلام رہے یا وہ مچھلی جو

جنتیوں کی پہلی غذا ہے یا وہ مچھلی مراد ہے جس پر زمین قائم ہے۔ (روح البیان و تفسیر عزیزی)

"والقلم"(۱) قلم سے یا تو عام قلم مراد ہے' چوں کہ اس سے علم لکھا جاتا ہے' اسی لئے اس کی یہ تعظیم ہوئی اور اس کی قسم فرمائی گئی۔ (۲) یا وہ قلم مراد ہے جس نے لوح محفوظ پر سارے واقعات تحریر کئے۔ (۳) یا وہ قلم جس سے فرشتہ ماں کے پیٹ میں بچہ کی تقدیر لکھتا ہے یا وہ قلم جس سے ملائکہ انسان کے نامہ اعمال لکھتے ہیں لیکن ان صورتوں میں ن اور قلم میں مناسبت نہیں معلوم ہوتی' اسی لئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ قلم بھی حضور علیہ السلام کا نام ہے کیوں کہ ایک حدیث میں ہے "اول ماخلق اللّٰہ القلم" دوسری میں ہے "اول ماخلق اللّٰہ نوری" یہ دونوں حدیثیں اس طرح جمع کی گئیں کہ قلم اور نور دونوں سے حقیقت محمدیہ مراد ہے' حضور علیہ السلام کو اس لئے قلم کہتے ہیں کہ جیسے تحریر سے پہلے قلم ہوتا ہے' ایسے ہی عالم سے پہلے حضور علیہ السلام ہوئے اور جیسے کہ قلم الہی کی تحریر کوئی بدل نہیں سکتا اسی طرح حضور علیہ السلام کا فرمان دنیا میں کوئی پلٹ نہیں سکتا گویا حضور علیہ السلام قلم الہی ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ نون سے مراد لب پاک مصطفیٰ علیہ السلام ہیں اور قلم سے زبان پاک' جیسے قلم دوات کی مدد سے لکھتا ہے' اسی طرح حضور علیہ السلام کی زبان مبارک لب پاک کی مدد سے کلام فرماتی ہے کہ بعض حروف زبان سے ادا ہوتے ہیں اور بعض لبوں سے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر حرف وحی الہی ہے یہ زبان اور دہن کن کی کنجی ہے۔ "وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ"

واضح رہے کہ نون اور انسان کے لب اور دوات تینوں ہم شکل ہیں تو حضور علیہ السلام کا دہان دوات رحمن اور حضور علیہ السلام کی زبان قلم خالق دو جہان اور حضور علیہ السلام کا کلام رب کا فرمان (روح البیان)

ومایسطرون: اس کی قسم جو وہ لکھتے ہیں کون لکھتے ہیں؟ اس میں چند قول ہیں: تو اس سے عام لوگ مراد ہیں' جو علوم دینیہ لکھتے ہیں' یعنی اے پیارے! تمہاری

زبان کی قسم تمہارے دہان کی قسم اور تمہارے اس پیارے کلام کی قسم جو مسلمان قیامت تک لکھتے پڑھتے رہیں گے۔ اس کلام پہ قربان' بادشاہوں نے اپنے نام سونے چاندی کے سکوں میں لکھوائے مگر مٹ گئے وہ شہنشاہ کیسی شان والا ہے جو عرب کے ریگستان میں کچھ میٹھے بول سناتا رہا' مگر اس کی بولی کو نہ ہوا اڑا سکی نہ زمانہ مٹا سکا' نہ کوئی دنیوی طاقت بدل سکی۔ ان کا نام پاک عالمین کی زبانوں میں' دماغوں میں صحیفوں میں' پتھروں میں ایسا نقش ہوا ہے کہ نہ مٹا ہے نہ مٹے یا "ومایسطرون" سے ملائکہ کی تحریر مراد ہے۔ کہ وہ حضور علیہ السلام کے کلمات اور آپ کے اعمال طیبہ تحریر کرتے ہیں۔ غرضیکہ یہ تینوں کلمے حضور علیہ السلام کی نعت شریف ہیں۔

آگے ارشاد ہوا کہ اے محبوب! آپ(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں مجنون کے معنی یا دیوانہ ہیں یا مستور' پہلے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دیوانگی کبھی نہیں آسکتی' کیوں کہ انبیاء کرام کی عقل سارے عالم سے زیادہ اور حضور علیہ السلام کی عقل شریف سارے انبیاء سے اعلیٰ ہے۔ اگر بادشاہ کا وزیر دیوانہ ہو جائے تو ملکی انتظام بگڑ جائے گا' تو اگر خدا کے نبی پر یہ کیفیت طاری ہو تو یہ عالم کیسے قائم رہے؟ حضور علیہ السلام سے تو رب بھی کلام فرماتا ہے۔ اس کے فرشتے بھی جن و انس بھی عرض معروض کرتے ہیں' اور حیوانات' جمادات بھی وہ فرشیوں کے فریاد رس ہیں اور عرشیوں کی امید گاہ' مخلوق ان کا منہ تکے' خالق کی ان پر نگاہ' رب کی رحمتیں عالم تک پہنچائیں' دنیا کی حاجتیں خالق سے عرض کریں' جس ذات کریمہ پر اتنی ذمہ داریاں ہوں وہ دیوانہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور اگر مجنون بمعنی مستور ہے۔ تو یہ معنی ہوئے کہ اے محبوب!(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ چھپائے ہوئے نہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی غیب' اگلے پچھلے واقعات' عالم کا ذرہ ذرہ کچھ بھی مخفی نہیں (روح) یا یہ کہ رب تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چھپا ہوا نہیں یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم سے چھپے ہوئے نہیں' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلمان جانیں' کفار پہچانیں بلکہ چاند' سورج' شجروحجر' فرش'

عرشی سب ہی مانتے ہیں۔

"وان لک لاجرا غیر ممنون" یہاں اجر اور ممنون میں چند احتمال ہیں' یا تو اجر سے مراد شفاعت ہے اور ممنون بمعنی منقطع (روح البیان) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کبھی ختم نہ ہو گی ازل سے ابد تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے طفیل سب کی مصیبتیں دور ہوئیں اور ہوں گی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ تمہارے طفیل قبول ہوئی' تمہاری بدولت کشتی نوح پار لگی' تمہاری برکت سے خلیل پر آگ گلزار ہوئی' تمہارے طفیل حضرت اسماعیل علیہ السلام و حضرت عبداللہ کی جان بچی۔ اب بھی تمہارے ہی طفیل دنیا پر رحمتیں آ رہی ہیں اور بلائیں ٹل رہی ہیں۔ "وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم" نزع کے وقت تم ہی کام آتے ہو' قبر میں تمہاری پہچان پر میت کی کامیابی موقوف' حشر میں شفاعت کا سہرا تمہارے سر ہے' جنت میں تمہارے دم کی دھوم دھام ہے' دوزخ میں بھی گنہگار مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے عذاب کی روک تھام غرضیکہ دولہا تم ہو اور براتی سارا عالم "اللھم صلی علی سیدنا محمد والہ واصحابہ وبارک وسلم" یا اجر کے معنی ثواب ہے اور ممنون بمعنی بند کیا ہوا یعنی اے محبوب!(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارا ثواب کبھی بند نہ ہو گا' کیوں کہ قیام تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت رہے گی' ان کی نیکیاں رہیں گی' جن سب کا ثواب صدہا گنا ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملتا رہے گا۔ یا اجر کے معنی ہیں ثواب اور ممنون کے معنی احسان جتلایا ہوا' یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے ثواب میں تم پر کسی بندے کا احسان نہیں کیوں کہ اوروں کو علم' ایمان' رزق' عزت اولاد وغیرہ کسی کے طفیل ملتی ہے اور وہ کسی نہ کسی کے ضرور احسان مند ہوتے ہیں' مگر پیارے جہان بھر میں تمہاری ایک وہ ذات ہے جس کی بدولت سب کو خدا کی دولت ملتی ہے۔ سب تمہارے حاجت مند ہیں۔ تم رب کے سوا کسی کے نہیں' تمہارا سب پر احسان' تم پر کسی کا نہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ حلیمہ دائی نے حضور علیہ السلام کو پالا' مگر حضور علیہ السلام کے

رب کی قسم حلیمہ دائی کو حضور علیہ السلام نے پالا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانے سے حلیمہ کے دن پھر گئے' پیٹ بھر گئے۔

بنی سعد کا دشت رشک چمن ہے
گل ہاشمی چمن کے لائی حلیمہ

انک لعلی خلق عظیمض اس کی مستقل تفسیر ہم آگے کریں گے یہاں تک تو حضور علیہ السلام کے فضائل بیان فرما کر انہیں خوش کیا گیا۔ اب توجہ غضب ان بدبختوں پر ہے جنہوں نے وہ خبیث بات بکی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیوانے ہیں۔ ان کی بہت سی برائیاں بیان فرما کر ان کے سردار ولید ابن عقبہ کے دس عیوب بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ کہ "ولا تطع "الخ یعنی اے محبوب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی نہ سنو جس میں یہ عیوب ہیں۔ جھوٹی قسمیں کھانے والا ذلیل ہے' طعنہ دینے والا ہے' چغلخور ہے' بھلائی سے روکتا پھرتا ہے' حد سے بڑھا ہوا ہے سخت گنہگار ہے بدطینت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حرام کا بچہ ہے ہم اس کی تھوتھنی پر داغ لگائیں گے (تھوتھنی سور کا منہ) ولید نے جب یہ آیت سنی تو اپنی ماں کے پاس تلوار لے کر پہنچا اور کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرے دس عیب بتائے ہیں۔ نو کو تو میں جانتا ہو کہ مجھ میں ہیں ایک کی مجھے خبر نہیں اس کی تجھے خبر ہے' بتا میں حرامی ہوں یا حلالی؟ سچ بول ورنہ گردن مار دوں گا کیوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی جھوٹ بولتے ہی نہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی ماں بولی تو ہے تو حرامی' تیرا باپ عقبہ نامرد اور مالدار تھا۔ مجھے خوف ہوا کہ اس کا نام دوسرے لے لیں گے تو میں نے ایک چرواہے سے زنا کروایا۔ تو اس کا نطفہ ہے۔ (روح البیان وغیرہ عام تفاسیر) معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی بدگوئی کرنا حرام زادوں کا کام ہے۔

آیت نمبر ۸۶۔ "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیمٍ" (پارہ ۲۹' سورہ القلم رکوع ۱)
(اور بے شک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح نعت ہے۔ اس

میں حضور علیہ السلام کے اخلاق کریمانہ کو عظیم فرمایا گیا ہے۔ خلق عربی میں عادت کو کہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے اچھے کام خود بخود ہوں اس کو تکلیف نہ کرنا پڑے، تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس قدر اعلیٰ کام انجام دیتے ہیں یہ تو آپ کی عادت کریمہ ہے، کچھ تکلف اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں ہوتا۔ اسی کو قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ "وما انا من المتکلفین" (میں اپنے اخلاق میں تکلف سے کام نہیں لیتا) عظیم فرما کر یہ بتا دیا کہ اگر کوئی چاہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف اور اخلاق شمار کرے، وہ نہیں کر سکتا، کیوں کہ دنیا کی نعمتیں بہت تھوڑی سی ہیں "قُل مَتَاعَ الدُّنیَا قَلِیل" مگر اس تھوڑی کو کوئی شمار نہیں کر سکتا تو جس کو پروردگار عظیم فرمادے اس کو کون شمار کرے۔

صاحب روح البیان نے لکھا ہے، اسی آیت کی تفسیر میں کہ حضور علیہ السلام کو شکر نوح خلت ابراہیمی علیہ السلام اخلاص موسیٰ، حضرت اسماعیل کا سچ، حضرت یعقوب و ایوب کا صبر، حضرت داؤد علیہم السلام کا عذر اور حضرت سلیمان و عیسیٰ علیہما السلام کی تواضع اور سارے انبیاء کے اخلاق عطا فرمائے علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی لئے فرمایا۔ "فبهداهم اقتده" (آپ ان سب کی راہ چلیں) یعنی تمام انبیائے کرام کے صفات کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جامع ہو جائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلق کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ (قرآن) اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ قرآن پر عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی پاک تھی، اسی لئے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جو شخص حضور علیہ السلام کے دیدار کی تمنا کرے وہ قرآن مجید کو دیکھے کیوں کہ قرآن کریم حضور علیہ السلام کی زندگی پاک کے دیدار کی تصویر ہے یا یوں کہہ کہ یہ قال ہے وہ حال تھی دوسرے معنی صدیقہ کے قول کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جس طرح قرآن کریم ایک دریائے ناپیدا کنار ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے اخلاق کی انتہاء نہیں۔

صاحب روح البیان نے فرمایا کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اخلاق یہ ہیں رب کو اختیار کرنا اور مخلوق سے کنارہ کشی فرمانا' اسی طرح روح البیان میں اسی جگہ ہے' کہ معراج میں رب العالمین نے حضور علیہ السلام پر کنجیاں پیش فرمائیں' قبول نہ کیں' تمام ملائکہ اور جنت کی وہاں کی نعمتیں دکھائیں مگر ان کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ رب کو قبول کیا۔ اسی لئے پروردگار عالم نے فرمایا۔ "ما زاغ البصر وما طغی" (یعنی محبوب کی نظر اپنے رب سے دوسری طرف نہ ہٹی) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ اچھے اور پاکیزہ اخلاق اختیار کریں کہ یہ جنتی کی نشانی ہے اور بدخلقی سے بچیں کہ یہ جہنم میں لے جانے والی چیز ہے۔ اب ہمارے اخلاق کیسے ہونے چاہئیں ان کو دو لفظوں میں عرض کرتا ہوں' مسلمانوں پر مہربان اور کافروں پر سخت "اشداء علی الکفار رحماء بینھم" اگر کوئی اپنا ذاتی نقصان کرے اس کو معاف دو لیکن اگر کوئی دین کا نقصان کرنا چاہئے' اس کے پیچھے پڑ جاؤ۔

حضور علیہ الصلوہ والسلام طائف میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے وہاں کے لوگوں نے بہت گستاخیاں کیں' یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخمی کر دیا' حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آکر عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں تو ابھی ابھی ان کو ہلاک کر دیا جائے' فرمایا اے اللہ! ان پر پتھر برسانے والوں پر رحمت کے پھول برسا دے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا یا حبیب اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ تو اب ایمان نہ لائیں گے فرمایا امید ہے کہ ان کی اولاد ایمان لے آئے۔

یہ تو ذاتی معاملات میں رحم و کرم ہے مگر ایکبار ایک عورت نے چوری کی۔ حضور علیہ السلام نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا لوگوں نے معافی کی سفارش کرائی' فرمایا خدائی سزا ہے معاف نہیں ہو سکتی۔

یہ ہیں اخلاق محمدیہ۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آج مسلمان یہ سمجھے کہ بدمذہبوں

سے نرمی کرنا اور مسلمانوں سے دشمنی کرنا' یہ اخلاق ہیں۔ اگر بدمذہب پر سختی کرنا اسلامی اخلاق ہیں' تو جہاد پھر کس پر کیا گیا؟ سانپ کو مار ڈالنا اور کھیت میں سے گھاس کو نکال دینا ہی بہتر ہے۔

آیت ۸۷۔ "عَالِمُ الغَیبِ فَلَایُظهِرُ عَلٰی غَیبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارتَضٰی مِن رَّسُولٍ" (پارہ ۲۹' سورہ جن رکوع ۲) غیب کا جاننے والا ہے' اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت پاک ہے' اور حضور علیہ السلام کے علم غیب کو بیان فرما رہی ہے۔ اس میں ارشاد فرمایا گیا کہ پروردگار عالم غیب کا جاننے والا ہے' اور اپنے خاص غیب پر کسی کو قبضہ نہیں دیتا سوائے اپنے خاص پیغمبر کے۔

اس آیت میں دو چیزیں قابل لحاظ ہیں۔ ایک تو خدا کا خاص غیب اور ایک تسلط دینا غیب اس کو کہتے ہیں جو آنکھ 'کان 'ناک وغیرہ حواس سے نہ معلوم ہو سکے اور نہ عقل میں فوراً آ سکے' جیسے جنت و دوزخ وغیرہ۔ اب ہمارے لئے بمبئی اور کلکتہ وغیرہ کا علم علم غیب نہیں کیوں کہ آج جا کر دیکھ سکتے ہیں اور ہزار ہا آدمیوں نے ہم کو خبر دی کہ وہ دنیا میں دو شہر ہیں لہٰذا یہ غیب نہیں' غیب دو طرح کا ہے ایک تو وہ جس کو دلیل وغیرہ سے معلوم کر سکیں' جیسے خدا کی صفات اور خدائے پاک کا ہونا' دوسرے وہ جس کو دلیل وغیرہ سے بھی معلوم نہ کر سکیں۔ پہلی قسم کا غیب تو رسولوں کے سوا اوروں کو بھی عطا ہو جاتا ہے' جیسے قرآن میں فرمایا۔ "یؤمنون بالغیب" اور دوسری قسم کا غیب' یہ خدا کا غیب ہے جس کو فرمایا۔ "غیبہ" یہ غیب سوائے رسول کے اور کسی کو نہ دیا جائے گا' ہاں جس کو رسول علیہ السلام اپنے کرم سے بتا دیں اس کو حضور علیہ السلام کے ذریعہ سے ملے گا' یہ ہی اس آیت میں مراد ہے۔ کہ پروردگار عالم اپنا غیب اپنے خاص رسول کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں دیتا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے خاص اپنا غیب عطا فرمایا۔ (تفسیر کبیر اور تفسیر بیضاوی اور روح البیان)

اب جن آیتوں میں ذکر ہے کہ سوائے خدا کے اور کوئی غیب نہیں جانتا۔ اس کے معنی ہیں کہ حقیقی اور ذاتی علم خدائے پاک کے ساتھ خاص ہے' انکار ہے ذاتی کا اور ثبوت ہے علم عطائی کا جیسے قرآن پاک میں آتا ہے۔ "ان العزه لله جمیعا" (ساری عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں) پھر ارشاد ہوا۔ "فلله العزه ولرسوله وللمومنین" عزت اللہ کی ہے اور رسول کی اور مسلمانوں کی' ایک جگہ ارشاد ہوا۔ "ان الحکم الا اللّٰہ" (سوائے خدا کے کسی کا حکم نہیں) دوسری جگہ ارشاد ہوا" فابعثوا وحکما من اھله حکما من اھلھا" (جب کسی شوہر اور بیوی میں جھگڑا ہو جائے تو ایک پنچ تو عورت کی طرف سے اور ایک مرد کی طرف سے بھیجو۔)

اب ان آیتوں کا یہ ہی مطلب ہے کہ حقیقی عزت اور حقیقی حکومت تو صرف اللہ ہی کی ہے' مگر خدا کے دینے سے مسلمانوں کو عزت بھی ملی اور حکومت بھی۔ اسی طرح علم غیب' حضور کو کتنا علم غیب دیا' یہ تو دینے والا رب اور لینے والے محبوب ہی جانتے ہیں' لوح محفوظ میں سارے "ماکان ومایکون" کا علم ہے مگر لوح محفوظ میرے آقا کے علم کے دریا کا ایک قطرہ ہے' قصیدہ بردہ میں ہے۔

ومن علومک علم اللوح والقلم

ہاں جس قدر روایات سے پتہ لگتا ہے وہ یہ ہے کہ از ازل تا روز قیامت ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ کا علم حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو دیا گیا' از عرش تا فرش دکھائے گئے' اگر کوئی پرندہ بھی پر مارتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بھی علم دے دیا گیا۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق وزھق الباطل" میں دیکھو' ایسی تحقیق اور جگہ مشکل سے ملے گی۔

دوسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ خدا کا علم غیب حضور علیہ السلام کے قبضہ میں دے دیا گیا ہے کہ اگر کسی پر توجہ فرمادیں تو اس کو بھی عرش سے فرش تک روشن فرمادیں حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

نظرت الی بلاد اللّٰہ جمعا

کخر دلنہ علی حکم اتصال

میں نے اللہ کے سارے شہروں کو ایس دیکھا ہے جیسے چند رائی کے دانے ملے ہوئے ہیں غرضیکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ہر صفت عظیم ہے۔

آیت نمبر ۸۸۔ "يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا" (پارہ ۲۹ سورہ مزمل رکوع ۱) (اے کپڑوں میں لپٹنے والے! رات میں قیام فرماؤ سوائے کچھ رات کے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نعت شریف ہے' اس میں محبوب علیہ السلام کو اور ان کے طفیل میں ساری امت کو تہجد کی نماز اور قرآن کریم کے ترتیل کے ساتھ تلاوت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ مگر یہ خطاب بہت پر لطف ہے۔ فرمایا گیا کہ اے کپڑوں میں لپٹنے والے محبوب علیہ السلام! جس سے معلوم ہوا کہ محبوب علیہ السلام کی ہر ادا پیاری ہے۔

اس آیت کریمہ کے شان نزول میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ ایک تو زمانہ وحی کے ابتداء میں حضور علیہ السلام کلام الٰہی کی ہیبت سے اپنے کپڑوں میں لپٹ جاتے تھے' اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ ندا دی گئی ایک قول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ایک روز چادر شریف میں لپٹے ہوئے آرام فرما رہے تھے اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ ندا دی گئی بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ اس آیت سے مراد ہے اے نبوت کی چادر میں لپٹنے والے!۔

روح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ رات کو محبوب علیہ السلام چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے' رب العالمین نے اشتیاق فرمایا کہ اس وقت ہمارے محبوب علیہ السلام ہم سے مناجات اور راز و نیاز کی باتیں کریں تو ندا دے کر جگایا' کہ اے آرام فرمانے والے محبوب! اس وقت ہم سے باتیں کرو' غرضیکہ کوئی سی بھی توجہ کی جائے مگر شان محبوبی اچھی طرح سے ظاہر ہو رہی ہے۔

مسئلہ:۔ نماز تہجد شروع اسلام میں واجب تھی اور بعض کے قول پر فرض' بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا' اور اس آیت سے منسوخ ہوا جو اسی سورت میں آگے

مذکور ہے۔ "فاقرء واما تیسر منه" (تفسیر خزائن العرفان و تفسیر احمدی) اب نماز تہجد سنت موکدہ علی الکفایہ ہے۔ کہ اگر بستی میں ایک نے بھی پڑھ لی تو سب بری ہو گئے اور اگر کسی نے نہ پڑھی تو سب سنت کے تارک ہوئے۔

مسئلہ:۔ نماز تہجد کا وقت جب سے شروع ہوتا ہے' کہ مسلمان نماز عشاء پڑھ کر کچھ سو کر بیدار ہو اس کے لئے وہ وقت تہجد ہے' لہٰذا اگر کوئی شخص سردی کے موسم میں رات کے آٹھ بجے نماز عشاء پڑھ کر سو گیا' اور نو بجے بیدار ہو گیا' تو یہ ہی اس کے لئے تہجد کا وقت ہے اور اگر کوئی شخص تمام رات نہ سویا تو اس کے لئے تہجد کا وقت نہ آیا۔ کیوں کہ تہجد میں سو کر جاگنا ضروری ہے۔ اور تہجد کا وقت مستحب رات کا آخری چھٹا حصہ ہے اور اس کی رکعتیں کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ ۱۲ ہیں' اگر ہر رکعت میں تین بار "قل هو اللّٰه" پڑھے تو ہر رکعت میں ایک قرآن کا ثواب دیا جائے گا۔

آیت نمبر ۸۹۔ "اِنَّآ اَرسَلنَآ اِلَيكُم رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيكُم كَمَآ اَرسَلنَآ اِلٰى فِرعَونَ رَسُولًا" (پارہ ۲۹' سورہ مزمل رکوع ۱) (تحقیق ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا کہ تم پر حاضر و ناظر ہیں' جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجے۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے' اس میں کفار اور مسلمانوں سے خطاب ہو رہا ہے کہ اے لوگو! یہ پیغمبر جو تم میں تشریف لائے' یہ تم سے اور تمہارے حالات سے بے خبر نہیں ہیں بلکہ تم کو اور تمہارے ایمان و کفر کو جانتے ہیں' اور قیامت تک کے تمام لوگوں کے ہر ہر حال سے خبردار ہیں اسی لئے تم سب پر رب کی بارگاہ میں گواہی دیں گے۔ یعنی مومن کے ایمان اور کافر کے کفر کو ظاہر فرمائیں گے۔ اس سے جہاں حضور علیہ السلام کا علم غیب ثابت ہوا' وہاں ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر شخص کے پاس حاضر و ناظر ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ گواہی دیکھی ہوئی ہونی چاہئے' اسی لئے جب قیامت میں امت مصطفیٰ علیہ السلام انبیاء کے حق میں گواہی دے گی' تب حضور علیہ السلام اس امت کی گواہی دیں گے' اس کی تحقیق چند جگہ ہم اسی کتاب میں

کر چکے ہیں اور حاضر و ناظر کی پوری بحث ہماری کتاب "جاء الحق وزھق الباطل" میں دیکھو۔

آیت نمبر ۰۔ "اِنَّ رَبَّکَ یَعلَمُ اَنَّکَ تَقُومُ اَدنٰی مِن ثُلُثَیِ اللَّیلِ وَنِصفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِینَ مَعَکَ وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ اللَّیلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَن لَّن تُحصُوهُ فَتَابَ عَلَیکُم فَاقرَءُ وامَا تَیَسَّرَ مِنَ القُرآن" (پارہ ۲۹ سورہ مزمل رکوع ۲) (بے شک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم قیام کرتے ہو کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات کبھی تہائی اور ایک جماعت تمہارے ساتھ والی اور اللہ رات و دن کا اندازہ فرماتا ہے اسے معلوم ہے کہ اے مسلمانو! تم سے رات کا شمار نہ ہو سکے گا تو اس نے تم پر جو رجوع فرمایا' اب قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو پڑھو۔)

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی شان کے خطبے فرما رہی ہے' اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب مسلمانوں پر تہجد کی نماز فرض تھی تو حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام بہت ہی زیادہ کھڑے رہتے تھے' یہاں تک کہ ان حضرات کے پاؤں پر ورم آگیا۔ اور پھٹ پھٹ کر ان سے خون جاری ہو گیا' اس خیال سے کہ واجب سے کم نہ ادا ہو' بلکہ زیادہ ہو جائے تو مضائقہ نہیں' چونکہ اس زمانہ میں گھڑیاں نہ تھیں' اس لئے مسلمان رات کا صحیح اندازہ نہ کر سکتے تھے' چنانچہ کبھی کبھی صبح ہو جاتی تھی' ایک سال تک یہ حکم فرضیت رہا۔ بعد ایک سال کے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' اور اس نے تہجد کی فرضیت کو منسوخ کیا' اس تہجد کے منسوخ ہونے کی وجہ کیا تھی؟ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کی تکلیف اور مشقت جس سے معلوم ہوا کہ محبوب علیہ السلام کی دلجوئی اس قدر منظور ہے کہ ان کے لئے احکام میں لحاظ فرمایا جاتا ہے' تہجد کی اصل نماز حضور علیہ السلام پر ہمیشہ فرض رہی مگر رات کے قیام میں قید نہ رہی کہ آدھی رات یا تہائی رات قیام فرمائیں بلکہ جس قدر منشاء ہو اس قدر ہی قیام فرما دیں ہاں امت کے لئے وجوب نہ رہا۔

مسئلہ:۔ شبینہ پڑھنا یعنی تہجد یا تراویح میں ایک رات میں سارا قرآن شریف ختم کرنا جائز ہے۔ اگر پڑھنے والے پر بوجھ نہ پڑے۔

روح البیان میں زیرِ آیت "وَرَتِّلِ القُرآنَ تَرتِیلاً" ہے کہ چار صاحبوں نے ایک رکعت میں سارا قرآن ختم فرمایا ہے، حضرت عثمان بن عفان، تمیم داری اور سعید ابن جبیر اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور بمسہ ابن منہال ایک ماہ میں نوے ختم کرتے تھے اور ابوالحسن علی ابن عبداللہ نے ایک دن میں چار ختم کئے، اور طحاوی شریف جلد اول باب جمع السور فی رکعۃ میں ہے کہ حضرت تمیم داری، عبداللہ ابن زبیر سعید ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک رکعت میں قرآن ختم کیا، غالباً ردالمختار کے مقدمہ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمضان میں ۶۱ قرآن کریم ختم فرماتے تھے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الاذکار" کتاب تلاوۃ القرآن میں فرماتے ہیں کہ بے شمار حضرات نے ایک رکعت میں قرآن ختم کیا، انہیں میں سے عثمان ابن عفان و تمیم داری اور سعید ابن جبیر بھی ہیں۔

ان تمام دلائل سے شبینہ ثابت ہوا مگر شبینہ میں دو باتوں کا خیال رہے۔ ایک تو یہ کہ پڑھنے والا صحیح پڑھے اور صاف پڑھے، حروف کو صحیح ادا کرے۔ فقط "یعلمون تعلمون" پڑھنے والا نہ ہو، دوسرے یہ کہ سننے والے شوق سے سنیں یہ نہ ہو کہ لوگ بیٹھے اونگھ رہے ہیں، جبکہ وقت رکوع ہوا تو جھٹ سے تکبیر کہہ کر شریک ہو گئے، یہ دونوں باتیں منع ہیں۔ (جس حدیث میں قرآن جلد ختم کرنے کی ممانعت ہے اس سے یہ ہی مراد ہے جن حضرات نے ایک ہی رکعت میں ختم قرآن کیا ہے وہ اس قدر تیزی کے باوجود سمجھ کر قرآن پڑھتے تھے۔)

آیت نمبر ۹۱۔ "یَاأَیُّهَا المُدَّثِّرُ قُم فَأَنذِر وَرَبَّکَ فَکَبِّر وَثِیَابَکَ فَطَهِّر" (پارہ سورہ مدثر، رکوع ا) (اے چادر اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ، پھر ڈر سناؤ اور اپنے رب کی بڑائی بولو اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔)

یہ آیت کریمہ بھی نعت محبوب علیہ السلام ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں ایک روز ہم حرا پہاڑ پر تھے، ہم نے ایک غیبی آواز سنی "یَامُحَمَّدُ اِنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہ" یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اللہ کے رسول ہیں، چاروں طرف دیکھا کوئی بولنے والا نظر نہ آیا، اوپر جب دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا اور وحی لایا تھا "اقرا باسم ربک الذی خلق" وہ کرسی پر بیٹھا ہوا ندا کر رہا ہے، یعنی حضرت جرائیل علیہ السلام اس وقت ہم ہیبت سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور حکم دیا کہ ہم کو چادر اوڑھا دو، جب چادر اوڑھی، تب یہ وحی آئی اے چادر اوڑھنے والے محبوب! اٹھو اور کاموں میں مشغول ہو جاؤ تبلیغ دین کرو، تکبیر پڑھو اور کپڑوں کو پاک رکھو، جس طرح کہ مزمل میں محبت و کرم کا اظہار ہو رہا ہے اسی طرح اس خطاب مدثر میں بھی عین کرم پروردگار کا ظہور ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں تکبیر تحریمہ فرض ہے اور کپڑوں کے پاک رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ اگر کبھی کپڑوں میں نجاست لگ جائے تو دھو ڈالو، کیونکہ بلا ضرورت ناپاک کپڑا پہننا منع ہے۔ نماز کے سوا بھی انسان کو چاہئے کہ پاک و صاف رہے یا یہ مطلب ہے کہ تہبند اور کرتہ یا پاجامہ اس قدر نیچا نہ پہنو، جو گندگی میں خراب ہو، بلکہ سنت تو یہ ہے کہ تہبند یا پاجامہ آدھی پنڈلی تک پہنچے، اگر چاہے تو ٹخنے تک نیچا پہنے مگر عورت اتنا نیچا تہبند یا پائجامہ پہنے جس سے ٹخنے چھپ جائیں۔ واللہ اعلم بالصواب

آیت نمبر ۹۲۔ "لَاتُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ" (پارہ ۲۹، سورہ قیامت رکوع ۱) (تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم اس کو پڑھ چکیں، اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو، بے شک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے۔)

اب جن آیتوں میں ذکر ہے کہ سوائے خدا کے اور کوئی غیب نہیں جانتا۔ اس کے معنی ہیں کہ حقیقی اور ذاتی علم خدائے پاک کے ساتھ خاص ہے' انکار ہے ذاتی کا اور ثبوت ہے علم عطائی کا' جیسے قرآن پاک میں آتا ہے۔ "ان العزہ للہ جمیعا" (ساری عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں) پھر ارشاد ہوا۔ "فللہ العزہ ولرسولہ وللمومنین" عزت اللہ کی ہے اور رسول کی اور مسلمانوں کی' ایک جگہ ارشاد ہوا۔ "ان الحکم الا اللہ" (سوائے خدا کے کسی کا حکم نہیں) دوسری جگہ ارشاد ہوا " فابعثوا وحکما من اھلہ حکما من اھلھا" (جب کسی شوہر اور بیوی میں جھگڑا ہو جائے تو ایک پنچ تو عورت کی طرف سے اور ایک مرد کی طرف سے بھیجو۔)

اب ان آیتوں کا یہ ہی مطلب ہے کہ حقیقی عزت اور حقیقی حکومت تو صرف اللہ ہی کی ہے' مگر خدا کے دینے سے مسلمانوں کو عزت بھی ملی اور حکومت بھی۔ اسی طرح علم غیب' حضور کو کتنا علم غیب دیا' یہ تو دینے والا رب اور لینے والے محبوب ہی جانتے ہیں' لوح محفوظ میں سارے "ماکان ومایکون" کا علم ہے مگر لوح محفوظ میرے آقا کے علم کے دریا کا ایک قطرہ ہے' قصیدہ بردہ میں ہے۔

ومن علومک علم اللوح والقلم

ہاں جس قدر روایات سے پتہ لگتا ہے وہ یہ ہے کہ از ازل تا روز قیامت ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ کا علم حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو دیا گیا' از عرش تا فرش دکھائے گئے' اگر کوئی پرندہ بھی پر مارتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بھی علم دے دیا گیا۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق وزھق الباطل" میں دیکھو' ایسی تحقیق اور جگہ مشکل سے ملے گی۔

دوسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ خدا کا علم غیب حضور علیہ السلام کے قبضہ میں دے دیا گیا ہے کہ اگر کسی پر توجہ فرما دیں تو اس کو بھی عرش سے فرش تک روشن فرما دیں حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

نظرت الی بلاد اللہ جمعا

ہے۔ (شامی) یا تو سب لوگ آہستہ آہستہ پڑھیں یا ایک صاحب پڑھیں اور باقی لوگ سنیں۔

آیت نمبر ۹۳۔ "عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی اَنْ جَآءَ الْاَعْمٰی وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰٓی" (پارہ ۳۰، سورہ عبس، رکوع ۱) (وہ ترش رو ہو گئے اور انہوں نے منہ پھیر لیا، اس پر کہ ان کے پاس ایک نابینا حاضر ہوئے اور تم کو کیا معلوم شاید کہ وہ ستھرا ہو۔) یہ آیت کریمہ وہ ہے جس کو لوگ کہتے ہیں کہ عتاب کے طور پر نازل فرمائی گئی ہے، لیکن ایمان کی آنکھ سے دیکھا جائے تو اس میں محبوب علیہ السلام کے وہ شان نظر آتی ہے کہ سبحان اللہ سب سے پہلے ضروری ہے کہ اس کا شان نزول معلوم کیا جائے پھر اس پر غور کیا جائے کہ اس آیت کا مقصد کیا ہے۔؟

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ سرداران قریش، ابو جہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ کی خواہش یہ تھی کہ ہمارے واسطے علیحدہ مجلس وعظ حضور علیہ السلام مقرر فرما دیں جس میں کوئی غریب صحابی شریک نہ ہوں، حضور علیہ السلام نے اس کو منظور فرما لیا اس امید پر کہ ان کو ہدایت ہو جائے، تو اشاعت اسلام ہو ایک مجلس تبلیغ مقرر فرمائی جس میں یہ تمام سرداران قریش جمع تھے، اور حضور علیہ السلام وعظ فرما رہے تھے اللہ کی شان کہ ایک نابینا صحابی جن کا اسم شریف ہے عبداللہ ابن مکتوم حاضر بارگاہ ہوئے، چونکہ یہ نابینا تھے اس لئے دیکھ نہ سکے کہ یہ کیا ہو رہا ہے، اور بلند آواز سے عرض کرنے لگے کہ یا حبیب اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کچھ رب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھایا ہے مجھ کو بھی سکھایئے۔ اس وقت میں ان کا حاضر ہونا اور وعظ کے درمیان بولنا اور اس طرح آواز دینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ ناگوار گزرا۔ سرداران قریش چلے گئے، حضور علیہ السلام اپنے مکان میں تشریف لے گئے، ان کو کچھ جواب نہ دیا، دولت خانہ میں جاتے ہی یہ آیت کریمہ اتری جس میں محبوب علیہ السلام سے اس ترش روئی کی، شکایت کی گئی۔ مگر قرآن پاک کا طریقہ کلام تو دیکھو، یہ نہیں

فرماتا کہ آپ نے ترش روئی کی' بلکہ فرماتا ہے انہوں نے ترش روئی کی' یعنی ہمارے ایک محبوب ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو آج اپنے ایک نیاز مند غلام سے کسی قدر ناراضگی ہو گئی اے محبوب علیہ السلام آپ تبلیغ اسلام میں اس قدر کیوں مشغول ہو جاتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کوئی اپنا غلام آ جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے۔

اس کو لوگ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ یہ رب کی ناراضگی اور عتاب ہے اپنے محبوب علیہ السلام پر' لیکن بڑے غور کی بات یہ ہے کہ ناراضگی ہوتی ہے کسی قصور پر' یہاں یہ بتاؤ' کہ حضور علیہ السلام سے معاذاللہ کیا قصور ہوا کہ ناراضگی فرمائی جائے؟ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تبلیغ کا کام انجام دے رہے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرض منصبی تھا' ایا فرض ادا کرنے پر ناراضی ہوتی ہے" ہرگز نہیں بلکہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم سے تین خطائیں ہوئیں درمیان گفتگو میں بولنا' ندا کر کے پکارنا اور کلام پاک مصطفیٰ علیہ السلام کو بیچ میں سے کاٹنا' اگر یہ آیت عتاب تھی تو حضرت عبداللہ کو عتاب ہوتا نہ کہ حضور علیہ السلام کو۔

شیخ عبدالحق نے مدارج النبوت میں اور مثنوی شریف میں فرمایا ہے کہ حقیقت میں یہ اپنے محبوب کے غلام بے نوا کی طرفداری ہے کہ اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نیاز مند ہے اس لئے ہماری بارگاہ میں اس کی خطائیں بھی معاف ہیں۔

اسی لئے یہاں فرمایا گیا "اعمیٰ" یعنی جو آپ علیہ السلام کے عشق و محبت میں طریقہ گفتگو اور دنیاوی تہذیب سے بھی بے خبر ہے تو ہم سفارش کرتے ہیں کہ ایسے عاشقوں کے قصور اور خطائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی معاف فرمایا کریں' یہ تو ایک عاشق کی سفارش ہے نہ کہ محبوب علیہ السلام پر عتاب' ورنہ اعتراض ہو گا کہ قرآن کریم بے موقعہ اور بے محل بھی عتاب فرما دیتا ہے۔ اب اس تقریر سے معلوم ہوا

کہ یہ آیت پاک محبوب علیہ السلام کی شان کو دوبالا کر رہی ہے کہ ان کے غلاموں کی خطائیں بھی ان کی وجہ سے معاف فرمائی جاتی ہیں' اور محبوب علیہ السلام کو ان سے راضی کیا گیا یہ تو غلام ہیں' دشمنوں کے لئے فرمایا گیا" وماکان اللّٰہ لیعذبھم وانت فیھم" (اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے گا کیونکہ ان میں آپ ہیں) (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد حضور علیہ السلام عبداللہ ابن ام مکتوم کی عزت فرماتے تھے' اور چوں کہ یہ آیت شریف ظاہر میں عتاب سی معلوم ہوتی ہے' اس لئے حضور علیہ السلام حضرت عبداللہ کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ وہ ہیں جن کے بارے میں مجھ کو میرے رب نے عتاب فرمایا۔

خیال رہے کہ عتاب' عذاب' عقاب میں فرق ہے۔ عتاب ہوتا ہے محبوب یا فرماں بردار بندے پر عذاب ہوتا ہے نافرمان بندے پر' عقاب ہوتا ہے دشمن پر' شکایت محبوبانہ کو عتاب کہہ سکتے ہیں جس کے معنی ہیں شکوہ شکایت

ضروری ہدایت:۔ صاحب تفسیر روح البیان نے اسی "عبس وتولی" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک امام ہر نماز میں یہ ہی سورہ پڑھا کرتا تھا' حضرت عمر فاروق کو خبر ہوئی تو آپ نے اس امام کو بلا کر قتل کرا دیا' کیونکہ ہر نماز میں یہ سورہ پڑھنے سے معلوم فرمایا کہ یہ منافق ہے اور اس کے دل میں حضور علیہ السلام سے بغض ہے' اس لئے اس سورہ کو ہر نماز میں پڑھتا ہے جو بظاہر عتاب معلوم ہوتی ہے اس سے دو مسئلے بخوبی واضح ہوئے' ایک تو یہ کہ قرآن بھی بری نیت سے پڑھنا کفر ہے' بعض لوگ یہ آیت ہر جگہ پڑھتے ہیں۔ "قل انما انا بشر مثلکم" اگرچہ پڑھتے تو قرآن کی آیت ہیں' مگر نیت ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام کی اہانت کی' وہ آیات جن میں حضور علیہ السلام کے درجات بیان کئے گئے ہیں' ان کو ہر جگہ کیوں نہیں پڑھتے' حدیث میں خارجیوں کے بارے میں فرمایا کہ ایک قوم

ایسی پیدا ہو گی کہ قرآن پڑھے گی اور قرآن ان کے گلے سے نہ اترے گا یا کہ قرآن ان پر لعنت کرے گا وہ اسی قسم کے لوگ ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ بعض آیات بعض آیات سے درجہ افضل ہیں، ایک صحابی ہر نماز میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد" پڑھتے تھے، حضور علیہ السلام نے پوچھا کہ تم یہ کیوں کرتے ہو؟ عرض کیا کہ اس میں میرے رب کے صفات کا ذکر ہے، اس لئے مجھے یہ سورہ پیاری معلوم ہوتی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ رب تعالیٰ اس سے محبت فرماتا ہے۔ (مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن) صاحب روح البیان نے پارہ پنجم زیرِ آیت "وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا" (فرمایا ہے کہ صفات اور ذات کی آیات ان آیات سے افضل ہیں جن میں کچھ اور ذکر ہے۔ لہٰذا "قل هو اللّٰه تبت" سے افضل ہے۔ کیونکہ "قل هو اللّٰه" میں تو ذکر بھی بہتر، اور جس کا ذکر ہوا وہ بھی اعلیٰ، مگر تبت میں ذکر تو بہتر مگر جن کا ذکر ہوا یعنی ابو لہب وہ بہتر نہیں تو قل ہو اللہ دو وجہ سے بہتر ہے اور تبت ایک وجہ سے۔

ہماری اس تحقیق سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ جن آیات میں حضور علیہ السلام کی نعت بیان ہوئی وہ ان آیات سے افضل ہیں کہ جن کو بعض لوگ عتاب سمجھتے ہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد والہ واصحبہ اجمعین

آیت نمبر ۹۴۔ "لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ" (پارہ ۳۰، سورہ بلد، رکوع ۱) مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب! صلی اللہ علیہ وسلم تم اس شہر میں تشریف فرما ہو اور تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی قسم اور ان کی اولاد کی (یعنی تمہاری) قسم۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چمکتی ہوئی نعت پاک ہے، اس میں فرمایا گیا ہے کہ جس کو حضور علیہ السلام سے نسبت ہو جائے وہ عظمت والا

ہے' یہ آیت کریمہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اس میں فرمایا گیا کہ اے محبوب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شہر مکہ مکرمہ کی قسم' مگر قسم فرمانے کی وجہ کیا ہے؟ کہ تم وہاں ہو' جس سے معلوم ہوا کہ مکہ شریف کو یہ عزت اے پیارا تمہارے دل سے ملی۔

مکہ معظمہ میں چند خوبیاں ہیں۔ اول تو یہ کہ اس کو حضرت خلیل نے بسایا' اور اس کے لئے دعائیں کیں۔ دوسرے یہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وہاں پرورش پائی' تیسرے یہ کہ وہاں اللہ کا گھر موجود جو دنیا کا قبلہ اور بیت المعمور کے مقابل' چوتھے یہ کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا جائے مقام۔

پہلی تین باتیں تو مکہ مکرمہ میں بعد ہجرت بھی موجود رہیں' مگر چوتھی بات نہ رہی' تو آیت میں فرمایا گیا کہ اس شہر کی قسم فرمانا ان وجہوں سے نہیں بلکہ تمہارے قدم کی برکت سے ہے۔

مسئلہ:۔ فقہاء کا اس میں اتفاق ہے کہ حضور علیہ السلام کی قبر انور کا وہ حصہ جو جسم پاک سے ملا ہوا ہے خانہ کعبہ اور عرش اعظم سے بھی زیادہ افضل ہے۔ دیکھو شامی کتاب الحج اور مدارج وغیرہ اور اس میں بھی اتفاق ہے کہ خانہ کعبہ مدینہ منورہ کی بستی سے افضل ہے' اگر اختلاف اس میں ہے کہ شہر مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کا شہر' شہر مدینہ سے افضل ہے کیونکہ وہاں حج ہوتا ہے' وہاں ہر ایک نیک کا عمل کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے' اور مدینہ پاک میں ہر ایک عمل کا ثواب پچاس ہزار کے برابر اور اس کو حضرت خلیل نے آباد کیا اور اس کے لئے دعائیں کیں' مگر حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شہر مدینہ طیبہ مکہ معظمہ سے افضل ہے' دیکھو اس کی پوری بحث نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض میں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند دلائل ہیں' ایک تو یہ ہی آیت "لا اقسم" جس سے معلوم ہوا کہ حضرت جہاں تشریف فرما ہوں وہ جگہ افضل ہے۔ تو ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ افضل تھا اور بعد ہجرت مدینہ پاک۔ دوسرے یہ کہ مکہ مکرمہ

میں فرش والوں کا حج ہوتا ہے' اور مدینہ پاک میں عرش والے فرشتوں کا حج ہوتا ہے کہ ستر ہزار صبح اور ستر ہزار شام کو ملائکہ روضہ پاک میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس کو گھیر کر صلوۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ (مشکوۃ باب الکرامات) پھر مکہ مکرمہ میں حج نو سال میں ایک بار ہوتا ہے مگر مدینہ کا حج تو فرشتے کرتے ہیں' وہ ہر روز صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک مکہ مکرمہ میں ہر نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے تو ہر بدی کا گناہ بھی ایک لاکھ ہے' یعنی وہ جگہ جمال و جلال کی ہے' مگر مدینہ طیبہ میں محض جمال' کہ نیکی کا ثواب تو پچاس ہزار کے برابر اور بدی کا گناہ صرف ایک ہی بدی کے برابر' وہ بھی اگر باقی رہے' ورنہ امید ہے کہ حضور علیہ السلام کی شفاعت سے معاف ہو جائے۔ اعلیٰ حضرت نے خوب فرمایا۔

عاصی بھی ہیں چہیتے یہ طیبہ ہے زاہد
مکہ نہیں کہ جانچ جہاں خیر و شر کی ہے
شان جمال طیبہ جاناں ہے نفع محض
وسعت جلال مکہ میں سود و ضرر کی ہے۔

اور جو فرمایا گیا کہ مکہ مکرمہ میں ہر نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے اور مدینہ پاک میں پچاس ہزار' یہ تو تھا ثواب مگر اگر درجہ مقبولیت دیکھا جائے تو مدینہ پاک کی ایک ایک رکعت مکہ مکرمہ کی پچاس ہزار رکعتوں کے برابر ہے' مکہ مکرمہ کو خلیل اللہ نے آباد کیا' مگر مدینہ طیبہ کو حبیب اللہ نے آباد کیا' مکہ مکرمہ کے لئے خلیل اللہ نے دعائیں کیں' مگر مدینہ پاک کے لئے اللہ کے محبوب علیہ السلام نے دعائیں فرمائیں کہ اس مدینہ میں مکہ مکرمہ سے دوگنی برکتیں اور رحمتیں نازل فرما اور مکہ مکرمہ میں بے شک خانہ کعبہ اور مقام ابراہیم اور آب زمزم اور عرفات اور منیٰ وغیرہ ہے' مگر مدینہ پاک میں وہ دولہا ہیں جن کے دم کی یہ ساری برات ہے۔

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

اگر مدینہ کے دولہا نہ ہوتے تو نہ خلیل اللہ ہوتے، نہ کعبہ، نہ عرفات، نہ منیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، یہ تو تھا اختلاف اماموں کا، اس کا فیصلہ کیونکر ہو؟ سب سے مبارک فیصلہ وہ ہے جو کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔ فرماتے ہیں

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

کعبہ دولہن ہے روضہ اطہر نئی دولہن
یہ رشک آفتاب وہ غیرت قمر کی ہے
دونوں بنیں انیلی سجیلی دولہن مگر
جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے
سر سبز وصل یہ ہے سیہ پوش ہجر وہ
ظاہر دوپٹوں سے ہے جو حالت جگر کی ہے

کعبہ معظمہ میں ہر چیز سیاہ رنگ کی ہے، کعبہ معظمہ کے پتھر کعبہ شریف کا غلاف، سنگ اسود، غرض کہ ہر چیز سیاہ رنگ کی ہے اور مدینہ پاک کی ہر چیز سبز رنگ کی، سارے مدینہ پاک میں سبزہ، روضہ پاک کا رنگ سبز، غلاف سبز، اور سیاہ رنگ ہجر میں ہوتا ہے، اور سبز وصل میں مدینہ پاک کو دولہا کا وصال اور کعبہ معظمہ کو دولہا کا فراق ہے، مثنوی شریف میں ہے

گفت معشوقے بعاشق اے فتی
تو بغربت دیدہ بس شہر ہا
پس کدامی لال نہالا خو شتر است
گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است

یعنی کسی معشوق نے اپنے عاشق سے پوچھا کہ تو نے بحروبر کی سیر کی ہے؟ بتا کہ ان میں سے کون سا شہر اچھا ہے جواب دیا کہ وہ شہر اچھا جہاں اپنا محبوب ہو۔

ڈاکٹر اقبال نے اس کو خوب کہا ہے۔

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ دروے دلبر است

مدینہ پاک کی خاک شریف دونوں جہان سے افضل ہے' کیوں کہ یہاں اپنا محبوب جلوہ افروز ہے صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ کشمیر اور پیرس بڑے خوب صورت علاقے ہیں' مگر رب تعالیٰ کی نظر انتخاب جس شہر پر پڑی وہ مدینہ منورہ ہے' اس زمین پر لاکھوں کشمیر قربان ہوں۔

لطیفہ:۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے ایک شعر لکھا ہے۔

غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

اس کا مطلب یہ ہے کہ خانہ کعبہ کا پرنالہ جس کو کہتے ہیں میزاب رحمت بالکل روضہ رسول علیہ السلام کے سامنے ہے' اور اگر کسی کی دکان گلی میں ہوتی ہے' تو وہ لب سڑک ایک ہاتھ لکڑی وغیرہ کا لگا کر اس پر لکھتا ہے کہ فلاں چیز کی دکان سامنے ہے چلے جاؤ تو فرماتے ہیں کہ کعبہ کا پرنالہ وہ رہبری کرنے والا ہاتھ ہے کہ اے صاحبو! حج تو کر لیا لیکن اس حج کو قبول کرنے کے لئے شفیع المذنبین کی بارگاہ میں چلے جاؤ' دیکھو وہ ہرے گنبد میں آرام فرما ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم

"ووالدوماولد" تفسیر روح البیان میں لکھا ہے کہ والد سے مراد حضرت ابرہیم علیہ السلام اور ولد سے مراد حضور علیہ السلام ہیں' یعنی ان باپ کی اور ان فرزند کی قسم۔ اور یہ بھی ہے کہ والد سے مراد حضور علیہ السلام اور ولد سے مراد حضور علیہ السلام کی امت ہے' جیسا کہ خود حدیث پاک میں آتا ہے کہ اے مسلمانو! میں تمہارے لئے مثل والد کے ہوں' اسی لئے ان کی پاک بیویاں مسلمانوں کی والدہ ہیں' انتہی یہ بھی ہو سکتا

ہے کہ والد سے مراد حضور علیہ السلام ہوں اور ماولد سے مراد آپ علیہ السلام کے اہل بیت یعنی اولاد پاک ہو' تو اس سے حضور علیہ السلام کے نسب کی عظمت ثابت ہوئی۔ حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن کوئی نسب اور کوئی سبب کام نہ آئے گا۔ سوائے ہمارے نسب اور سبب کے (سبب سے مراد ہے سسرالی رشتہ) دیکھو (شامی جلد اول بحث غسل میت) اسی لئے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت فاطمہ زہرا کی صاحبزادی ام کلثوم سے نکاح کیا تاکہ ان کو دو طرح حضور علیہ السلام سے سسرالی رشتہ ہو جائے' ایک تو آپ حضور علیہ السلام کے خسر ہیں۔ دوسرے آپ فاطمہ زہرا کے داماد رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

رہی یہ تحقیق کہ حضور علیہ السلام کی آل کون ہیں' اور کتنی قسم کے ہیں' درود پاک میں آل سے کون سی آل مراد ہے۔ وہ ہمارے فتویٰ میں دیکھو۔

آیت نمبر۹۵۔ "وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" (پارہ ۳۰' سورہ والضحیٰ' رکوع ۱) (چاشت کی قسم' اور رات کی قسم جب وہ پردہ ڈالے کہ تم کو تمہارے رب نے نہ چھوڑا' اور نہ مکروہ جانا' اور بے شک تمہارے لئے پچھلی پہلی سے بہتر ہے اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ راضی ہو جاؤ گے۔)

یہ پوری سورہ کیا ہے؟ محبوب علیہ السلام کی نعتوں کا خزانہ ہے۔ اگر اس کی تفسیر کی جائے تو دفتر چاہئیں۔ کچھ اختصار کے ساتھ عرض کرتا ہوں' حضور علیہ السلام قبول فرما دیں۔ آمین۔

اس سورت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ کچھ روز کے لئے وحی آنا رک گئی تو کفار مکہ نے بطور تمسخر کے کہا کہ محبوب علیہ السلام کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور ان سے ناراض ہو گیا' ان بے دینوں کے جواب میں یہ سورہ شریف نازل ہوئی جس میں رب نے قسم کے ساتھ فرمایا کہ میں نے اپنے محبوب علیہ السلام کو نہ چھوڑا اور نہ میں

ان سے ناراض ہوا' مگر لطف یہ ہے کہ کہا تھا کفار نے' مگر جواب دیا حضور علیہ السلام کو کہ اے پیارے فلاں فلاں چیزوں کی قسم تمہارے رب نے تم کو نہ چھوڑا' نہ برا جانا۔ اول تو یہ ہی ایک اعلیٰ درجہ کی نعت ہوئی۔

اب چاشت اور رات سے کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے چند قول ہیں' ایک تو یہ کہ چاشت یعنی دوپہر سے مراد وہ دوپہر ہے۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام معجزوں میں جادوگروں پر غالب آئے اور جادوگر سجدے میں گرے' جس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا "وان یحشر الناس ضحی" اور رات سے مراد معراج کی رات ہے' تو معنی یہ ہوئے کہ اس دوپہر اور معراج کی رات کی قسم' دوسرا قول یہ ہے کہ دوپہر سے مراد رخ مصطفیٰ علیہ السلام ہے اور رات سے مراد آپ علیہ السلام کے گیسوئے پاک ہیں یعنی آپ علیہ السلام کے چہرہ انور کی قسم جو مثل روشن دان کے ہے' اور آپ علیہ السلام کے ان مبارک گیسوؤں کی قسم جو کبھی کبھی اس آفتاب پر مثل رحمت کے بادل کے پڑ جاتے ہیں' یعنی آپ علیہ السلام کے چہرے پاک پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیسو چھا جاتے ہیں۔ (روح البیان و تفسیر خزائن العرفان) نہ تو آپ علیہ السلام کو رب نے چھوڑا اور نہ ناراض ہوا' کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں محبوب اور بھلا محبوب بھی چھوڑے جاتے ہیں۔

**مسئلہ:۔** چاشت کی نماز سنت ہے اور اس کا وقت جب سے شروع ہوتا ہے کہ آفتاب بلند اور گرم ہو جائے اور زوال پر ختم ہو جاتا ہے اور اس نماز میں یا تو دو رکعتیں ہیں یا چار ایک ہی سلام سے آخرت پہلی سے بہتر ہے' اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ دنیا سے آخرت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بہتر ہے کیوں کہ یہاں بعض بدگو دشمن بھی ہیں اور اس وقت کوئی بدگو نہ ہو گا۔ سب پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کا ظہور ہو گا' حوض کوثر' شفاعت' مقام محمود غرضیکہ تمام ترکمالات اسی دن ظاہر کئے جائیں گے۔ اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ہر پچھلی ساعت آپ علیہ السلام کے لئے اگلی ساعت کئے جائیں گے۔ اور یہ بھی معنی ہو سکتے

ہیں کہ ہر پچھلی ساعت آپ علیہ السلام کے لئے اگلی ساعت سے افضل ہے یعنی آپ علیہ السلام کو ہر آن اور ہر ساعت ترقی ہی ترقی ہے۔ اور آپ علیہ السلام کی عزت و عظمت بڑھتی ہی جائے گی اور آپ علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کا رب اس قدر دے گا آپ علیہ السلام راض ہو جائیں گے۔

یہ آیت ان نعمتوں کو شامل ہے جو دین و دنیا' میں عطا فرما دے گئیں یا عطا فرمائی جائیں گی۔

زمانہ حیات ظاہری میں ملکوں میں فتح ہونا' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں فتوحات ہونا' مشرق و مغرب میں اسلام کا پھیلنا اور آپ علیہ السلام کی امت کا تمام امتوں سے افضل ہونا' اور آپ علیہ السلام کے معجزات کا اظہار ہونا اسی طرح آخرت میں شفاعت' حوض وغیرہ کا ہونا سب ہی اس میں داخل ہیں۔
مسلم شریف میں ہے کہ ایک حضور علیہ السلام نے رو رو کرامت کے لئے دعائیں فرمائیں حضرت جرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ہمارے محبوب علیہ السلام سے پوچھو رونے کا کیا سبب ہے؟ جرائیل امین نے آکر دریافت فرمایا' تو ارشاد ہوا کہ امت کا غم ہم کو رلاتا ہے' رب کا ارشاد ہوا کہ جرائیل تم محبوب سے کہہ دو کہ ہم تم کو تمہاری امت کے بارے میں راضی کرلیں گے' یعنی اتنا بخشیں گے کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

دوسری حدیث پاک میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس آیت کو سن کر فرمایا کہ جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہے میں راضی نہ ہوں گا۔ (تفسیر خزائن العرفان۔)

لطیفہ:۔ تمام لوگ رب کو راضی کرنے کی ہزار ہا کوشش کرتے ہیں' مگر محبوب علیہ السلام کی وہ شان ہے کہ رب تعالیٰ ان کو دے دے کر مناتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین ماجدین کی بخشش بھی اس میں شامل ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ فرزند جنت میں اور والدین جہنم میں اس کی پوری بحث "لقد

جاء کو ر سول" میں کر چکے ہیں۔

آیت نمبر ۹۲۔ "وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی" (پارہ ۳۰ سورہ والضحیٰ) (اور تم کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا' تو اپنی طرف راہ دی۔)

اس سے پہلے والی آیت میں آچکا ہے "الم یجدک یتیما فاوی" (کیا ہم نے آپ کو یتیم نہ پایا) پھر آپ علیہ السلام کو جگہ دے دی۔ اس کا مطلب ایک تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کی ولادت پاک سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ تعالیٰ عنہ وفات پا چکے تھے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش کے ابوطالب ذمہ دار بنے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دریتیم یعنی بیش قیمت موتی پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے قرب میں جگہ عنایت فرما دی کیونکہ قیمتی موتی پاس ہی رکھا جاتا ہے۔

اب فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ضال پایا' اس کی بہت سے تفسیرین ہیں۔ ضال کے معنی گمراہ ہو سکتے ہی نہیں دیکھو ہماری کتاب "قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء" اس کے چند معنی کئے گئے ہیں' ایک تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری محبت میں ایسے خود رفتہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے درجات کی اور اپنے نفس کی خبر نہ رہی تھی تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس درجہ سے ترقی دے کر سلوک دیا' اس سے معلوم ہوا کہ جذبہ سے سلوک افضل ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے جب یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ کو یوسف علیہ السلام کی خوشبو آرہی ہے تو انہوں نے عرض کیا "قالوا تاللہ انک لفی ضلالک القدیم" (خدا کی قسم! آپ تو اپنی اسی پرانی وارفتگی میں ہیں) یہاں ضلال کے معنی گمراہی نہیں ہو سکتے بلکہ محبت میں از خود رفتہ' وہی معنی یہاں بھی ہیں' یا یہ معنی ہیں کہ ایک وقت آپ علیہ السلام اس قدر علمی کمالات سے موصوف نہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "ماکان ومایکون" کا علم دیا اور تمام نامعلوم باتیں آپ علیہ السلام کو بتا دیں' اور غیب کے اسرار آپ علیہ السلام پر کھول دیئے۔

(تفسیر روح البیان و خزائن العرفان)

تیسرے یہ کہ ضل اس پانی کو کہتے ہیں کہ جو دودھ میں مل جائے' تو معنی ہوئے کہ آپ علیہ السلام کفار میں گھرے ہوئے تھے آپ علیہ السلام کو غالب کر دیا۔

چوتھے یہ کہ زبان عربی میں ضل اس درخت کو کہتے ہیں جو جنگل میں اکیلا اور نہایت اونچا ہو جس کو لوگ دور سے دیکھ کر راستہ معلوم کرلیں تو یہ معنی ہوئے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملک عرب میں بے مثل اور ان صفات میں اکیلا پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے لوگوں کو ہدایت کر دی' ہدی کا مفعول قوم ہے۔ (مدارج النبوت جلد اول باب سوم)

پانچویں یہ کہ ایک بار بچپن شریف میں حضور علیہ السلام حضرت حلیمہ دائی سے گم ہو گئے' بہت محنت اور مشقت کے بعد ابوجہل نے آپ علیہ السلام کو پایا' اور عبدالمطلب تک پہنچایا' تو معنی یہ ہوئے کہ ہم نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لڑکپن شریف میں گما ہوا پایا تو لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے کی راہ دکھا دی۔

چھٹے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ علیہ السلام کو گمراہوں میں پایای یعنی جس قوم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرورش پائی ان میں اب تک کسی کو بھی نبوت کا نور نہ پہنچا تھا' اس قوم میں آپ علیہ السلام کو ہدایت پر رکھا' ورنہ بے علم قوم میں عالم کس طرح ہو یعنی اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معصوم پیدا نہ فرماتے تو آپ علیہ السلام کس طرح ہدایت پر رہتے۔ (روح البیان و مدارج)

ساتویں معنی یہ ہیں کہ شب معراج میں آپ علیہ السلام کو اپنی صفتوں سے ناواقف پایا تو آپ علیہ السلام کو اپنی ان صفتوں سے خبردار کر دیا' تاکہ ہماری بارگاہ میں آکر ان سے ہماری حمد کریں (مدارج) اور بھی بہت سے معنی ہو سکتے ہیں۔

مسئلہ:۔ انبیاء کرام علیہ السلام گمراہی اور کفر سے ہمیشہ معصوم ہوتے ہیں' جو کوئی ان کو نبوت سے پہلے یا نبوت کے بعد کسی آن میں کافر یا گمراہ مانے' وہ خود بے دین

ہے' حضرت آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی کلمہ طیبہ ساق عرش پر لکھا ہوا پڑھ لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور نبی اور صاحب کتاب ہوں اپنی والدہ ماجدہ کی اطاعت کرنے والا اور نماز کا قائم کرنے والا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زبان کھولتے ہی اپنی والدہ اور چچا کو اپنی قوم کو توحید کا سبق پڑھایا۔ جب یہ حضرات لڑکپن شریف میں عارف باللہ ہوں تو کون سا وقت ان کی گراہی کا ہو سکتا ہے؟

اسی طرح حضور علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرمایا' اپنی امت کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور خبر دی کہ ہم دنیا میں ظاہر ہونے سے پہلے نبی تھے تو پھر گراہی کیسی؟ رب کریم نے فرمایا "ماضل صاحبکم وماغوی" تمہارے محبوب کبھی گمراہ نہ ہوئے' اس لئے یہاں ضال کے وہ معنی کرنے ہوں گے جو ہم نے بیان کئے۔

غرضیکہ سورہ والضحیٰ شریف پوری حضور علیہ السلام کی نعت شریف ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

آیت نمبر ۹۷۔ "اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ وَوَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ اَلَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَهۡرَکَ" (پارہ ۳۰' سورہ الم نشرح' رکوع ۱) (کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا' اور تم پر سے تمہارا بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔)

یہ پوری سورہ بھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعتوں کا گلدستہ ہے۔ اول آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے تمہارا سینہ کشادہ کر دیا۔ سینہ کشادہ کرنے کے چند معنی مفسرین نے بیان کئے ہیں' ایک تو یہ کہ اس سے مراد ہے کہ سینہ پاک کو چاک فرمایا کہ تین بار حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کا سینہ چاک کیا' اور اس سے دل مبارک کو نکال کر شاور آب زمزم سے دھویا' ایک تو جبکہ آپ علیہ السلام کی عمر شریف پانچ سال تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت دائی حلیمہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے اس کا پورا واقعہ کتب تواریخ میں دیکھو اور دوسرے جبکہ جبکہ وحی کی ابتداء کی گئی اور تیسرے شب معراج میں جبرائیل نے سینہ سے ناف تک کے حصہ کو

چیرا اور حضرت میکائیل علیہ السلام ایک طشت بھر زمزم کا پانی لائے اور جرائیل علیہ السلام نے دل مبارک کو اس سے دھویا دوسرا طشت نور معرفت اور حکمت' نور ایمان کا بھرا ہوا تھا اس کو حضور علیہ السلام کے قلب میں لوٹا دیا'لیکن اس شق صدر(سینہ چیرنے) میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوتی تھی۔

دوسرے یہ کہ اس سے مراد ہے سینہ کشادہ کرنا کہ نور نبوت اور اسرار الہیہ اور علوم غیب کا وہ سینہ پاک حامل بن سکے' ورنہ ہر دل میں یہ برداشت نہیں' یہاں تک کہ اس سینہ میں عالم غیب اور عالم شہادت سما گئے۔

تیسرے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ پاک اس قدر وسیع بنایا کہ دنیا سے تعلق خدا سے غافل نہیں کرتا اور رب سے علاقہ دنیا سے بے خبر نہیں ہونے دیتا یعنی ایک ہی وقت میں پوری طرح رب سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور دنیا سے بے خبر نہیں ہوتے ورنہ دنیاداری سے آدمی دین سے غافل ہو جاتا ہے اور دیندار دنیا کی خبر نہیں رکھتے' یہ حضور علیہ السلام کا سینہ پاک ہے جو ہر طرف متوجہ ہے۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر دنیا میں ہیں شاغل
خواص اس برزخ کبرائے میں ہے حرف مشدد کا

آج قبر انور میں بھی کیا لطف ہے' روزانہ کروڑوں درود پاک پہنچتے ہیں' ان کو متوجہ ہو کر سننا ملائکہ صلوۃ وسلام پڑھتے ہیں' ان کی طرف توجہ فرمانا' تمام امت کے برے اور اچھے اعمال پیش ہونا' ان کی شفاعت فرمانا پھر رب تعالیٰ سے بھی رازونیاز پھر تمام عالم میں رب کی نعمتیں تقسیم فرمانا"اللّٰہ المعطی وانا قاسم" غرضیکہ ایک جان پاک ہے اور فکر جہان صلی اللہ علیہ وسلم۔

بوجھ اتارنے کے یہ معنی ہیں کہ پہلے ہمیشہ دل مبارک گنہگار امت کے غم میں غمگین رہتا تھا' پھر حضور علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے وعدہ مغفرت فرما کر تسکین دے دی' بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں شرک اور بت پرستی ہوتے ہوئے دل

پاک کو تکلیف ہوتی تھی اور اس کے روکنے پر بظاہر قدرت نہ تھی بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قوت عطا فرمائی کہ تمام عرب سے بت پرستی کو دور فرما دیا اور خانہ کعبہ کو بتوں کی نجاست سے پاک فرما دیا اور بت پرستوں کو خدا پرست بنا دیا۔ وصلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

آیت نمبر ۹۸۔ "وَرَفَعنَالَکَ ذِکرَکَ" (پارہ ۳۰ سورہ الم نشرح رکوع ۱)(اور ہم نے تمہارے لئے تمہارے ذکر کو بلند کر دیا۔)

یہ آیت کریمہ بظاہر تو مختصر سی ہے مگر اس کے ایک ایک کلمہ میں جس قدر نعت محبوب ہے اس کے بیان سے زبان و قلم قاصر ہیں' صرف چار طرح اس سے نعت پاک بیان کرتا ہوں۔

رفعت کے معنی' رب تعالیٰ نے اس بلندی کو اپنی طرف نسبت کیوں دی' کہ ہم نے آپ علیہ السلام کا ذکر اونچا کر دیا اور لک یعنی تمہارے لئے کیوں زیادہ فرمایا اور حضور علیہ السلام کے ذکر سے کیا مراد ہے۔؟

(۱) رفعت کے معنی ہیں بلندی' رفعنا کے معنی ہوئے ہم نے اونچا کر دیا آپ کا ذکر' اس اونچا کرنے کے معنی میں بہت گنجائش ہے' اولاً تو یہ کہ تمام بتوں کا ذکر تو زمین پر مگر محبوب علیہ السلام کا چرچا زمین پر بھی اور آسمان پر بھی' جنت میں بھی۔

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

شاعر کا خیال سب سے اونچا اڑتا ہے مگر جہاں کا شاعر کا خیال بھی نہ پہنچ سکے وہ مرتبہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا۔ حضرت حسان فرماتے ہیں۔

ما ان مدحت محمدا بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد

(میں نے اپنے کلام سے محبوب علیہ السلام کی تعریف نہ کی بلکہ ان کے ذکر پاک سے اپنے کلام کو قابل تعریف بنا لیا۔)

دوسرے اس طرح کہ ہر جگہ دیکھو جہاں رب کا نام وہاں محبوب علیہ السلام کا نام پاک، کلمہ، اذان، نماز، التحیات، خطبہ وغیرہ تیسرے اس طرح کہ قرآن میں اور انبیاء علیہ السلام کا ذکر ان کے پاک ناموں سے اور سید الانبیاء علیہ السلام کا ذکر اور ندا اچھے اچھے اوصاف سے۔

چوتھے اس طرح کہ بڑے بڑے نام آور دنیا سے ایسے گئے کہ ان کا نام بھی مٹ گیا مگر نہ مٹا تو ان کا چرچا لوگوں نے ان کا ذکر بند کرنے کی بہت کوشش کی، بدعت کہا، شرک کے فتوی لگائے مگر وہ خود مٹ گئے، حضور علیہ السلام کا ذکر نہ مٹ سکا، رب نے حضور علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا۔

رونقت را روز روز افزوں 6 skf کم
نام تو برنقرہ و بروز زنم
منبر و محراب سازم بہر تو
از محبت قہر من در قہر تو
چاکر انت ملکہا گیر ندوجلہ
دین تو باقی زہی تابملہ
تا قیامت باقیش داریم ما
تو مترس از نسخ دیں اے مصطفیٰ علیہ السلام
من ترا در ہر دو عالم حافظم
طاعنا نرا از حدیثیت وانعم

پانچویں اس طرح کہ سارے ملائکہ اور نبیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام پڑھوایا گیا۔

چھٹے اس طرح کہ میثاق کے دن سارے نبیوں نے آپ علیہ السلام کا کلمہ پڑھا وغیرہ وغیرہ۔

(۴) بلندی کو اپنی طرف اس لئے نسبت کیا کہ کسی کو عزت ملتی ہے کنبہ سے کسی کو

دولت سے کسی کو کسی خاص دن میں پیدا ہونے سے کسی کو کسی کی وجہ سے مگر ہمارے محبوب علیہ السلام کو کسی سے عزت نہیں ملی بلکہ سب کو ان سے عزت ملی اور ان کو ان کے رب نے عزت دی اسی لئے آپ علیہ السلام کی ولادت پاک نہ تو جمعہ کو ہوئی نہ شنبہ کو نہ اتوار کو اور نہ منگل کو کیوں کہ جمعہ تو اسلام کا معظم دن ہونے والا تھا' اور شنبہ یہودیوں کا اتوار عیسائیوں کا اور منگل مشرکین کا' دوشنبہ کو ولادت ہوئی تاکہ اس دن کو حضرت سے عزت ملے۔

اسی طرح رمضان المبارک وغیرہ کسی مشہور مہینہ میں ولادت نہ ہوئی' بلکہ ربیع الاول میں ہوئی تاکہ اس مہینہ کو حضور علیہ السلام سے عزت ملے نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت بیت المقدس میں نہ ہوئی کہ کوئی کہتا چونکہ وہ نبیوں کا شہر ہے اس لئے اس جگہ پیدا ہونے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت بڑھ گئی اور نہ کسی سرسبز ملک میں ولادت ہوئی کہ کوئی سیر کرنے کو جائے اور زیارت بھی کر آئے بلکہ مکہ مکرمہ عرب کا خشک ملک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے لئے منتخب کیا گیا۔ پھر مکہ شریف میں آپ کو نہ رکھا کہ کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت حج کے طفیل نہ کرے' بلکہ مدینہ پاک میں رکھا گیا کہ زیارت سرکار کے لئے علیحدہ سفر کرو کعبہ کی طرف بھی نماز اسی لئے ہوتی ہے۔ کہ محبوب نے اس کو قبلہ بنا دیا اور اس کی شرح ہم دوسرے سیپارے میں کر چکے ہیں۔

اسی لئے پہلے بیت المقدس کو بنایا' اور پھر کعبہ کو اگر پہلے ہی سے کعبہ معظمہ قبلہ ہوتا تو محبوب علیہ السلام کی یہ شان ظاہر نہ ہوتی۔

حق تو یہ ہے کہ دنیا و آخرت' دوزخ و جنت' مومن و کافر بلکہ شیاطین بھی انہی کی رفعت ذکر کے لئے بنائے گئے کہ مومن تو ان کے گیت گائیں' کفار ان کا ذکر روکیں تو ذکر کی اور بھی اشاعت ہو' جنت میں ان کے فرماں بردار جائیں اور دوزخ میں ان کے دشمن ٹھونس دیئے جائیں' دیکھو رب نے شیطان کو علم و ادب تقرب' تصرف سب کچھ دے کر ایک سجدے کے انکار سے مردود کیا' اسے بلند کر کے نیچے گرایا' تاکہ قیامت

تک کے علماء صوفی، مشائخ، عابد، عارف عبرت پکڑیں کہ اس بارگاہ کی بے ادبی سے سارا کیا کرایا اکارت جاتا ہے سجدہ آدم دراصل نوری محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سجدہ تھا۔

آدمی اپنی بنائی ہوئی چیز خود بگاڑ سکتا ہے مگر رب کی بنائی چیز کسی کے بگاڑے نہیں بگڑتی۔ گیس و چراغ آدمی بجھا سکتا ہے۔ کیونکہ انہیں آدمیوں نے ہی روشن کیا تھا، لیکن چاند سورج کسی کی پھونک سے نہیں بجھتے کیونکہ رب کے روشن کئے ہوئے ہیں۔

حضور علیہ السلام کی رفعت کو اپنی طرف نسبت فرما کر یہ بتایا کہ تمہاری بلندی کسی مخلوق کی طرف سے نہیں محض ہماری عطا ہے لہٰذا تمہیں کوئی نیچا نہیں کر سکتا، بلکہ جو تمہیں نیچا کرنا چاہے گا وہ خود نیچا ہو جائے گا۔ اور جو تمہارا چرچا کرے گا اس کا دنیا میں چرچا ہو جائے گا۔ "رفعنا" کو ماضی فرما کر یہ بتایا کہ تمہاری بلندی آج ہی نہیں بہت پہلے کی ہے، اور ماضی کو مطلق فرما کر ارشاد فرمایا کہ تمہاری بلندی گزشتہ کے قرب و بعد کی قید سے آزاد ہے۔ ہر زمان، تمہاری آن بان شان اور شان اعلیٰ رہی حق تو یہ ہے کہ یہ ماضی و حال مستقبل فقط سمجھانے کے لئے ہیں ورنہ ان کی بلندی جب سے ہے، جب نہ ماضی تھے نہ مستقبل یعنی زمانہ سے پہلے انہیں بلندی ملی۔

(۳) "لک" اس لئے بڑھایا گیا کہ جس سے معلوم ہو کہ بلندی اور رتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملک کر دیا گیا جس کو آپ علیہ السلام بلند فرمائیں وہ بلند فرمائیں اور جس کو حضور علیہ السلام دھتکار دیں اس کو دونوں جہان میں کہیں بھی پناہ نہ ملے اس کی چند مثالیں ہیں۔

اولاً آدمی ہر جگہ سفر کرتے ہیں مگر ان کی کوئی عزت نہیں مگر جہاں سفر حج کیا کہ حاجی بن گئے اور ان کی عزت ہو گئی۔ دوسرے آزما کر دیکھا ہے کہ بمبئی سے جو جہاز عرب کو جاتا ہے حاجیوں کو لے کر، اس پر اس قدر ہجوم عاشقاں ہوتا ہے کہ اللہ اکبر، اور اس کی ایسی عزت کہ لندن جانے والے اور پیرس جانے والے جہازوں کی وہ عزت نہیں، ابوجہل، ابولہب، اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام ان کے والدین نے کچھ اور رکھے تھے، مگر سرکار نے ان کو اور خطاب دیئے، والدین کے رکھے

ہوئے، ہم گم ہو گئے' وہی نام مشہور ہو گئے۔ جو کہ حضور علیہ السلام سے ملے تھے' دنیا میں ہزاروں ماں باپ گزرے مگر جس قدر نام کہ آمنہ خاتون اور حضرت عبداللہ کا بلکہ ان کے سارے خاندان کا دنیا میں روشن ہوا کسی ماں کا کسی باپ کا ایسا نہ ہوا' دنیا میں ہزاروں نبی اور سینکڑوں صحیفے آئے' مگر ان پیغمبروں اور انہی کتابوں کے نام دنیا میں روشن ہوئے جن کو حضور علیہ السلام نے روشن کر دیا۔

حضرت مریم علیہما السلام کو یہودیوں نے تہمت لگائی' مگر میرے آقا نے ان کی پاکدامنی بیان فرمائی' تمام دنیا ان کی عصمت کا خطبہ پڑھ رہی ہے' غرضیکہ جو ان کا ہو گیا اس کو عظمت مل گئی صلی اللہ علیہ وسلم جو شخص کہ ان کے ذکر کو روکنا چاہے وہ حقیقت میں رب سے لڑائی کرتا ہے۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

آیت نمبر ۹۹۔ "وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ" (پارہ ۳۰' سورہ العصر' رکوع ۱) (اس زمانہ محبوب کی قسم بے شک انسان ضرور نقصان میں ہے)

اس آیت کریمہ میں بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت ہے اس میں عصر کی قسم فرمائی گئی ہے عصر کے چند معنی مفسرین نے بیان فرمائے' ایک تو وقت عصر یعنی رب العزت نے نماز عصر یا وقت عصر کی قسم فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ تمام نمازوں میں نماز عصر زیادہ تاکیدی ہے' اسی کو نماز وسطیٰ بھی کہتے ہیں' دوسرے یہ کہ مطلقاً زمانہ کی قسم' تیسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک کی قسم جس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی جگہ کی' آپ علیہ السلام کی عمر شریف کی' آپ علیہ السلام کے زمانہ پاک کی قسم فرمائی ہے۔

خیال رہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ سے مراد یا تو آپ علیہ السلام کی ظاہری حیات کا زمانہ ہے یا آپ علیہ السلام کی نبوت کا۔ نبوت کا زمانہ قیامت تک ہے' کیوں کہ آپ علیہ السلام کا دین منسوخ نہیں' اسی لئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم

اور قیامت مثل ملی ہوئی دو انگلیوں کے ہیں (مشکوۃ) خطبہ جمعہ بھی ایک مولوی صاحب دہلی کی جامع مسجد میں فاتحہ دے رہے تھے کہ کسی نے کہا فاتحہ دینا مٹھائی پر بدعت ہے، انہوں نے کہا' بدعت کسے کہتے ہیں؟ معترض بولا کہ جو کام حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ تمہارے باوا کا زمانہ ہے؟ یہ بھی تو حضور علیہ السلام ہی کا زمانہ ہے' بلکہ حقیقت یہ ہے از ازل تا ابد' حضور علیہ السلام ہی کا زمانہ ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آیت نمبر ۱۰۰۔ "اِنَّا اَعطَینٰکَ الکَوثَر" (پارہ ۳۰' سورہ کوثر) (اے محبوب علیہ السلام ہم نے آپ علیہ السلام کو بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت شریف ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے فرزند حضرت ابراہیم علیہ السلام یا حضرت قاسم کا وصال ہوا تو عاص ابن وائل نے اپنی قوم سے کہا کہ میں اس وقت اس ابتر کے پاس سے آرہا ہوں (ابتر عرب میں اس کو کہتے ہیں جس کی نسل ختم ہو جائے۔)

یہ اس ملعون کا کلمہ حضور انور علیہ السلام کے گوش مبارک میں پہنچا تو سرکار علیہ السلام کو صدمہ ہوا' اس صدمہ کو دفع فرمانے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں یہ فرمایا گیا' کہ اے محبوب! علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی دشمن کی بکواس سے غمگین کیوں ہوتے ہیں ہم نے آپ علیہ السلام کو کوثر عطا فرما دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں حضور علیہ السلام کی وہ عظمت ہے کہ اگر کوئی بھی آپ علیہ السلام کو تکلیف پہنچانے کی بے ہودہ کوشش کرے تو رب تعالیٰ اس کو دفع فرماتا ہے۔

کوثر کے چند معنی ہیں کوثر کے معنی ہیں بہت خوبیاں اور بہت ذکر' تو یہ مطلب ہوا کہ کافر سمجھے کہ آپ علیہ السلام کا نام آپ علیہ السلام کی مذکر اولاد سے چلتا۔ اب وہ نہ رہی تو نام نہ چلے گا۔ ان کا یہ خیال غلط ہے ذکر اس کا باقی رہتا ہے جس کو ہم باقی رکھیں ہم نے آپ علیہ السلام کا چرچا قیامت تک کے لئے باقی رکھ دیا۔

خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے دنیاوی سامان کو قلیل فرمایا۔ "قل متاع الدنیا قلیل" مگر جو حضور علیہ السلام کو دیا وہ کثیر نہیں' اکثر نہیں' بشار نہیں بلکہ کوثر ہے' کوثر کے معنی ہیں' بہت ہی زیادہ' رب تعالیٰ نے اپنے لئے فرمایا۔ "وھوالعلی العظیم" حضور علیہ السلام کے لئے فرمایا "وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ" معلوم ہوا کہ رب کی عظمت تک کسی کا خیال نہیں پہنچ سکتا' اسی طرح رب نے جو حضور علیہ السلام کو دیا' وہ سب کے اندازہ سے زیادہ ہے۔

آج دیکھ لو کہ تیرہ سو برس کے عرصہ میں اولاد والے تخت و تاج والے شاہ گدا ہر طرح کے لوگ گزر گئے مگر کسی کا نام نہ چلا! اگر نام رہا تو محبوب علیہ السلام کا یا جس کو محبوب علیہ السلام نے چمکا دیا۔

نہ زیاد کا وہ ستم رہا نہ یزید کی وہ رہی جفا
جو رہا تو نام حسین کا ہے زندہ رکھتی ہے کربلا

یا کوثر سے مراد ہے زیادہ یعنی اگرچہ آپ علیہ السلام کے فرزند صلبی کوئی زندہ نہ رکھا گیا' مگر آپ علیہ السلام کی صاحبزادی فاطمہ زہرا علیہا السلام سے آپ علیہ السلام کی نسل اس طرح چلائی جائے گی' کہ قیامت تک باقی رہے گی' آج بھی دیکھ لو خدا کے فضل و کرم سے سادات ہر جگہ ملتے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک باقی رہیں گے۔

تیسرے معنی ہیں حوض کوثر' یہ ہی معنی حدیث پاک میں ارشاد فرمائے گئے' یعنی ہم نے آپ علیہ السلام کو حوض کوثر دیا۔ کہ جس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا' اور دودھ سے زیادہ سفید ہو گا' جو کوئی ایک بار پئے گا' وہ کبھی پیاسا نہ ہو گا' مرقات میں لکھا ہے کہ ہر نبی کو حوض دیئے گئے ہیں' جس سے کہ وہ اپنی امتوں کو پانی پلائیں گے مگر حضور علیہ السلام کو جو حوض دیا گیا' اس کا نام کوثر ہے' جو سب حوضوں سے بڑا' اور اس کا پانی سب سے زیادہ افضل اور اعلیٰ اور لذیذ ہے۔

یا کوثر سے مراد عالم کثرت ہے یعنی ماسوی اللہ سارا عالم آپ علیہ السلام کو دے دیا'

اللہ جس کا رب ہے۔ حضور علیہ السلام اس کے مالک ہیں۔

خالق کل نے آپ ﷺ کو مالک کل بنا دیا
دونوں جہاں ہیں آپ ﷺ کے قبضہ و اختیار میں

اس کے لئے ہماری کتاب )سلطنت مصطفیٰ) دیکھو۔

یا مراد کوثر سے ہے امت کثیرہ تو مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ جسمانی فرزند آپ علیہ السلام کے وفات کر گئے مگر آپ علیہ السلام کو روحانی اولاد سے یعنی امت اس قدر دی جائے گی کہ کسی کو اس قدر نہ دی گئی' چنانچہ نصف جنت تو حضور علیہ السلام کی امت سے بھرے گی' اور نصف باقی انبیاء علیہ السلام کی امتوں سے۔

نکتہ:۔ایک سوال ہوتا ہے کہ اگر کوثر سے مراد حوض کوثر ہے تو پھر یہ سورہ شریف اس کافر کا رد کس طرح؟ نبی کو تو وہ کہہ رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد نہ رہی' جواب ملا کہ ہم نے آپ علیہ السلام کو حوض کوثر دیا۔ جواب یہ ہے کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ یہ اور اس کی طرح دوسرے کفار آج تو جو چاہیں وہ طنز وغیرہ کر لیں' ایک دن آئے گا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوثر پر جلوہ گر ہوں گے' تب یہ تمام لوگ آپ علیہ السلام کے مدح خواں اور نعت گو بن جائیں گے اگرچہ اس وقت ان کی مدح گوئی کچھ کام نہ آئے گی یعنی جو لوگ اس قسم کی بے ہودہ باتیں کر رہے ہیں کل آپ علیہ السلام کی تعریف کریں گے۔

تنبیہہ:۔اس سورہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے۔ "ان شانئک ھوالابتر" (تمہارا دشمن ابتر ہے)یعنی اس کی نسل ختم ہے' تو سوال یہ ہوتا ہے کہ عاص ابن وائل نے جس نے یہ کلمہ ملعونہ بکا تھا' وہ تو صاحب اولاد نہ تھا وہ ابتر کہاں؟ جواب اس کا یہ ہے' کہ یا تو مراد ابتر سے تمام خوبیوں سے محروم' یا مطلب یہ ہے کہ اس کی اولاد کو ایمان کی ہدایت دے دی جائے گی جس کی وجہ سے اس باپ اور اس کی اولاد میں دینی اختلاف ہو جائے گا اور دینی اختلاف موت کی طرح ہوتا ہے' اسی لئے مسلمان کی میراث و جنازہ دفن و کفن اس کا کافر باپ یا کافر اولاد نہیں کر سکتی اور ایسا ہی ہوا کہ اس کے

کی علاج یا اور ضرورت کے وقت آپ علیہ السلام کو کسی طبیب کا حکیم کے پاس تشریف لے جانے کی ضرورت نہیں بلکہ رب العالمین آپ علیہ السلام کی ہر ضرورت کا متکفل ہے آپ علیہ السلام تمام عالم کے طبیب خالق ہیں' آپ علیہ السلام کا حکیم کون ہوتا؟ آپ علیہ السلام کے سب حاجت مند ہیں' اور آپ علیہ السلام کو سوائے رب کے کسی کی حاجت نہیں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

(۲) حضور علیہ السلام کو رب العالمین نے علم ادیان کے علاوہ علم ابدان یعنی علاج معالجہ طبابت اور تمام علوم عطا فرما دیئے اسی لئے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ حضور علیہ السلام نے اپنی کسی مرض میں کسی طبیب سے مشورہ لیا ہو یا کسی سے علم طب حاصل فرمایا ہو۔ لیکن حدیث کی کتابوں میں جہاں دعاؤں کے باب بنائے گئے' وہاں ہی دواؤں کے باب بھی بنائے گئے ہیں' جن میں وہ دوائیں تحریر کیں جو حضور علیہ السلام سے منقول ہیں۔ بخار میں' جاڑے میں یا فلاں' فلاں مرض میں فلاں دو استعمال کرنی چاہیے۔ یہ اور بات ہے کہ ہمارے ملک کے لوگوں کے مزاج کے فرق کی وجہ سے ان میں سے بعض دوائیں موافق نہ ہوں حضور علیہ السلام نے کسی سے طب سیکھی نہ کسی سے تعلیم حاصل کی مگر پھر تمام دواؤں کے نام ان کے طریقہ استعمال ان کے فوائد وغیرہ اس طریقہ سے ارشاد فرمائے کہ بو علی سینا اور افلاطون کی طباتیں اس پر قربان۔

(۳) اس پر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جادو کا اثر انبیاء کرام علیہ السلام کے دل اور عقل پر نہیں ہو سکتا ہاں جسم پاک پر ہو جاتا ہے' اور یہ شان نبوت کے خلاف نہیں' آخر تلوار' زہر' زہریلے جانوروں کا اثر بھی ان کے مبارک جسموں پر ہوتا ہے۔ اسی طرح غذا دوا پانی وغیرہ فائدہ پہنچاتے ہی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی جو قدرتی تاثیر ہے اس کا ظاہر ہونا نبوت کی شان کے خلاف نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عصائے موسیٰ کے مقابلہ میں جادو نے شکست کھائی' حضور علیہ السلام پر کیوں اثر ہو گیا؟ آپ علیہ السلام تو موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں جادو کا معجزے سے مقابلہ تھا۔ یعنی معجزہ عصا موسیٰ غالب

فرزند حضرت عمرو ابن عاص جلیل القدر صحابی ہوئے۔ غرضیکہ یہ سورہ بھی نعت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

نوٹ:۔ "تَبت یَدَا" اور "قُل ھُوَاللّٰہ" کے متعلق ہم اس کتاب کے خطبہ ں لکھ چکے ہیں وہاں ملاحظہ کرنا چاہئے۔

آیت نمبرا۱۰۔ "قُل اَعُوذُ بِرَبِّ الفَلَقِ" اور "قُل اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ" میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت ہے' وہ اس طرح کہ ان دونوں سورتوں کا شان نزول یہ ہے کہ ایک شخص لبید ابن عصیم یہودی اور اس کی لڑکیوں نے حضور سید عالم علیہ السلام پر جادو بہت زبردست کیا' لیکن اس کا اثر حضور علیہ السلام کے جسم پاک اور ظاہری عضا پر ہوا' دل اور عقل اور اعتقاد پر اللہ کے فضل سے کوئی اثر نہ ہوا چند روز کے بعد حضرت جرائیل امین علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ ایک یہودی نے آپ علیہ السلام پر جادو کیا اور جادو کا سامان فلاں کنوئیں میں پتھر کے نیچے داب دیا ہے' حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کنوئیں پر بھیجا۔ انہوں نے اس کا پانی نکال کر پتھر اٹھایا' تو اس پتھر کے نیچے کھجور کے گابھے کی تھیلی نکلی اس تھیلی میں حضور علیہ السلام کے بال شریف جو کنگھی سے نکلے تھے اور حضور علیہ السلام کی کنگھی کے چند دندانے اور ایک ڈورا یا کمان کا چلہ جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور ایک موم کا پتلا جس میں گیارہ سوئیاں چبھی تھیں نکلیں' جس کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

اس وقت رب العالمین نے یہ دونوں سورتیں نازل فرمائیں' جن میں یہ گیارہ آیتیں ہیں۔ سورہ فلق میں پانچ آیات ہیں' سورہ ناس میں چھ' ہر ایک آیت کے پڑھنے سے ایک ایک گرہ کھلتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ان تمام آیتوں کے پڑھنے پر تمام گرہیں کھل گئیں اور حضور علیہ السلام بالکل تندرست ہو گئے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اس سے حسب ذیل مسائل ثابت ہوئے۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان عالی بارگاہ الہی میں اس قدر بلند ہے کہ

رہا' یہاں کسی معجزے سے مقابلہ نہ تھا' نیز اس جادو نے بھی موسیٰ علیہ السلام کے خیال پر اثر ڈالا۔ "وَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ"

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ بیماریوں اور جادو اور نظر بد وغیرہ کو دفع کرنے کے لئے دعاؤں اور قرآن کی آیتوں پر پڑھ کر دم کرنا درست ہے' اسی طرح تعویذ وغیرہ جائز ہے۔ (دیکھو شامی جلد پنجم) ہاں جن منتروں میں شرکیہ کلمے ہوں یا کسی اور زبان کے جس کے معنی کی ہم کو خبر نہ ہو کہ ان میں شرکیہ باتیں ہیں یا کہ نہیں' ان سے علاج کرنا حرام ہے۔ اسی طرح تعویذ میں قرآنی آیات کا خون سے لکھنا یا خلاف ترتیب لکھنا یا کہ تعویذ میں لکھ کر پاؤں یا جوتے میں باندھنا یا اس پر جوتے مارنا حرام ہے کہ اس میں حروف کی توہین ہے۔

**مسئلہ:۔** تعویذ پر اور اسی طرح دم کرنے پر اجرت لینا جائز ہے۔ اگرچہ قرآن کی آیت بھی لکھ کر دے یا سورہ قرآنی پڑھ کر ہی دم کرے' کہ یہ تو ایک طرح کا علاج ہے (دیکھو مشکوٰۃ اور شامی جلد اول وغیرہ) غرضیکہ یہ دونوں سورتیں نعت مصطفیٰ علیہ السلام ہیں۔

**آیت نمبر ۱۰۲۔** "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" سورہ فاتحہ' سب تعریفیں اللہ کو ہیں جو مالک ہے سارے جہانوں کا۔

اس سورت پاک میں اللہ کی حمد اور بندوں کو دعا کی تعلیم ہے۔ مگر اس میں حضور علیہ السلام کی بھی اعلیٰ درجہ کی نعت ہے' اس لئے کہ الحمد میں اگر الف و لام کو استغراق لیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ساری تعریفیں اللہ ہی کی ہیں یعنی دنیا میں جو بھی کسی کی تعریف کسی وقت کرے' کسی نعمت کے شکریہ میں کرے' وہ درحقیقت خدا کی ہی حمد ہو گی' جس میں جو کچھ خوبی ہے وہ اللہ ہی کی دی ہوئی ہے۔ چیز کی تعریف حقیقت میں اس کے بنانے والے کی تعریف ہے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ خاص تعریف اللہ کی ہے الف لام عہدی ہو' کون سی تعریف اللہ کی ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے منہ سے لوا ہو' یا ان کے سکھانے سے کوئی اللہ کی حمد کرے تو مطلب یہ ہو گا

کہ خواہ حمد الہی کوئی بھی کرے' مگر مقبول حمد وہی ہے جو کہ محبوب کریں یا محبوب کے بتانے سے کوئی کرے' صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم (روح البیان)

اسی لئے آج اگر ساری عمر کفار خدا کی تعریف کریں بالکل قبول نہیں' کیوں کہ انہوں نے حمد مقبول نہ کی جو کہ حضور علیہ السلام کی بتائی ہوئی تھی' اور اسی لئے قیامت کے دن "لواء الحمد" حضور ہی کو دیا جائے گا۔

حدیث شفاعت میں وارد ہے کہ رب تعالیٰ ہم کو اپنی خاص خاص حمدوں سے اطلاع دے گا جن سے میں حمد الہی کروں گا' غرضیکہ دنیا میں ان ہی کی حمد مقبول اور آخرت میں بھی' اسی لئے حضور علیہ السلام کا نام پاک احمد یعنی اپنے رب کی بہت حمد فرمانے والا' اور رب کا نام ہے محمود یعنی محبوب کا محمود صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یا اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ حمد کامل تو اللہ ہی کی حمد ہے۔ یعنی تمام مخلوق ہمارے حبیب کی تعریف کرے مگر جیسے چاہئے ویسی نہیں کر سکتی۔ کامل حمد محبوب علیہ السلام کی وہ ہی ہے جو کہ اللہ نے کی اسی لئے حضور علیہ السلام کا نام پاک ہے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تعریف کئے ہوئے کس کے؟ اللہ کے' اور اللہ تعالیٰ کا نام پاک ہے حامد' تعریف فرمانے والا کس کی؟ اپنے محمد کی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

اب اس آیت پاک سے جس قدر نعت پاک محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ثابت ہوئی' وہ ظاہر ہے' اسی طرح' اس سورہ کی ہر آیت سے حضور علیہ السلام کی نعت شریف ظاہر ہو رہی ہے۔

آیت نمبر ۱۰۳۔ "اِهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنعَمتَ عَلَيهِم" سورہ فاتحہ (ہم کو سیدھا راستہ چلا ان کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا۔)

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کھلی ہوئی نعت شریف ہے' اس میں مسلمانوں کو تعلیم ہے کہ یہ دعا مانگو' کہ خداوند عالم ہم کو سیدھا راستہ چلا' وہ ان کا راستہ ہے جن پر تو نے احسان فرمایا۔

سیدھا راستہ دین اسلام ہے اور دین اسلام پیروی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا

نام ہے' بعد میں اس کی تصریح بھی کر دی کہ وہ راستہ وہ ہی ہے جس پر منعم علیم چلے ہیں' اور سب سے بڑا جن پر اللہ نے انعام فرمایا وہ حضور ہی ہیں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تو رب نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ تم ہم سے یہ دعا مانگا کرو کہ خداوند ہم کو اپنے محبوب علیہ السلام کے قدم بقدم چلنے کی توفیق عطا فرما اور اسی پر قائم رکھ اور اسی پر خاتمہ نصیب فرما آمین ثم آمین یارب العالمین

آخر میں بندہ گنہگار' رحمت کا امیدوار احمد یار عرض پرواز ہے اور تو اپنی اپنی تحریروں اور تصنیفوں کو کسی بادشاہ' نواب' دولت مند کی خدمت میں پیش کر کے انعام کے طلب گار ہوتے ہیں' یہ فقیر بے نوا اپنے ٹوٹے پھوٹے لفظوں کو اپنے دونوں جہان کے سچے شہنشاہ بیکسوں کے ملجا و ماویٰ' محبوب رب العالمین' شفیع المذنبین' احمد مجتبیٰ' محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے اور امیدوار قبول ہے اور یہ بھی عرض کرتا ہے کہ

تمہارے سینکڑوں ہم سے گدا ہیں
ہمارے آپ ہی اک آسرا ہیں
اگر میرا نیم از در بمن بنما در دیگر
کجا نالم کرا خوانم اغثنی یا رسول اللہ

یہ بھی خیال رہے کہ ناظرین یہ نہ سمجھیں کہ قرآن کریم میں صرف اس قدر آیات ہی نعت کی ہیں بلکہ جیسا کہ میں مقدمہ میں عرض کر چکا ہوں' قرآن پاک کی ایک ایک آیت حضور علیہ السلام کی نعت ہے اور جن سے صاف طور پر نعت شریف ثابت ہے وہ بھی اور بہت آیات ہیں جیسے "آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ" اسی طرح "أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ" اسی طرح "ان الدین عنداللّٰہ الاسلام" وغیرہ' مگر اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ان ہی آیات شریفہ پر اکتفا کیا گیا۔

یہ کتاب وسط جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۶۱ ہجری میں شروع کی گئی' اور ۳ شعبان المعظم

روز ایمان افروز دوشنبہ مبارک سنہ ۱۳۶۱ ہجری پایہ تکمیل کو پہنچی۔

رب العالمین اس کو میرے واسطے اور میرے محترم بزرگ حاجی الحرمین الشریفین جامع شریعت و طریقت حضرت شیخ المشائخ تراب اقدام احمد الحاج محمد علی صاحب قبلہ دام ظلہم کے واسطے توشہ آخرت بنا دے' اور خدائے پاک حاجی صاحب موصوف کو اس سے بھی زیادہ خدمت دین کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یَارَبِّ العَالَمِینَ بِجَاہِ حَبِیبِکَ الکَرِیمِ سَیِّدِنَا مُحَمَّد صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجمَعِینَ بِرَحمَتِکَ یَااَرحَمَ الرَّاحِمِینَ

ناچیز احمد یار خاں اوجھیانوی' بدایونی

مدرس مدرسہ خدام الصوفیہ گجرات پنجاب

# ضمیمہ شان حبیب الرحمن

خیال تھا کہ یہ کتاب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خاص خدام یعنی اولیاء اللہ کے ذکر خیر پر ختم کی جائے کہ خدام کی مدحت سرائی سلطان کی ثنا خوانی ہے۔ علماء و اولیاء کے مناقب بیان کرنا بالواسطہ حضور علیہ السلام کی نعت خوانی ہے' کیوں کہ ان کو یہ مراتب حضور علیہ السلام کی غلامی سے ملے مدینہ طیبہ کے فضائل وہاں کے ذرات کے مناقب وہاں کے کوچہ و بازار کی تعریفیں بلکہ سگان کوئے مصطفےٰ علیہ السلام کی تعریفیں درحقیقت اس سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے جس کی نسبت سے ان سب کو شرف ملا پہلے ایڈیشن میں کاغذ کی کمیابی کی وجہ سے میری یہ تمنا پوری نہ ہوئی اب دوسرے ایڈیشن میں اس مضمون کو بڑھاتا ہوں رب تعالیٰ قبول فرما کر اسے میرے گناہوں کا کفارہ بنائے آمین۔

"اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ" (پارہ ۱۱ سورہ یونس' رکوع ۶)

(سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم' وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں' اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں' یہ ہی بڑی کامیابی ہے۔)

اس آیت کی تفسیر سے پیشتر بطور مقدمہ چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

اولیاء اللہ کی دنیا کو کیا حاجت ہے؟ جیسے عالم اجسام میں بعض جسم محتاج ہیں اور بعض محتاج الیہ بعض فیض لینے والے اور بعض دینے والے' آفتاب اور بارش فیض دینے والے' اور زمین اور یہاں کی ہری بھری کھیتیاں اور باغات فیض لینے والے' اسی طرح عالم روحانیت میں انبیائے کرام اور ان کے ذریعہ سے علماء و مشائخ اور اولیاء اللہ فیض دینے والے اور سارا عالم ان کا حاجت مند مولانا فرماتے ہیں

چو ذاتش ہست محتاج الیہ
زاں سبب فرمود حق صلوا علیہ

جیسے دنیا کو بارش و آفتاب کی ہمیشہ ضرورت ہے اسی طرح علماء و اولیاء کی بھی سخت حاجت ہے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علماء دین کو بارش نبوت کا تالاب فرمایا ہے۔ (مشکوہ کتاب العلم) رحمتیں دینے والا رب، تقسیم کرنے والے حبیب خدا اللہ المعطی وانا قاسم اور اسی تقسیم کا ذریعہ علماء و اولیاء اللہ حدیث پاک میں چالیس ابدال کے متعلق ارشاد ہوا کہ ان کی برکت سے بارش برسے گی اور دشمنوں پر فتح حاصل ہو گی، اور انہی کے طفیل اہل شام سے عذاب دور رہے گا۔ (آخر مشکوہ) علما کے متعلق ارشاد ہوا کہ علماء کی زندگی کی مچھلیاں دعا کرتی ہے۔ (مشکوہ کتاب العلم) اس کی شرح مرقات میں ہے، وہ جانتی ہیں کہ بارش اور دریا کی روانی علماء کے طفیل ہے۔ (۳) رب تعالیٰ تک رسائی حضور علیہ السلام کے ذریعہ اور حضور علیہ السلام تک رسائی علماء و اولیاء اللہ کے ذریعہ سے ہے۔ صحابہ کرام نے سینہ مصطفوی سے نور نبوت بلاواسطہ حاصل کیا، اور بعد والوں نے صحابہ کرام کے سینوں سے ہمارے لئے اولیاء اللہ کے سینے وہ شفاف آئینہ ہیں جن سے چھن کر وہ نور عالم کو منور کر رہا ہے، اسی لئے بیعت کی جاتی ہے کہ کسی شیشہ کے سامنے آ جائیں تاکہ بے نور نہ رہیں (۴) انبیائے کرام خلق کی ظاہری اور باطنی اصلاح کے لئے تشریف لائے سلسلہ نبوت ختم ہونے کے بعد وہ کام دو گروہوں کو سپرد ہوا، ظاہری اصلاح علمائے دین کے ذمہ اور باطنی صفائی اولیاء اللہ کے سپرد، چونکہ حضور علیہ السلام کی نبوت قیامت تک رہے گی، ضروری ہے کہ ان کے سارے کام انجام پاتے رہیں اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں گروہ دنیا میں موجود رہیں، نماز میں جسم پاک کرا دینا، قبلہ رو کھڑا کرنا، اس کے شرائط و ارکان ادا کرا دینا، علماء کا کام ہے۔ مگر نماز میں خلوص، حضور قلب، اس کا ریاء سے پاک ہونا اولیاء اللہ کے ذریعہ گویا شرائط ادا علماء پورے کراتے ہیں اور شرائط قبول اولیاء۔

قرآن اور کعبہ کا دیکھنے والا صحابی نہیں، مگر نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اخلاص

سے دیکھنے والا صحابی ہے' معلوم ہوا کہ اعمال سے زیادہ صحبت اثر کرتی ہے۔

**حکایت:۔** ایک بادشاہ نے چینی اور رومی کاریگروں سے فرمایا کہ تم اپنے اپنے کمالات دکھاؤ' ایک کمرہ ان کے سپرد کیا جس کے بیچ میں پردہ ڈال دیا اور کہا کہ ایک دیوار پر تم اپنا جوہر دکھاؤ اور دوسری پر دوسرے' چینی کاریگروں نے اپنی دیوار پر نقش و نگار کھینچ کر اسے چمن بنا دیا' رومیوں نے اپنی دیوار کو گھوٹ کر مثل آئینہ شفاف کر دیا' دونوں نے فارغ ہو کر سلطان سے کہا کہ آیئے معائنہ کیجئے بادشاہ تشریف لایا اور فرمایا کہ اس پردہ کا سارا جھگڑا ہے' اسی آڑ کو پھاڑو' پھر مقابلہ کر کے دکھاؤ جب پردہ اٹھا اور دونوں دیواریں مقابل ہوئیں تو چینیوں کے نقش و نگار رومیوں کی دیوار میں نظر آنے لگے کیوں کہ وہ شفاف تھی۔

اسی طرح انسان ایک کمرہ ہے اس کی دو دیواریں ہیں قالب اور قلب، علمائے شریعت قالب پر شریعت کے نقش و نگار کھینچتے ہیں، پیران طریقت مراقبے اور چلے کرا کر قلب کی گھٹائی' صفائی کرتے ہیں مگر سانس کا پردہ درمیان میں ہے جب دور حیات ختم ہوا اور ظاہری زندگی کا پردہ چاک ہوا۔ اس وقت قالب کے سارے نقوش انشاء اللہ کھنچے ہوئے اور صاف قلب میں جلوہ گر ہوں گے اسی کا قبر میں امتحان ہے بے دیکھے محبوب کی پہچان کرائی جاتی ہے اگر دل صاف ہے پہچان ہو جائے گی۔

روح نہ ہو مضطرب موت کے انتظار میں
سنتا ہوں مجھ کو دیکھنے آئیں گے وہ مزار میں

(۵) ایمان عالم دین سے ملتا ہے مگر ایمان کی حفاظت اولیاء کے کرم سے ہوتی ہے' اسی لئے اولیاء اللہ علماء کے شاگرد اور علماء اولیاء اللہ سے بیعت ہوتے ہیں۔ یہ دونوں جماعتیں گویا اعمال و ایمان کے دو بازوں ہیں جیسے پرندہ دونوں بازوؤں کے بغیر نہیں اڑ سکتا ایسے ہی ہمارے اعمال ان دو جماعتوں کی مدد کے بغیر بارگاہ رب العالمین تک نہیں پہنچ سکتے' یہ دونوں جماعتیں زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔

(۶) جیسے جسم پر بیماریاں اور لوہے پر زنگ آتی رہتی ہے' اسی طرح دل پر بھی

غفلت کی زنگ چڑھتی رہتی ہے' بیماری اجسام کے لئے اطبائے یونان پیدا ہوئے' اور بیماری دل کے لئے اطباء ایمان' مولانا فرماتے ہیں۔

چند خوانی حکمت یونانیاں
حکمت ایمانیاں راہم بخواں

زنگ آلود لوہے کو بھٹی کی ضرورت ہے اور زنگ آلود دل کے لئے صحبت اولیاء و عبادت و ریاضت درکار' مگر تاثیر میں صحبت اولیاء اللہ تیز تر ہے' تلاوت قرآن پاک سیاہی قلب کو آہستہ آہستہ دور کرتی ہے۔ (مشکوۃ) مگر اللہ والے کی نظر کرم آن کی آن میں کایا پلٹ دیتی ہے' مولانا فرماتے ہیں۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
نگاہ مرد مومن سے پلٹ جاتی ہیں تقدیریں

حکایت:۔ حضور غوث پاک سرکار بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں چور چوری کی نیت سے گھسا۔ مگر کچھ نہ پایا' حضور نے اپنے خادم سے ارشاد فرمایا کہ ہمارے گھر سے چور خالی جا رہا ہے۔ اس میں ہمارے دروازہ کی بدنامی ہے۔ خادم نے عرض کیا کہ کیا دے دیا جائے؟ فرمایا وہ دیا جائے جو دونوں جہان میں اس کے کام آئے ہمیں کیا یاد کرے گا' فلاں جگہ کے قطب کا انتقال ہو گیا ہے اسے وہاں کا قطب بنا کر بھیج دو' دیکھو آیا تھا تو چور تھا اور گیا تو قطب (اے سرکار بغداد ہم چوروں پر بھی نظر کرم ہو جائے)

ایک دفعہ حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ جنگل میں اکیلے جا رہے ہیں قیمتی قبا زیب تن ہے ایک ڈاکو نے بری نیت سے دامن پکڑا کہ قبا اتار لے' عرض کیا مولیٰ! اس نے عبدالقادر کا دامن پکڑا ہے۔ قیامت تک اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹے' حضور خواجہ خواجگان خواجہ بہاؤالدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کمہار کی بھٹی پر گزرے جس میں مٹی کے برتن پک رہے تھے' حضور نے خوب نگاہ فرمائی' نار کو تو نور بنا دیا اور نگاہ کرم سے تمام برتنوں پر اللہ اللہ نقش ہو گیا' کمہار یہ دیکھ کر چیخا کہ

اے شہ نقشبند تو نقشے مرا ببند
نقشے چناں بہ بند کہ گویند نقشبند

(۷) جیسے دنیا میں مسافر کو رہبر کی ضرورت ہے' پردیس میں بغیر رہبر کام نہیں چلتا ایسے ہی مسافر آخرت کے لئے رہبر طریقت کی حاجت' ورنہ ع راہ ہے راہ مار پھرتے ہیں' مولانا فرماتے ہیں۔

پیر رابگزیں کہ بے پیر ایں سفر
ہست بس پر آفت و خوف و خطر
چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو
ہچو موسیٰ زیر حکم خضر رو
گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن
گرچہ طفلے راکشد تو موکن

رب تعالیٰ فرماتا ہے "وابتغوا الیہ الوسیلہ"

(۸) دنیا میں انسان کمانے آیا' ایمان اور اعمال اس کی کمائی ہے' جسے آخرت میں بھیجتا ہے راہ میں نفس و شیطان ڈکیتی کرتے ہیں ضرورت ہے کہ یہ قیمتی سامان کسی کی حفاظت میں جائے' محافظین کی جماعت کا نام ہے اولیاء اللہ بیمہ کمپنی کی ذمہ داری سے مال محفوظ ہو جاتا ہے مشائخ طریقت کی نگاہ کرم سے انشاء اللہ ایمان محفوظ رہے گا۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

دل پہ کندہ ہوا تیرا نام کہ وہ دزد رجیم
الٹے پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا
تو جو للکار دے آتا ہوا الٹا پھر جائے
تو جو چمکار لے ہر پھر کے ہو تیرا تیرا

(۹) نفس کتا ہے' اس کے گلے میں کسی شیخ کا پٹا ڈالو' تاکہ مارا نہ جائے اطاعت ولی نفس کا پٹہ ہے' شجرہ اس کی زنجیر' جس کی پہلی کڑی اس نفس کے گلے میں اور آخری

کڑی مصطفی علیہ السلام کے دست مبارک میں اگر یہ پٹہ اور زنجیر قائم رہا تو انشاء اللہ نفس بہک نہیں سکتا اعلیٰ حضرت نے فرمایا

تجھ سے در در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

(۴) انجن نہیں دیکھتا کہ میرے پیچھے تھرڈ کلاس کا ڈبہ ہے یا سیکنڈ یا انٹر یا مال' وہ تو اپنی طاقت کے مطابق سب کو کھینچ لے جائے گا بشرطیکہ اس سے کڑی مضبوط ملی ہو ر اسلام گویا ریلوے لائن ہے مختلف مسلمان گویا ریل کے مختلف ڈبے' اولیاء اللہ ان کی مضبوط کڑیاں' حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سب کے رہبر اگر یہ سلسلہ حضور علیہ السلام سے ملا ہوا ہے تو ضرور ہم منزل مقصود تک پہنچیں گے' ورنہ نہیں پہنچ سکتے۔

ولایت کے درجات:۔ ولایت کے مختلف درجے ہیں اور بے شمار مراتب' بعض حضرات نشہ عشق میں عقل و دانش کو کھو بیٹھتے ہیں' جنہیں مجذوب کہا جاتا ہے' اس قسم کے حضرات کے اقوال و افعال پر احکام شرعیہ جاری نہیں ہوتے کیوں کہ وہ دائرہ عقل سے بالا پہنچے منصور نے "انا الحق" کہا وہ مومن رہے کیونکہ وہ انانیت فنا کر چکے تھے' فرعون نے "انا ربکم الاعلیٰ" کہا کافر ہوا' کہ وہ خودی میں رہ کر خدا بنا یہ حضرات مظہر صفات الٰہی ہو جاتے ہیں' زبان ان کی ہوتی ہے اور کلام رب کا مولانا فرماتے ہیں۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
چوں روا باشد انا اللہ از درخت
کے روانہ بود کہ گوید نیک بخت

لطیفہ:۔ حضرات صوفیاء فنا فی اللہ ہو کر بحالی جذب "انا اللہ" کہہ سکتے ہیں' مگر

کوئی فنافی الرسول ہو کر "انا محمد" نہیں کہہ سکتا وہ مقام ناز ہے اور یہ مقام نیاز۔

باخدا دیوانہ و با مصطفےٰ ہوشیار بارش

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا

ادب گاہے است زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و با یزید ایں جا

کوئلہ آگ میں گیا اس میں ایسا فنا ہوا کہ آگ کی تاثیر دکھانے لگا' ان دو شعروں کا یہ ہی مطلب ہے۔

بندہ از بندگی خدا گوید
نہ تواند کہ مصطفےٰ گوید
قطرہ در آب رفت آب شود
نہ تو اند کہ در تلب شود

بعض وہ حضرات ہیں جو

ادھر اللہ سے واصل ادھر دنیا میں شاغل

ولایت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر بھی عقل و خرد پر ہاتھ سے نہیں دیتے انہیں سالک کہا جاتا ہے' خیال رہے کہ حضرات انبیاء علیہ السلام مظہر صفات الٰہی اور حضرات اولیاء اللہ مظہر انبیاء صفات الٰہی مختلف تو انبیاء کرام کے حالات مختلف اسی لئے صوفیائے کرام کی شانیں مختلف ولایت عیسوی رکھنے والے تارک الدنیا ہوتے ہیں' ولایت سلیمانی والے صاحب تخت و تاج' ولایت نوحی والے مظہر جلال اور ولایت ابراہیمی والے مظہر جمال' اور ولایت مصطفیٰ علیہ السلام رکھنے والے جامع صفات اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مجذوبین بر قدم موسیٰ ہیں علیہ السلام "فخر موسیٰ صعقا" کہ ایک جھلک دیکھ کر عقل و خرد کھو بیٹھے ہیں' اور سالکین برقدم مصطفےٰ علیہ السلام ہر

موسیٰ زہوش رفت بیک پر تو صفات
تو عین ذات مے نگری در تبسمے

حضور غوث پاک کے اس شعر کا یہ ہی مطلب ہے۔

وَ کُلِّ وَلی لَه قَدَمٌ وَ اِنّی
عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدرِ الکَمَالِی

حضور علیہ السلام نے جنگ بدر کے موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تمہاری مثال ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا کہ تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی سی یہ حدیث اس تقسیم والایت لی اصل ہے۔

ولی کی پہچان۔ حقیقت یہ ہے کہ ولی اللہ کی پہچان بہت مشکل ہے' بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء رحمت الٰہی کی دلہن ہیں۔ جہاں تک سوائے اس کے محرم کے کسی کی رسائی نہیں' اسی لئے کہا گیا ولی راہ ولی مے شناسد شیخ ابوالعباس فرماتے ہیں کہ خدا کا پہچاننا آسان ہے' مگر ولی کی پہچان مشکل' کیوں کہ رب اپنی ذات و صفات میں مخلوق سے اعلیٰ و بالا ہے' اور ہر مخلوق اس پر گواہ مگر ولی شکل و صورت اعمال و افعال میں بالکل ہماری طرح (روح البیان یہ ہی آیت) شریعت میں اظہار ہے اور طریقت میں اخفاء مکان کی زینت دروازہ پر رکھی جاتی ہے اور موتی کوٹھری میں' مولانا فرماتے ہیں۔

بر ہانش قفل در دل رازہا
لب خموش و دل پر از آواز ہا

بعض اولیاء اللہ جو کچھ اپنے مراتب بیان کر جاتے ہیں' وہ ان کے جوش لی بے اختیاری آواز ہوتی ہے۔ "اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثلُکُم" اس درجہ کی آواز تھی اور "ایکم مثلی" میں شریعت کی جلوہ گری۔

لباس آدمی پہنا جہاں نے آدمی جانا
مزمل بن کے آئے تھے تجلی بن کے نکلیں گے
نہ حلیمہ بھید کھلا ہے یہ نہ مقام چون و چرا ہے یہ

تو خدا سے پوچھ وہ کون تھے تری بکریاں جو چرا گئے

مشکوہ باب فضل الفقراء میں ہے کہ میری امت میں بہت سے پراگندہ حال بکھرے ہوئے بال والے جنہیں لوگ اپنے دروازوں سے ہٹا دیں' اگر خدا پر قسم کھالیں' تو ان کی قسم پوری فرمائی جائے۔

خاکساران جہاں رابحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں دسوارے باشد

لوگوں نے ولی کی علامتیں اپنی طرف سے مقرر کر لی ہیں۔ بعض نے کہا کہ جو کرامتیں دکھائے' مگر یہ غلط ہے اس لئے کہ عجائبات چار قسم کے ہیں' معجزہ' ارحاص' کرامت' استدراج معجزہ وہ عجیب و غریب کام ہے جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر تصدیق دعوی کے لئے صادر ہو' جیسے عصا کلیم اور دم عیسی علیہما السلام' ارحاص وہ عجائبات جو نبی کے ہاتھ پر دعوی کے لئے صادر ظاہر ہوں' جیسے حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے گھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برکات' کرامت وہ عجائبات ہیں اور نبی کے امتی کے ہاتھ پر ظاہر ہوں' جیسے حضور غوث پاک یا حضرت سلطان الہند خواجہ اجمیری' حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہم کے کرامات' استدراج وہ عجائبات جو کافر کے ہاتھ پر ظاہر ہوں' بہت سے عجائبات شیطان کر دکھاتا ہے' سنیاسی جوگی صدہا کرتب کر لیتے ہیں دجال تو غضب ہی کرے گا' مردوں کو جلائے گا' بارش برسائے گا' اگر عجائبات پہ ولایت کا مدار ہو تو شیطان اور دجال بھی ولی ہونے چاہئیں' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ہوا میں اڑنا ولایت ہے تو شیطان بڑا ولی ہونا چاہئے۔

بعض نے کہا کہ ولی وہ جو تارک الدنیا ہو' گھر بار نہ رکھتا ہو' لوگ کہا کرتے ہیں وہ ولی کیا جو رکھے پیسہ مگر یہ بھی دھوکا ہے' حضرت سلیمان علیہ السلام' حضرت عثمان غنی' حضور غوث الثقلین' امام ابو حنیفہ' مولانا روم رضی اللہ عنہم اجمعین بڑے مالدار تھے' کیا یہ ولی نہ تھے؟ یہ تو ولی گر تھے' اور بہت سے سنیاسی کفار تارک الدنیا ہیں کیا وہ ولی ہیں ہرگز نہیں۔

بعض نے سمجھا کہ ولی وہ جو بے عقل ہو' فی زمانہ لوگ ہر پاگل و دیوانہ کو ولی سمجھ لیتے ہیں' یہ بھی غلط ہے' ہم پہلے عرض کر چکے کہ مجذوب سے سالک افضل ہے کہ مجذوب بے فیض ہے اور سالک فیض رساں' مجذوب کمزور ہے کہ ایک جھلک کی تاب نہ لاسکا' اور سالک قوی' صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔

تو سنسار میں اولیاء ہو رہ جوں مرغابی ساگر میں
راہ پہ اپنے ایسی جانا جوں چتاری گاگو میں

دیکھو مرغابی دریا میں تو تیرنے والی ہے اور ہوا میں پرندہ' عورتیں جب پانی بھر کے لاتی ہیں تو ایک گھڑا سر پر اور دو گھڑے بغلوں میں پھر بھی اپنی سہیلیوں سے باتیں کرتی' راستہ کو دیکھتی بے کھٹک چلی جاتی ہیں' کامل وہ ہے جس کے سر پر شریعت ہو' بغلوں میں طریقت' سامنے دنیوی تعلقات ان سب کو سنبھالے راہ خدا طے کرتا چلا جائے' مسجد میں نمازی ہو' میدان میں غازی' کچہری میں قاضی' اور گھر میں پکا دنیادار اور غرضیکہ مسجد میں آئے تو ملائکہ مقربین کا نمونہ بن جائے اور بازار میں جائے تو ملائکہ مدبرات امر کے سے کام کرے۔

بعض بے ہودے دعویٰ ولایت کریں مگر نہ نماز پڑھیں' نہ روزے کے پاس جائیں اور شیخی ماریں کہ ہم کعبہ میں نماز پڑھتے ہیں' سبحان اللہ! نماز تو کعبہ میں پڑھیں اور روٹی و نذرانے مرید کے گھر سے لیں' یہ پورے شیاطین ہیں جب تک ہوش و حواس قائم ہیں تب تک احکام شرعیہ معاف نہیں ہو سکتے' انہیں لوگوں کے متعلق ہے۔

کار شیطاں می کند نامش ولی
گر ولی ایں است لعنت بردلی

**ولی کی صحیح پہچان:۔** ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ کے مرتبے مختلف ہیں اور یہ حضرات مختلف انبیاء کے مظہر اسی لئے ان کی شانیں جداگانہ ہیں' سب میں ایک علامت تلاش کرنا غلطی ہے' ایک حکومت کے مختلف محکمہ ہیں ہر محکمہ کی وردی' پگڑی علیحدہ' پولیس کی وردی اور فوج کی کچھ اور ریلوے کی دوسری سب میں ایک ہی

تلاش کرتے ہو' قرآن و حدیث میں ان حضرات کی مختلف علامتیں ارشاد ہوئیں سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ولی وہ جسے دیکھ کر خدا یاد آجائے۔ (تفسیر خازن) بعض اولیاء جس جگہ بیٹھ جاتے ہیں وہاں کے جانور بلکہ درودیوار بھی ذاکر ہو جاتے ہیں۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' کہ ولی وہ ہے جس کا چہرہ زرد' آنکھیں تر اور پیٹ بھوکا ہو (روح البیان)

عاشقاں راشش نشاں است اے پسر
آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر
گر ترا پرسند سہ دیگر کدام
کم خور و کم گفتن و خفتن حرام

(۳) بعض اولیاء فرماتے ہیں کہ ولی کی پہچان یہ ہے کہ دنیا سے بے پرواہ ہو' اور فکر مولیٰ میں مشغول ہو۔ بعض نے فرمایا کہ ولی وہ ہے جو فرائض ادا کرے' رب کی اطاعت میں مشغول رہے اس کا دل نور جلال الٰہی کی معرفت میں غرق ہو' جب دیکھے دلائل قدرت دیکھے' جب سنے تو اللہ کی باتیں سنے' جب بولے تو اپنے رب کی ثناء کے ساتھ بولے اور جو حرکت کرے اطاعت الٰہی میں کرے اللہ کے ذکر سے نہ تھکے۔ (خزائن العرفان)

(۴) متکلمین فرماتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو سچے اعتقاد رکھے' اعمال مطابق شریعت کے کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ولی وہ جو اللہ کے لئے محبت و عداوت رکھے' قرآن کریم نے ان کی مختلف پہچانیں بتائیں۔ سورہ فتح کے آخر میں ارشاد ہوا" والذین معه اشداء علی الکفار"الایہ یعنی ہمارے نبی کے ساتھی (اولیاء) وہ ہیں جن میں یہ علامتیں ہیں' کفار پر سخت' مسلمان بھائی پر نرم' رکوع سجدہ میں رہنے والے خدا کے فضل و رضا کے جویاں' اور ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے داغ۔ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ولی وہ جو ایمان لائیں اور پرہیز گار ہوں کہیں فرمایا کہ ولی وہ جو نمازیں پڑھیں اور زکوۃ دیں' اگر ان سب میں غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ' عبارتیں مختلف

ہیں' مگر مضمون سب کا قریباً" یکساں' کیونکہ ہر ایک عبارت میں ولی کی ایک ایک صفت بیان کر دی گئی ہے جس کو قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے اس میں یہ ساری صفتیں پائی جاتی ہیں۔

ان علامات سے پتہ چلا کہ ولی کے لئے ایمان و پرہیزگاری سخت ضروری ہیں' لہٰذا کوئی بد مذہب ہندو' عیسائی' قادیانی' رافضی' دیوبندی' وہابی' کتنی ہی عبادت کریں ولی نہیں بن سکتے' کیوں کہ ان کے پاس ایمان ہی نہیں' غور کر لو کہ سوائے اہل سنت و جماعت کے کسی فرقہ میں اولیاء نہیں ہوئے' اجمیر' دہلی' پاکپتن شریف' بغداد شریف سب جگہ اہل سنت کا ہی ظہور ہے۔' دیوبندیوں' رافضیوں وغیرہ کی کہیں کوئی گدی نہیں' چشتی قادری' نقشبندی' سہروردی سنی ہی ہیں کیا دیوبند' ایران' قادیان بجد میں بھی کسی کا عرس ہوتا ہے؟ یہاں سے بھی کیا روحانی فیض جاری ہیں؟ ہرگز نہیں! نیز بد عمل' فاسق' فاجر' خواہ ہوا میں اڑے مگر ولی نہیں' جب تک ہوش قائم ہے شریعت کی پیروی واجب گویا شریعت طریقت کی کسوٹی ہے یا طریقت سمندر ہے۔ اور شریعت اس کی کشتی۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفٰے

اولیاء اللہ کے درجات:۔ اولیاء اللہ کے درجے بے انتہا ہیں جن میں سے بعض کسب سے حاصل ہوتے ہیں جیسے ایمان و پرہیزگاری وغیرہ اور بعض محض رب سے' جیسے عرفان' قرب خاص' مقبولیت اور فنا حدیث میں ارشاد ہوا کہ میرے صحابی کا ایک مد جو خیرات کرنا دوسروں کے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ (مشکوٰہ باب فضائل صحابہ) بات یہ ہی ہے کہ مقبولیت خاص فضل رب ہے کوئی غوث و قطب صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے' ولایت کی تین صورتیں ہیں' فطری' وہبی' کسبی' جو لوگ مادر زاد ولی ہوں وہ ولایت فطری پر ہیں' جیسے حضور غوث پاک اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہما چنانچہ حضور غوث الثقلین نے کبھی رمضان کے دن میں والدہ کا دودھ نہ

پیا' آپ کا دودھ پینا یا نہ پینا چاند ہو جانے یا نہ ہو جانے کی علامت ہوتی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی اپنی والدہ کی عصمت اور اپنی نبوت کی گواہی دی۔ معلوم ہوا کہ مادر زاد ولی ہیں۔ کیوں کہ ہر نبی ولی ضرور ہوتے ہیں۔ یہ ولایت فطری ہوئی' ولایت وہبی وہ جو کسی اللہ والے کی نظر کرم سے حاصل ہو' ہم پہلے عرض کر چکے کہ حضور غوث پاک نے چوروں کو قطب بنا دیا یہ ولایت وہبی ہے۔

جو جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے آئے وہ میدان مقابلہ میں آتے وقت کفروفسق و فجور میں مبتلا تھے' مگر موسیٰ علیہ السلام کی نگاہ فیض سے وہ آن کی آن میں مومن صحابی صابر شہید ہو گئے' کیمیا تانبہ کو سونا بنا دیتی ہے' مگر موسیٰ علیہ السلام کی نظر نے ان خاکساروں کو کیمیا بنا دیا' یہ ولایت وہبی ہوئی' بلکہ ہارون علیہ السلام کی نبوت بھی وہبی ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ملی ولایت کسبی وہ جو اپنی محنت اور عبادات وغیرہ سے حاصل ہو مگر ولایت کسبی سے ولایت وہبی یا فطری اعلیٰ ہے جیسے چراغ اور گیس سے چاند' سورج افضل کہ ان میں بندے کے فعل کو دخل نہیں اور چراغ وغیرہ میں بندے کے کسب کو دخل ہے۔

مشکوٰۃ شریف باب ذکر الیمن والشام میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا شام میں ہمیشہ چالیس ابدال رہیں گے جن کی برکت سے زمین والوں پر بارشیں ہوں گی۔ اس کی شرح مرقاۃ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ہمیشہ تین سو اولیاء حضرت آدم کے نقش قدم پر رہیں گے اور چالیس موسیٰ علیہ السلام کے اور سات ابراہیم علیہ السلام کے قدم پر ہوں گے اور پانچ وہ رہیں گے جن کا قلب حضرت جبرائیل کی طرح ہو گا' اور تین حضرت میکائیل کے قلب پر اور ایک حضرت اسرافیل کے قلب پر رہے گا' جب اس ایک کا انتقال ہو گا تو ان تین میں سے کوئی اس جگہ قائم ہو گا' اور ان تین کی کمی ان پانچ میں سے اور پانچ کی کمی سات میں سے اور سات کی کمی چالیس میں سے اور چالیس کی کمی تین سو سے پوری کی جائے گی اور تین سو کی کمی عام مسلمانوں سے پوری کر دی جاتی ہے۔

ابو عثمان مغربی فرماتے ہیں ابدال چالیس ہیں اور امناء سات خلفاء تین' قطب عالم ایک' اس ایک قطب عالم کو سوائے ان تین خلفاء کے کوئی نہیں پہچانتا' حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قطب سے مرکز عالم قائم ہے' اس کے دو وزیر ہوتے ہیں داہنا اور بایاں' داہنا وزیر عالم ارواح کی اور بایاں عالم اجسام کی حفاظت کرتا ہے ان کے ماتحت چار اوتاد ہیں جو مشرق و مغرب جنوب و شمال کے محافظ ہیں اور سات ابدال اقالیم سبع (سات ولایتوں کے محافظ) روح سورہ مائدہ پارہ چھ آیت "وبعثنا منهم اثنی عشر نقیبا" اس جگہ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ قطب کی وفات کے بعد اس کا بایاں وزیر اس کے قائم مقام ہوتا ہے اور داہنا بایاں بن جاتا ہے' اور نیچے سے کسی کو ترقی دے کر داہنا وزیر بنا دیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں داہنا بایاں سے افضل ہے' یہی صوفیانہ نکتہ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔" فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ وَاَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ "صوفیائے کرام کے نزدیک یہ دونوں مانافیہ ہیں بایاں وزیر جلالی اور اہل فنا میں سے ہے اور داہنا وزیر جمالی اور اہل بقا میں سے (روح البیان)

یہ تعداد ان اولیاء اللہ کی بیان ہوئی جو اہل خدمت ہیں جنہیں تکوینی ولی کہتے ہیں جن کے ذمہ دنیوی انتظام ہیں' باقی دیگر اولیاء اللہ شمار سے باہر ہیں' سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جہاں چالیس متقی مسلمان جمع ہوں ان میں کوئی ولی ضرور ہوتا ہے' اسی لئے جنازہ میں چالیس مسلمانوں کی شرکت کی کوشش کی جاتی ہے' انہیں تشریعی ولی کہتے ہیں' ان میں سے بعض ولی خود اپنی ولایت سے بے خبر ہوتے ہیں۔

**اولیاء اللہ کے فضائل:۔** اولیاء اللہ کے بے شمار فضائل ہیں' ان میں کچھ عرض کئے جاتے ہیں۔ (۱) آسمان کا قیام چاند تاروں سے ہے اور زمین کی بقاء اولیاء اللہ سے (۲) ظاہری نور چاند سورج سے ہے۔ اور باطنی نور اولیاء اللہ سے (۳) قرآن کریم نے ان کے بڑے فضائل بیان کئے کہیں فرمایا کہ کشتگان خنجر حق کو مردہ نہ کہو' کہیں

فرمایا کہ انہیں مردہ نہ جانو یہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں' انہیں برابر رزق ملتا ہے کہیں فرمایا کہ انہیں خوف نہیں کہیں فرمایا کہ انہیں غم نہیں کہیں فرمایا کہ دنیا میں ان کے لئے بشارتیں ہیں(۴) جیسے کشتی بغیر ملاح نہیں چل سکتی ایسے ہی حیات کی کشتی کا بغیر اولیاء اللہ منزل مقصود تک پہنچنا مشکل ہے۔(۵) جیسے اعضاء بدن کے درمیان رگوں کے ذریعہ رشتہ قائم ہے' اگر یہ بیچ میں نہ ہوں تو ان سب میں بے تعلقی ہو جائے ایسے ہی اولیاء اللہ کے ذریعہ نبی اور امت کے درمیان تعلق قائم ہے' اگر یہ حضرات نہ ہوں تو امت اپنے پیغمبر سے بے تعلق رہ جائے۔(۶) اولیاء اللہ حضور علیہ السلام کا زندہ معجزہ ہیں۔ ان کے کمالات سے کمل مصطفیٰ علیہ السلام کا پتہ لگتا ہے کہ جب اس شہنشاہ کے غلاموں میں یہ قدرت و قوت ہے تو اس سلطان کونین میں کیا طاقت ہو گی؟

مصطفےٰ تیری شوکت پہ لاکھوں سلام

(۷) بجلی پاور ہاؤس میں بنتی ہے مگر تار کھمبوں کے ذریعہ شہروں' قصبوں اور دیہاتوں تک پہنچ جاتی ہے' پھر مختلف قمقموں سے مختلف روشنیاں حاصل کی جاتی ہیں' اسی بجلی سے مشینیں چلتی ہیں اور بڑے بڑے کام لئے جاتے ہیں' ایسے ہی مدینہ منورہ ایمانی پاور ہاؤس ہے۔ جہاں ایمانی بجلی تیار ہوتی ہے اور چاروں سلسلے چشتی' قادری' نقشبندی' سہروردی' وغیرہ اس بجلی کے تار' ہر سلسلہ کے مشائخ اس تار کے کھمبے اور اولیاء اللہ رنگ برنگے مختلف قمقمے' چشتیوں' قادریوں' نقشبندیوں اور سہروردیوں میں ایک ہی بجلی کی رو ہے' مگر ان کا اختلاف طریق مختلف قمقموں کی وجہ سے ہے' پھر ان میں کوئی تیز پاور والا ہے کوئی ہلکا ہے' کوئی جمالی' جیسے بجلی کا کھمبا اکھیڑنے والا یا تار کاٹنے والا حکومت کا مجرم ہے ایسے ہی اولیاء اللہ کا مخالف حکومت الیہ کا باغی

(۸) جنگل میں پڑے ہوئے ہلکے پتہ کو ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں لیکن اگر وہ کسی پتھر وغیرہ بھاری چیز کے نیچے آجائے تو ہواؤں سے محفوظ ہو جاتا ہے' ایسے ہی دنیا کو سنسان جنگل ہے اور انسان کا دل ہلکا پتہ' یہاں کے مصائب و آلام اور بری صحبتیں' مختلف ہوائیں ہمارے دلوں کا کوئی اعتبار نہیں کہ انہیں کون سی ہوا اپنی جگہ سے ہٹا دے اور

کون سی موج بہا لے جائے ضروری ہے کہ اس کو کسی ولی کے قبضہ میں رکھا جائے گویا اولیاء اللہ انسانی قلوب کے لئے سنگ استقامت ہیں' اعلیٰ حضرت نے خوب فرمایا

دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

(۹) جیسے زمین کا اقرار پہاڑوں سے ہے کہ اگر اس پر پہاڑوں کی میخیں نہ ہوتیں تو تھراتی ایسے ہی عالم کا قرار اولیاء اللہ سے ہے' یہ حضرات عالم کی میخیں ہیں اس لئے ان اولیاء اللہ کی ایک جماعت کو اوتاد یعنی عالم کی میخیں کہا جاتا ہے۔ (۱۰) عالم کی تمام چیزیں مرتے ہی ساتھ چھوڑ دیتی ہیں مگر اولیاء اللہ کا تعلق یہاں اور قبر و حشر میں کام آتا ہے۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ قیامت میں لوگوں کو ان مشائخ سلسلہ کی نسبت سے پکارا جائے گا رب فرماتا ہے "یَوْمَ نَدْعُوا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ" ہم اس دن ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ پکاریں گے مثلاً" کہا جائے گا کہ اے قادریو' اے چشتیو' اے نقشبندیو' اے سہروردیو! چلو یا اے حنفیو! اے شافیعو! وغیرہ چلو! دنیا میں جس کا پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے' اسے کہا جائے گا اے شیطانو! آؤ (روح البیان و شرح قصیدہ خرپوتی) ایسے ہی قیامت میں مختلف جھنڈے مختلف اماموں کے ہاتھ میں ہوں گے اور ہر گروہ اپنے امام کے جھنڈے میں ہو گا صبر کا جھنڈا امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ میں ہو گا' صابرین اس کے نیچے۔ سخاوت کا جھنڈا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں میں وہاں شاکرین کا مجمع ان کے ساتھ شجاعت کا جھنڈا' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ وہاں بہادروں غازیوں کا مجمع ان کے ساتھ ساتھ وغیرہ وغیرہ غرضیکہ قیامت کا دن بہت لطف کا دن ہو گا' اللہ ایمان پر خاتمہ نصیب کرے آمین۔

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا
کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

اولیاء اللہ حضور علیہ السلام کا زندہ معجزہ ہیں اور اسلام کی حقانیت کی دلیل۔ اسلام کے ۷۲ فرقے ہیں سوائے اہل سنت کے کسی فرقہ میں ولی نہیں' کوئی قادیانی' دیوبندی'

وہابی' شیعہ' ولی نہیں کیونکہ وہ سب فرقے باطل ہیں دیکھو دین موسوی جب تک منسوخ نہ ہوا تھا۔ ان میں بہت سے لولیاء رہے' اصحاب کہف' آصف ابن برخیا' حضرت مریم اسی دین کے اولیاء ہیں مگر جب سے یہ دین منسوخ ہوا تب سے کوئی یہودی اسرائیلی ولی نہیں ہوا۔ کسی فرقہ میں علماء کا ہونا اس کی حقانیت کی دلیل نہیں' مگر اولیاء اللہ کا ہونا دلیل حقانیت ہے کیونکہ عالم سن کر کہتا ہے ولی دیکھ کر

اس آیت کی تفسیر:۔ یہ سب کچھ بطور مقدمہ عرض کیا گیا۔ اب آیت کی تفسیر پڑھو اور اپنے ایمان تازہ کرو "الا ان اولیاء اللّٰہ" جس مضمون کے انکار کا احتمال ہو وہاں عربی میں "الا یا ان یا ھا" وغیرہ حروف تنبیہ لائے جاتے ہیں' چونکہ سب کو علم تھا کہ اولیاء اللہ کے فضائل و کمالات ان کے مراتب و درجات' ان کی قدرت و اختیارات' ان کے مناقب کے بہت سے منکر پیدا ہونے والے ہیں۔ لہذا اس مضمون کو دو حروف تاکید سے شروع فرمایا۔ الا" ان خبردار بے شک تحقیق اولیاء ولی کی جمع ہے' ولی کے چند معنی ہیں قریب' دوست' ناصر و مددگار' ولی جس جگہ والی ۔بمعنی قریب ہے یا ۔بمعنی ناصر یا ۔بمعنی دوست یعنی اللہ سے قرب رکھنے والے رب کے دوست یا اللہ کے دین کے مددگار' اللہ کے دوست اولیاء اللہ کہلاتے ہیں' جنہیں رب نے منتخب فرمایا اور شیطان کے دوست جنہیں شیاطین یا ہمارے نفوس نے منتخب کیا وہ اولیاء الشیاطین یا اولیاء من دون اللہ یا حزب الشیاطین کہلاتے ہیں۔ قرآن کریم نے اولیاء من دون اللہ کی سخت مذمت فرمائی اور ان کے ماننے والوں کو کافر بتایا اور اولیاء اللہ کے مناقب بیان کئے یہ آیت اولیاء اللہ کے مناقب و محامد کی ہے۔ اسی لئے فرمایا اولیاء اللہ تاکہ اولیاء شیاطین نکل جائیں "لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون" آئندہ نقصان کے خطرے کو خوف اور گزشتہ نقصان کے رنج کو غم کہا جاتا ہے' یعنی اولیاء اللہ کو نہ آئندہ کا خوف ہے اور نہ گزشتہ کا غم' وہ حضرات ان دونوں مصیبتوں سے دور ہیں' بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ بے خوف کیسے ہو سکتے ہیں خوب تو ایمان میں داخل ہے' ایمان خوف و امید پر موقوف ہے رب کا خوف قیامت کا ڈر خرابی خاتمہ کا اندیشہ

سب کو ہے۔

حکایت:۔ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں فرمایا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے ایک تیلن پوچھا کرتی تھی کہ آپ کی داڑھی اچھی ہے یا میرے بیل کی دم' تو آپ فرماتے ہیں کہ مائی اگر میرا خاتمہ بالخیر ہو گیا' تو میری داڑھی تیری بیل کی دم سے بدرجہا اچھی' اور اگر بوقت موت ایمان سے پھسل گیا تو تیرے بیل کی دم میری داڑھی سے کہیں بڑھ کر اچھی کہ پھر جہنم میرے لئے ہے نہ کہ تیرے بیل کے لئے۔ دیکھو حضرت بایزید بسطامی سلطان العارفین ہیں۔ مگر انہیں اتنا ڈر ہے' پھر یہ آیت کے کیا معنی؟

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ خوف دو طرح کا ہے مضر اور مفید یہاں نقصان دہ خوف کی نفی ہے نہ کہ فائدہ مند خوف کی' اسی لئے "علیھم" ارشاد ہوا نہ کہ "لھم علی" نقصان کے لئے آتا ہے' نیز اکثر خوف الٰہی کو خشیت کہا جاتا ہے "لرء یته خاشعا متصدعا من خشیه اللّٰه" یا جیسے "انما یخشی اللّٰه من عباده العلماء" مضر خوف وہ جو رب سے غافل کر دے' اگر کوئی سردی کے خوف یا بنیادی نقصان کے ڈر سے نماز ادا نہ کرے یا مسجد میں نہ جائے یا روزہ' زکوۃ' حج وغیرہ سے دور رہے۔ ملازمت کے خوف سے داڑھی نہ رکھائے یہ نقصان دہ خوف ہے' اسی کی یہاں نفی ہے۔ یعنی اولیاء اللہ پر ان چیزوں کا خوف طاری نہیں ہوتا' وہ کس سے ڈریں تمام چیزیں تو ان سے ڈرتی ہیں' حضرات اولیاء شیر پر سوای کریں ان کے نام سے جن و شیاطین بھاگیں' حضرت سفینہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے شیر نے انہیں راستہ بتایا اور ان کے آگے فرماں بردار کتے کی طرح دم ہلاتا ہوا چلا' جب عالم کی سب چیزیں ان سے کانپیں تو ان پر کس کا خوف ہو' وہ حضرات کلمہ حق فرمانے میں کسی سے نہیں ڈرتے' حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے اکبر کے خود ساختہ دین الٰہی کو پاش پاش فرما دیا' انہوں نے بادشاہ وقت سے خوف نہ کیا' بلکہ آخر کار سب ان کے مطیع ہوئے اور نہ وہ دنیا میں ایسے کام کریں جس

سے آخر کار انہیں غم و حسرت ہو کیوں کہ ان کے اوقات یاد الٰہی میں گھرے رہتے ہیں۔ انہیں لہو و لعب یا ناجائز باتوں کے لئے وقت ہی نہیں ملتا پھر انہیں' غم و الم کیسا؟ دوسرے یہ کہ یہ آیت کریمہ قیامت کے متعلق ہے یعنی اس دن سب کو آئندہ حساب کتاب کا کھٹکا' پل صراط 'جہنم غضب الٰہی کا خوف ہو گا اور اپنی گزشتہ برباد شدہ زندگی کا غم و ندامت مگر اولیاء اللہ ان دونوں سے آزاد' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یہاں اولیاء اللہ فرمایا گیا نہ کہ انبیاء اللہ کیوں کہ اس دن سوائے اولیاء اللہ سب ہی کو خوف ہو گا' عام مسلمانوں کو بھی اور انبیائے کرام کو بھی۔ سب کو اپنی اپنی جان کا اور انبیاء کرام کو جہان کا' ان کی امت سے جو جہنم میں پہنچے ان کا غم اور باقی امتیوں پر خوف اسی لئے اس دن وہ حضرات صراط پر "رب سلم سلم" فرمائیں گے مگر اولیاء اللہ کو نہ اپنا خوف و غم نہ دوسروں کا کہ یہ حضرات شفاعت کے ذمہ دار نہیں (تفسیر روح البیان یہ ہی آیت) حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ قیامت کے دن میری امت کے اولیاء پر انبیاء کرام رشک کریں گے اس کا بھی یہ ہی مطلب ہے جیسے بادشاہ اپنی ذمہ دارانہ زندگی میں کسی آزاد غریب کی زندگی پر رشک کرے کہ اس کی کیسی آزاد زندگانی ہے۔ ایسے ہی انبیاء کا رشک ہو گا' نیز ان حضرات کو اپنے حساب کا بھی خوف نہیں کیوں کہ قیامت میں ہم لوگ تو حساب دینے جائیں گے۔ اور یہ رب سے اپنا حساب لینے جب امین مالک کی امانت سے زیادہ مالک کے کام میں خرچ کر چکا ہو تو وہ اس سے حساب لیتا ہے اور اگر برابر یا کم خرچ کیا ہو تو وہ مالک کو حساب دیتا ہے جن پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ پانچ نمازیں وغیرہ فرض تھیں اور انہوں نے اسی قدر یا اس سے کم ادا کیں وہ تو رب تعالیٰ کو حساب دیں گے مگر جن صدیق و فاروق اور ان کے متبعین نے اپنا سب کچھ راہ مولیٰ ہی میں لٹا دیا اور زندگی کا ہر شعبہ اس کی اطاعت میں وقف کر دیا وہ اپنا حساب لیں گے' ان کے لئے حساب کا دن بڑی خوشی کا دن ہو گا اس لئے ارشاد ہوا

"لَاخَوفٌ عَلَيهِم وَلَا هُم يَحزَنُونَ" وہ حضرات دامن مصطفیٰ علیہ السلام میں ایسے آرام سے سوئیں گے کہ فتنہ ہائے قیامت کی بالکل خبر نہ ہو گی۔

ڈھونڈا ہی کریں صدر قیامت کے سپاہی
وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہو

مگر حضور علیہ السلام کو تمام عالم کے حساب کی فکر' ایک دفعہ حضرت صدیقہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ حضور قیامت میں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کہاں تلاش کیا جائے؟ فرمایا میزان پر یا صراط پر یا کوثر پر کبھی سجدے میں رو رو کر شفاعت فر رہے ہیں کبھی صراط پر گرتوں کو سنبھال رہے ہیں' کبھی گنہگاروں کے ہلکے پلے بھاری فرما رہے ہیں' کوئی دامن پکڑ کر مچل گیا ہے' کوئی بے کس پکار رہا ہے کہ حضور ادھر آیئے ورنہ میں چلا کوئی ان کا منہ تک رہا ہے' کسی کو فرشتے جہنم میں لے چلے ہیں وہ ان کا راستہ پھر پھر کے دیکھ رہا ہے غرضیکہ ایک جان ہے اور فکر جہان "اللھم صلی الله سیدنا محمد وعلی اله واصحابه وبارک وسلم"

مولانا حسن رضا خاں صاحب نے قیامت کا نقشہ یوں کھینچا۔

کوئی قریب ترازو کوئی لب کوثر
کوئی صراط پہ ان کو پکارتا ہوگا
کسی کے پلہ پہ ہوئیں گے وقت وزن عمل
کوئی امید سے منہ ان کا تک رہا ہوگا
کسی طرف سے صدا آئے گی حضور آؤ
نہیں تو دم میں غریبوں کا فیصلہ ہو گا
کسی کو لے کے چلیں گے فرشتے سوئے جہیم
تو کوئی راستہ پھر پھر کے دیکھتا ہو گا
عزیز بچہ کو ماں جس طرح تلاش کرے
خدا گواہ ہے یہ ہی حال آپ کا ہو گا

یہ تو قیامت کا حال ہے دنیا میں کرم کا یہ حال کہ سب گنہگار رات بھر سوتے ہیں اور وہ گنہگاروں کے لئے رات بھر روتے ہیں۔ ایک ایک رکعت میں یہ پڑھتے پڑھتے سویرا کر

دیتے ہیں۔ "فانھم عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم" (اے مولیٰ اگر میرے گنہگاران امت کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اگر انہیں بخش دے تو تو عزیز و حکیم ہے) قیامت میں ہمارے ماں باپ قرابت دار اپنی اپنی فکر میں، مگر ہمارے والی امت کے رکھوالی جن پر سارے جہاں کے ماں باپ فدا وہ امت کی فکر میں اولیاء اللہ گنہگاروں کو اس کی بارگاہ تک پہنچا کر بے فکر ہو گئے۔ اس لئے ارشاد ہوا "اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ"

"الذین امنوا وکانوا یتقون" اس جملہ میں ولی کی دو پہچانیں بیان ہوئیں، یعنی وہ سچے مومن بھی ہوتے ہیں اور پرہیزگار بھی ایمان اور تقویٰ کے تین درجے ہیں اسی لئے ولایت کے تین درجے ولایت عوام، ولایت خواص، ولایت اخص الخاص ایمان کی حقیقت ہے، حضور علیہ السلام کو کما حقہ یقین سے ماننا، اس میں ساری باتیں آگئیں، جس نے حضور علیہ السلام کو صحیح طور پر سے مان لیا اس نے رب کو قرآن کو، قیامت و جنت و دوزخ سب کو ہی مان لیا یقین کے تین درجے ہیں علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، سن کر یقین علم الیقین ہے، دیکھ کر عین الیقین اور اس میں فنا ہو کر حق الیقین کسی نے سن کر یقین کیا کہ آگ گرم ہے کبھی اسے دیکھا نہیں اس کا یقین علم الیقین، دوسرا آگ کے پاس بیٹھا ہوا اس کی گرمی محسوس کرتے ہوئے اس کا یقین کر رہا ہے۔ اس کا یقین عین الیقین ہوا۔ پہلا یقین تو ہر مسلمان کو ہے کہ اس پر ایمان کا دارومدار ہے اور یہ ایمان کا پہلا درجہ ہے۔ دوسرا یقین خاص حضرات کو یہ ہی یقین حاصل کرنے کے لئے حضرت خلیل نے بارگاہ رب جلیل میں عرض کیا تھا "رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی" تیسری قسم کا یقین فنافی اللہ یا فنافی الرسول کو حاصل ہوتا ہے۔ جب ولی اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ تو اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ کھلاتا ہے تو کھاتے ہیں وہ پلاتا ہے۔ تو پیتے ہیں وہ بلواتا ہے۔ تو بولتے ہیں، ورنہ خاموش رہتے ہیں۔ مشکوۃ باب الذکر میں ایک حدیث قدسی ارشاد ہوئی کہ رب فرماتا ہے۔ کہ میں اپنے ولی کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ چھوتا ہے، میں اس کی آنکھ، زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا

لور دیکھتا ہے۔ اسی حال پر پہنچ کر بعض حضرات "انا الحق" کہہ گئے اور بعض "سبحانی مااعظم شانی" فرما گئے اس وجہ سے جب جنگ بدر میں حضور علیہ السلام نے کنکریوں کی مٹھی کفار پر پھینکی' تو رب نے ارشاد فرمایا "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" تقوی کے معنی ہیں ڈرنا یا بچنا' اس کے بھی تین درجے ہیں۔ تقوی عوام' تقوی خواص اور تقوی اخص الخواص' ناجائز چیزوں سے بچنا عوام کا تقوی ہے اور شبہات سے بچنا خواص کا تقوی مگر ماسوی اللہ سے علیحدہ ہو جانا اخص بالخواص کا تقوی۔ جو چیز رب سے غافل کرے اس سے دور بھاگنا اس کو رفع کرنا مردوں کا کام ہے۔

حکایت:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ابن ادہم سلطنت بخاری چھوڑ کر مکہ معظمہ پہنچے' اپنے والد ادہم سے ملاقات کی' محبت پدری نے جوش مارا' الخت جگر کو سینے لگایا' ندا آئی کہ اے لوہم! جس دل میں ہماری محبت ہو گیا اس میں کسی اور کی بھی گنجائش ہے؟ عرض کیا مولی میرے فرزند کو موت دے دے اب خیال نہیں کہ یہ لخت دل ہے بے قصور ہے' اب تو یہ لحاظ ہے کہ اس وقت یہ میرے اور محبوب کے درمیان ایک آڑ ہے اسے پھاڑ کر ہٹا دو' فوائد الفواد ص 60۔

حکایت:۔ سلطان اولیاء حضرت محبوب الٰہی نظام اولیاء بدایونی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک شخص دریا کے کنارے رہتا تھا۔ اس نے اپنی عورت کو کہا جمنا پار ایک درویش بیٹھا ہے اسے کھانا کھلا آ عورت نے عرض کیا کہ مجھے کچھ عذر نہیں مگر رات اندھیری ہے' جمنا بیچ میں ہے کوئی کشتی بھی نہ ملے گی' اسے کیونکر پار کروں؟ فرمایا کہ دریا سے کہہ دینا کہ میں اس کی بھیجی ہوئی ہوں جو تیس سال سے اپنی بیوی کے پاس نہ گیا عورت کو سخت تعجب ہوا کیوں کہ حضرت صاحب اولاد تھے مگر باادب تھی کچھ نہ بولی بلکہ چل پڑی' دریا سے یہ ہی کہا' دریا' میں قدرتی طور پر خشک راستہ نمودار ہو گیا' پار جا کر بزرگ کو کھانا کھلایا' جب واپس ہوئی تو بزرگ نے کہا دریا سے کہہ دینا کہ اس کی خدمت سے آرہی ہوں جس نے کبھی کچھ نہ کھایا' اب تو اس عورت کا تعجب اور بھی

بڑھ گیا کہ ابھی میرے سامنے کھانا کھایا ہے اور یہ فرما رہے ہیں مگر خاموش رہی' دریا سے یہی کہا پھر راستہ نمودار ہو گیا' ایک دن عورت نے اپنے خاوند سے عرض کیا کہ اس دن آپ کے اور اس بزرگ کے کلام میں کیا راز تھا؟ فرمایا ہم لوگ اپنے نفس کے لئے کچھ نہیں کرتے جو کچھ کرتے ہیں رب کے لئے اس لئے ہمارے فعل ہماری نسبت سے کالعدم ہیں اس تقوی کی یہ حقیقت ہے' اس لحاظ سے ارشاد ہوا۔ "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ" جیسا ایمان و تقوی ویسی ولایت "لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ بُشْرٰی" میں چند احتمال ہیں یا تو معنی اسم مفعول (مبشریہ) خوشی کی چیزیں یعنی دارین میں حقیقی خوشی اولیاء اللہ کو ہی حاصل ہے۔ کہ ان کا دل دنیاوی تفکرات کا اثر نہیں لیتا ان کے لئے یہاں کے تفکرات مثل دریا کے پانی کے ہیں اور ان کے قلوب تیرنے والی کشتی کہ اگر دریا پر کشتی رہے تو محفوظ اور اگر کشتی پر دریا غالب آ جائے تو

آب در کشتی ہلاک کشتی است
آب اندر زیر کشتی پشتی است

عشق خدا و رسول نے ان کے دل میں غم و فکر کی جگہ ہی نہ چھوڑی' جس گھر میں مالک نہ ہو وہاں بلائیں رہتی ہیں مگر جو گھر مالک سے آباد اور روشن ہو اس میں دوسرا کیوں رہے ان کی نظروں کے سامنے وہ جھلک ہے جس سے ان کی نگاہ دوسری طرف اٹھتی ہی نہیں۔

حکایت:۔ تفسیر روح البیان میں فرمایا کہ ایک شخص نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث سنی ہے کہ مومن کی ایسی بے تکلف جان نکل جاتی ہے جیسے خمیرے آٹے سے بال کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ فرمایا ہاں عرض کیا کہ قرآن کریم نے تو جان کنی کی سخت شدت اور دشواری بیان فرمائی ہے۔ "کَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ

اَلسَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰی رَبِّکَ یَومَئِذِ الْمَسَاقِ" تو اس حدیث و آیت میں مطابقت کیوں کر ہو؟ فرمایا کہ سورہ یوسف پڑھو' وہاں اس کا جواب مل جائے گا' اس نے بیدار ہو کر بار بار سورہ یوسف پڑھی' مگر جواب سمجھ میں نہ آیا' مجبور ہو کر عالم وقت کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا بیان کیا' انہوں نے فرمایا کہ سورہ یوسف کی اس آیت میں تیرے سوال کا جواب ہے۔ "فَلَمَّآ رَاَیْنَهٗٓ اَکْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ" (یعنی مصر کی عورتوں کی زلیخا نے دعوت کی' کھانے کے بعد ان کے ہاتھوں میں لیموں اور چھری دے دی' اور پھر رخ یوسف سے نقاب اٹھا کر حسن خدا داد کی جھلک دکھا کر کہا اب لیموں کاٹو' انہوں نے بے خودی میں بجائے لیموں کے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے' اور بولیں کہ سبحان اللہ! یہ حسین انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے۔

دیکھو ان عورتوں کے ہاتھوں پر چاقو چلا' ہاتھ کٹا' خون بہا' درد بھی ہوا' مگر جمال یوسفی میں ایسی محو ہو گئیں کہ نہ تو ہائے وائے کی' نہ درد کی شکایت نہ تکلیف کا احساس بلکہ حال یہ تھا کہ ہاتھ کٹ رہا ہے اور حسن یوسف کی مدح خوانی کر رہی ہیں۔ ایسے ہی مرد صالح کو بوقت نزع جمال مصطفائی کی زیارت ہوتی ہے' تب نقشہ یہ ہوتا ہے کہ جان نکل رہی ہے اور سامنے جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے مرنے والا دیکھ کر کہہ رہا ہے کہ تمہارے جمال پر قربان' تمہارے کمال کے صدقہ' تمہارے خدوخال پر فدا' تمہارے بنانے والے رب ذوالجلال پر قربان' ترے رخسار پر قربان' تیری رفتار پر فدا' غرضیکہ مرنے والا ان پر قربان ہوتا رہا اور جان نکل گئی اسے محسوس بھی نہ ہوا۔ تو قرآن کریم نے اس واقعی تکلیف کا ذکر فرمایا اور حدیث پاک نے احساس کی نفی کی دونوں میں مخالفت نہیں یہ تو زندگی اور موت کا حال تھا' رہی قبر تو وہ دیدار مصطفیٰ کی جگہ ہے' وہ بھی ان کو پیاری' رہی قیامت وہ حضرات اس دن سایہ دامان مصطفیٰ علیہ السلام میں امن و امان سے ہی ہوں گے اگلی خبریں ان کے لئے دنیاوی بشارت تھیں اور اخروی بشارت یا دنیاوی بشارت سے اچھی خوابیں یا کشف و الہام مراد ہے' حدیث

پاک میں ارشاد ہوا' اچھی خوابیں نبوت کا چالیسواں حصہ ہیں کہ زمانہ نبوت ۲۳ سال اور اس سے پہلے سچی خوابیں حضور علیہ السلام کو چھ ماہ آئیں' اور بشارت آخرت فرشتوں کا بشارت دینا ان کا سلام پیش کرنا ہے' یا دنیاوی بشارت سے دنیا میں نیک نامی مراد ہے' اور اخروی بشارت سے وہاں کی خوشخبریاں' دیکھ لو اولیاء اللہ بعد وفات بھی دلوں پر حکومت کرتے ہیں' حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ دنیاوی بشارت تو ملائکہ کا بوقت موت خوشخبری سنانا ہے' اور اخروی بشارت وہ ہے جو بعد موت ان کو سنائی جاتی ہے۔

**مسئلہ:۔** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جسے مسلمان جانیں' وہ اللہ کے نزدیک بھی ولی ہے کیونکہ یہاں دنیاوی بشارت کو علامت یا ولایت فرمایا گیا ہے اور مسلمانوں کا کسی کو ولی کہنا یہ دنیاوی بشارت ہی تو ہے۔

**لطیفہ:۔** ایک بار مکہ مکرمہ میں ہم سے حرم شریف کے امام نے کہا کہ جسے تم ولی کہتے ہو اس کے خاتمہ بالخیر کا بھی یقین نہیں' پھر تم قبر کی تعظیم و توقیر کیوں کرتے ہو' کیا خبر کہ صاحب قبر مرتے وقت ایمان پر بھی قائم نہ رہے ہوں ان کے ولی ہونے کا کیا ثبوت ہے' ہم نے کہا کہ مسلمانوں کا ان کو ولی جاننا ان کے ولی ہونے کی علامت ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انتم شھداء اللہ فی الارض" (تم لوگ زمین میں رب تعالٰی کے گواہ ہو۔) ملا علی قاری نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ خلق کی زبان خالق کا قلم ہے وہ بولا کہ یہ صرف صحابہ کرام کے لئے تھا جن کی وہ گواہی دیں' وہ واقعی جنتی ہو' کیونکہ حدیث میں انتم خطاب ان سے ہے' ہم نے کہا کہ اگر یہ مطلب ہے تو ہم پر نہ نماز فرض ہے نہ روزہ' نہ حج نہ زکوٰۃ' کیوں کہ ان تمام احکام میں خطاب ہی کے صیغہ ہیں اور نزول قرآن کے وقت صرف صحابہ کرام تھے ہم نہ تھے' وہ بیچارے خاموش ہو گئے' غرضیکہ دنیا میں مسلمانوں کا کسی کو ولی کہنا یہ دنیاوی بشارت ہے اور آخرت میں نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں ہونا' چہرہ روشن ہونا' وغیرہ اخروی بشارت ہے۔

**شہید کا بیان اور شہادت کے فضائل:۔** ولی کی ایک قسم شہید بھی ہے' شہید

کے فضائل گویا اولیاء ہیں اور اولیاء اللہ کی مدح سرائی حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت خوانی ہے۔ اسی لئے ہم اس کی تحقیق کچھ عرض کرتے ہیں۔

شہید کے معنی:۔لغت میں شہید کے معنی گواہ یا حاضر یا موجود ہیں مگر شریعت میں اکثر شہید اسے کہا جاتا ہے جو ظلماً قتل ہو' اس مظلوم کو شہید کہنے کی چند وجہیں ہیں ایک یہ کہ قیامت کے دن ساری امت مصطفیٰ علیہ السلام پچھلے انبیاء کرام کے حق میں گواہی دیگی' جبکہ ان کی امتیں عرض کریں گی کہ مولی ہم تک تیرے احکام نہ پہنچے ہم ایمان کیسے لاتے؟ انبیاء کرام عرض کریں گے کہ مولی ہم نے تبلیغ کر دی تھی' ان بدبختوں نے نہ مانا اس کی گواہی امت مصطفیٰ علیہ السلام دے گی' گواہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک مدعی کا تجویز کردہ' دوسرا سرکاری گواہ' تو گویا عام مسلمان انبیائے کرام کے اپنے گواہ ہوں گے اور شہدائے عظام سرکاری گواہ، اسی لئے انہیں شہید یعنی سرکاری گواہ کہا جاتا ہے۔ نیز توحید کی گواہی سارے مسلمان دیتے ہیں کوئی قول، کوئی فعل سے کلمہ پڑھنا بھی توحید کی گواہی ہے اور روزہ' نماز' حج' زکوۃ' فعلی گواہی لیکن شہید اپنے خون سے توحید کی گواہی دیتا ہے لہذا اس کی گواہی تمام گواہیوں سے اعلیٰ ہے' اس لئے یہ کامل گواہ ہوا' اسی وجہ سے اسے مع خون کے دفن کرتے ہیں کہ گواہی گواہ کے ساتھ جائے۔

دوسرے یہ کہ کوئی شخص قیامت سے پہلے جزا کے لئے جنت میں نہیں جا سکتا' حضرت آدم علیہ السلام کا وہاں رہنا یا حضور علیہ السلام کا معراج میں وہاں تشریف لے جانا جزائے اعمال کے لئے نہ تھا' نیک مردوں کی قبر میں جنت کی کھڑکی کھل جاتی ہے جس سے وہاں کی ہوا آتی ہے اور مردہ اسے دیکھتا ہے۔ مگر وہاں داخل نہیں ہو سکتا صرف شہداء وہ ہیں جن کی روحیں سبز پرندوں کے جسم میں وہاں جاتی اور وہاں کے رزق کھاتی ہیں۔ (حدیث و قرآن) اس لئے انہیں شہید کہا جاتا ہے یعنی قیامت سے پہلے جنت میں موجود ہو جانے والا، تیسرے یہ کہ شہید کو بارگاہ الٰہی میں حاضر کر کے دریافت کیا جاتا ہے کہ کچھ تمنا ہے تو کہو' وہ عرض کرتا ہے کہ پھر شہادت کے لئے دنیا

میں واپس کیا جاؤں تاکہ اسی گرم ریت اور زخم و قتل کی لذت پھر پاؤں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں امتحان کے بعد امتحان نہیں لیا جاتا' اس لئے اسے شہید کہتے ہیں یعنی بارگاہ الٰہی میں حاضر۔

**شہادت کی قسمیں:۔** شہادت کی دو قسمیں ہیں۔ حقیقی اور حکمی۔ شہادت حقیقی تو وہ بیان کر دی گئی یعنی ظلماً مارا جانا اور قاتل پر دیت واجب نہ ہو۔ شہادت حکمی یہ ہے کہ ظلماً قتل نہ ہو مگر رب تعالیٰ بروز قیامت اسے زمرہ شہدا میں اٹھائے روایات میں آیا ہے کہ جو عورت زچہ خانہ میں مرجائے شہید ہے دب کر جل کر' ڈوب کر' مرجانے والا شہید۔ طاعون میں' صابر' طالب علم وغیرہ شہید ہیں۔ یہ سب شہید حکمی ہیں۔ ان کی بہت سی قسمیں ہیں' اگر یہ تمام اقسام دیکھنا ہوں' تو ہماری تفسیر نعیمی دوسرا پارہ ملاحظہ کرو۔ شہادت حقیقی کی بھی دو قسمیں ہیں' شہادت فقہی اور غیر فقہی۔ شہادت فقہی یہ ہے مسلمان عاقل بالغ ظلماً اس طرح قتل ہو کہ زخمی ہو کر کوئی دنیاوی نفع حاصل نہ کر سکے نہ تو علاج کرا سکے نہ کچھ کھا پی سکے نہ سایہ لے سکے اور نہ تاوقت نماز ہوش و حواس کے ساتھ زندہ رہے' اس کا حکم یہ ہے کہ نہ اس کو غسل دیا جائے نہ کفن انہی خون آلود کپڑوں میں دفن کر دیا جائے۔ دوسری قسم کی شہادت بھی شہادت ہی ہے مگر اس پر یہ فقہی احکام جاری نہ ہوں گے۔ شہدائے کربلا سب ہی شہید ہیں مگر حضرت علی اصغر و علی اکبر و حضرت امام حسین کی شہادتوں میں فرق ہے۔

**شہید کے فضائل:۔** شہید کے فضائل بے شمار ہیں ہم کچھ عرض کرتے ہیں۔ (۱) اور لوگ تو دینی خدمت میں اپنا وقت یا مال یا دیگر چیزیں خرچ کرتے ہیں' مگر شہید اپنی جان سے دین کی خدمت کرتا ہے اور چونکہ جان زیادہ پیاری اس لئے بڑی قربانی اسی کی ہے' اور اس لحاظ سے دین کا بڑا خادم شہید ہی ہے۔ (۲) آج بھی حکومتیں فوجی سپاہیوں کی بہت خاطر تواضع اور ناز برداری کرتی ہیں' وہ جانتی ہیں کہ اس نے حکومت کے لئے اپنی جان پیش کی ہے' ایسے ہی حکومت ربانیہ میں شہید کا بڑا درجہ ہے کہ اس نے جان کی بازی لگا دی اور جان سے دین کی خدمت کی (۳) شہید کو نبی سے اور

شہادت کو نبوت سے بہت قرب اور مناسبت ہے۔

مسئلہ:۔ یہ ہے کہ نیند وضو توڑتی ہے اور موت غسل۔ سو کر بغیر وضو کئے نماز جائز نہیں اور میت کو بغیر غسل دفن نہیں کر سکتے مگر پیغمبر کی نیند وضو نہیں توڑتی اور شہید کی موت غسل نہیں توڑتی۔ پیغمبر سونے کے بعد بغیر وضو کئے نماز پڑھ سکتے ہیں اور شہید کو بغیر غسل و کفن اسی طرح خون آلود دفن کیا جائے گا۔ (۲) پیغمبر کے فضلات و پیشاب' پاخانہ وغیرہ امت کے لئے پاک ہیں (شامی) اور شہید کا خون آلود کپڑا کنوئیں میں گر جائے تو کنواں ناپاک نہیں ہوتا حیات النبی کی حدیث نے گواہی دی "فنبی اللّٰہ حی یرزق" (مشکوہ باب الجمعہ) اور حیات شہداء کا قرآن گواہ ہے "بل احیاء ولکن لاتشعرون"

لطیفہ:۔ کسی مشاعرہ کا مصرع طرح یہ تھا۔

کافر ہیں جو حسین کا ماتم نہیں کرتے

کسی شاعر نے اس پر یہ شعر لکھا۔

کافر ہے جو منکر ہو حیات شہدا کا
ہم زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

(۴) بعد موت کوئی مغفور بندہ دنیا میں واپس آنے اور یہاں کے مصائب و آلام پھر دیکھنے کی آرزو نہیں کرتا سوائے شہید کے کہ وہ بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا ہے کہ مولیٰ پھر وہی میدان جہاد ہو' وہ ہی وہاں کی تپتی ریت ہو' وہ ہی زخم و قتل ہو (مشکوہ باب فضائل جہاد) (۵) حدیث شریف میں ہے کہ شہادت قرض کے سوا سارے گناہ مٹا ڈالتی ہے۔ (۶) حدیث شریف میں ہے کہ تین شخص جنت میں پہلے جائیں گے' شہید اور بھیک سے بچنے والا عیالدار اور فرمانبردار غلام (ترمذی و مشکوہ فضائل جہاد) (۷) حضور صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ شہید کی چھ خصوصیتیں ہیں' اس کی پہلی بار میں مغفرت کر دی جاتی ہے' اسے اس کا جنتی مقام دکھلایا جاتا ہے' اسے عذاب قبر نہیں ہوتا' قیامت کے دن گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا'

جس کا ایک یا قوت ساری دنیا سے بہتر ہو گا' ۷۲ حوریں اس کے نکاح میں دی جائیں گی اور وہ اپنے ستر اہل قرابت کی شفاعت کرے گا۔(ترمذی ابن ماجہ و مشکوۃ کتاب الجہاد)(۸) حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں دو قطرے اور دو قدموں کے نشان خدا کو بڑے پیارے ہیں۔ ایک آنسو کا قطرہ جو خوف الٰہی میں بہے' دوسرے اس قدم کا نشان جو خدا کا فریضہ ادا کرنے کے لئے چلے۔ (۹) حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تلوار شہید کی خطائیں مٹا دیتی ہے اور قیامت میں اس اختیار دیا جائے گا کہ جس دروازہ سے چاہے جنت میں جائے (دارمی و مشکوۃ )(۱۰) حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ شہید کو موت کی اتنی تکلیف ہوتی ہے جیسے کسی کو چیونٹی کے کاٹنے کی۔

سید الشہداء کون ہے؟:۔ حضور علیہ السلام کے باغ میں ہر پھول کا رنگ و بو جدا ہے' خلفائے راشدین امام حسین علیہ السلام' امیر حمزہ رضی اللہ عنہم اجمعین سب ہی مختلف معانی سے سید الشہداء ہیں۔ صدیق اکبر اس لحاظ سے کہ ان کی وفات حضور علیہ السلام کی وفات کا نمونہ ہے حضور علیہ السلام کی وفات خیبر والے زہر سے' صدیق اکبر کی وفات مار غار کے زہر سے کہ اس وقت اس سانپ کا زہر لوٹ آیا تھا' اور اس سے آپ کی وفات ہوئی۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے وقت گھر میں روشنی کے لئے تیل نہیں اور صدیق اکبر کے گھر میں کفن کے لئے کپڑا نہیں غرضیکہ ثانی اثنین کا ہر طرح ظہور ہے۔ حضرت عمر فاروق اس لحاظ سے سید الشہدا ہیں۔ کہ مدینہ طیبہ کی زمین مسجد نبوی شریف حضور علیہ السلام کا مصلے اور نماز فجر میں مشغولیت اور عین اسی حالت شہادت' پھر روضہ پاک میں دفن' اتنے صفات کسی میں جمع نہیں ہوئے' حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لئے سید الشہداء ہیں کہ مدینہ کی زمین' قرآن کی تلاوت اور خون کا پہلا قطرہ قرآن پاک کی اس آیت میں گرنا

"فسیکفیکھم اللّٰہ" الآیہ پھر صابر ایسے کہ بوقت قتل قاتل کا مقابلہ تو کیا اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ بھی نہ اٹھایا بلکہ سب کو مقابلہ سے منع فرمایا تاکہ میری وجہ سے مدینہ کی زمین خون سے رنگین نہ ہو۔

حضرت امام حسین علیہ السلام۔ اس لئے سید الشہداء ہیں کہ از آدم تا ایں آدم کسی نے ان کی سی مصیبتیں نہ اٹھائیں، کربلا کے میدان میں وہ غازی بھی تھے، پردیسی مسافر بھی اور مہاجر بھی، تین دن کے متواتر روزہ دار بھی، بچوں اور گھر بار کو راہ الٰہی میں لٹانے والے بھی اور انوکھے نمازی بھی کہ عین نماز میں شہید ہوئے چونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ حسن و حسین علیہم السلام جوانانِ جنت کے سردار اور چاہئے یہ کہ سردار سارے ماتحتوں سے زیادہ باکمال ہوں، اس سے پہلے بظاہر حضرت حسین مہاجر نہ تھے، نہ مجاہد، نہ غازی، اگر اسی حالت میں ان کے سر پر سرداری کا عمامہ باندھ دیا جاتا تو ممکن تھا کہ کوئی جنتی سمجھتا کہ ہمارے سردار ہیں میں فلاں کمال نہیں، مرضی الٰہی تھی کہ ایک کربلا میں سارے منازل طے کر دیئے جائیں آپ کا ہر وصف نرالا ہے، نہ آپ جیسا کوئی نمازی گزرا، نہ روزہ دار، نہ غازی، اور نہ ایسا جلوس کسی کا نکلا، سب لوگ نماز کے لئے وضو کریں یا تیمم، مگر آپ کی آخری نماز وہ تھی جس کے لئے نہ وضو تھا نہ تیمم، جب پانی پینے ہی کو نہ تھا تو وضو کاہے سے کرتے اور رہا تیمم تو تیمم ہاتھ سے ہوتا ہے منہ اور کلائی پر ہوتا ہے، اور خشک مٹی سے ہوتا ہے، مگر وہاں زخموں سے نہ چہرہ محفوظ تھا نہ کلائی اور جب ریت پر ہاتھ مارا تو وہ خون سے کیچڑ بن گیا۔ اب بتاؤ تیمم کیسے کرتے؟

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سایہ میں
نماز عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سایہ میں

غرضیکہ یہ انوکھی نماز وضو اور تیمم سے بے نیاز تھی، روزہ ایسا انوکھا رکھا جو عالم میں بے مثل ہے سب کے روزے دن بھر کے انکا روزہ ڈھائی دن کا، سب کے لئے وقت افطار غروب آفتاب ہے ان کا وقت افطار دوپہر سب غذا یا پانی سے روزہ کھولیں مگر حسین نے اپنے خون سے روزہ کھولا، نیز اوروں کی بیویاں بیوہ ہو کر عدت کے چار ماہ دس دن ایک جگہ بیٹھ کر گزاریں مگر امام حسین کی بیوی علی اصغر کی والدہ علی المرتضیٰ کی بہو بلکہ یوں کہوں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دولت خانہ کا اجالا اور

سارے مسلمانوں کی آبرو' یہ جب بیوہ ہوں تو بشکل جلوس کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق گرفتار ہو کر پہنچائی جائیں' جیسا کہ جلوس حضرت حسین کا بعد شہادت نکلا ایسا کہ نہ نکلا ہو گا' آسمان و زمین نے کبھی یہ نظارہ نہ دیکھا ہو گا کہ بھائی کا سر نیزہ پر آگے آگے ہو اور قیدی بہنیں پیچھے پیچھے اونٹوں پر سوار

کہ سر بھائی کا ہو نیزہ پہ اور اونٹوں پہ ہوں بہنیں
جہاں میں مبتلا ذی قدر کمتر ایسے ہوتے ہیں۔

مرنے والے بوقت موت اپنے بچوں کے لئے وصیتیں کرتے ہیں' لیکن حضرت حسین علیہ السلام ایسے انوکھے دنیا سے جا رہے تھے کہ بہتر زخم کھا کر گھوڑے سے نیچے آئے تو اپنے قاتل سفاک شمر سے دو رکعت نماز قصر کی مہلت مانگی' قسم رب کی ہماری لاکھوں نمازیں ان کے اس سجدہ پر قربان ہو جائیں۔

اس دوگانہ پہ فدا ساری نمازیں جس میں
دھار حلقوم پہ سر خم ہو عبادت کے لئے

اور کیوں نہ ہوتا وہ چمن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مالی' امت کے ولی' دین کے رکھوالی تھے' مصیبت و آرام میں دین کی طرف رجوع فرماتے تھے۔

پھنسی جو دام میں بلبل تو یوں لگی کہنے
کرے گا قتل کیا تو نے جب اسیر مجھے
کباب شمع کے شعلہ پہ کیجیو صیاد
کہ شکل گل نظر آئے دم اخیر مجھے

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بوقت ذبح باپ کو وصیت کی تھی کہ میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیجئے تاکہ ذبح کے وقت نہ تڑپوں' کیونکہ جانکنی کی تڑپ سب کو ہوتی ہے' مگر حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات بھی ایسی انوکھی کہ ذبح کے وقت نہ تڑپے نہ جنبش کی

نہ خنجر بھی نہ تڑپا پسر شیر خدا

یہ تکلف تو فقط فاطمہ کے شیر میں ہے

بعد شہادت جب نیزہ سر پر رکھا گیا ہے' تو آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور زمین پر نظر تھی' کسی نے اس کا عجیب نکتہ بیان کیا ہے۔

با آنکہ سر ہے نیزہ پر سوئے زمین ہے رو
یعنی ہے ان کو سجدہ ثانی کی آرزو

رکعت اول کا ایک ہی سجدہ تو کر پائے تھے کہ قاتل نے شہید کیا' یہ وہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر حضرت حسین علیہ السلام سید الشہداء ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شہداء کی شہادتیں انہیں کے دامن پاک سے لپٹ کر بارگاہ الٰہی میں پہنچتی ہیں' غرضیکہ حضور سیدعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سارا گھرانہ ہی پاک اور ستھرا ہے میں کیا اور میری حقیقت کیا جو ان صفات کا کرشمہ بیان کر سکوں بہت جلدی میں یہ چند اوراق لکھ کر دیئے۔ رب تعالیٰ انہیں قبول فرما کر میرے گناہوں کا کفارہ اور صدقہ جاریہ بنائے۔

یلوح الخط فی القرطاس دھرا
مصنفہ رمیم فی التراب

جو کوئی اس سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ فقیر بے نوا کے لئے دعائے مغفرت فرمائے کہ اس محنت سے یہی مقصود ہے۔

اے کہ بماہی روی دامن کشاں
از سر اخلاص الحمد بخواں

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه ونور عرشه سیدنا محمد وعلی آله واصحابه اجمعین برحمته وھو ارحم الرحمین

احمد یار نعیمی اشرفی
۱۴ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ

انوارِ رضا

ملک محبوب الرسول قادری

نامور قلم کار اور معروف صحافی **ملک محبوب الرسول قادری** کے زیرِ ادارت

## ابلاغ دین کی بین الاقوامی تحریک

